

سہ ماہی

کارروائی اور ادب

جنوری تا سپتامبر ۲۰۱۳ء

حلہ-۱۹، شمارہ-۳ و حلہ-۲۰، شمارہ-۱

فہرست مضمون

۳	حضرت مولانا سید محمد رائے حنفی ندوی	منزل پر بنزول
علمی مقالات		
۵	اردو شاعری ملتویات ای تیکیجات کا اثر	مولانا محمد علاء الدین ندوی
۱۶	قرآن پاک کے مکمل تراجم یا کتاب اللہ کے ساتھ حلواز ڈاکٹر رمیس احمد نعیانی	مولانا سید محمد رائے حنفی ندوی
شعر و ادب		
۳۲	حسین ساز	حمد و اغت
بھکل میں ذرا رائے ابلاغ کی اہمیت کے موضوع پر منعقد یکمین کار فتح بخانش		
۳۶	مولانا سید محمد رائے حنفی ندوی	سکریئری رپورٹ
۴۵	مولانا سید محمد رائے حنفی ندوی	ذرا رائے ابلاغ کی تقویت اور تائی خیر
۵۳	ڈاکٹر مولانا سید محمد رائے حنفی ندوی	میڈیا اور انسانی تدریس
۵۶	مولانا محمد زادہ اکنڈو بارہ بیکوی	صحافت- اہمیت اور ضرورت
۵۹	ابوبکر بہر	ذرا رائے ابلاغ اور انسانی تدریس
۶۵	مولانا اقبال احمد ندوی	اسلامی ادب میں صحافت کا تصور
۶۹	مولانا سعید احمد ندوی	ذرا رائے ابلاغ اور ادب اسلامی
۷۵	مولانا عبدالرحمن بیگ ندوی	اسلامی ادب اور صحافت
۷۸	ڈاکٹر شاہزاد عثمانی	الکڑا اک میڈیا، اردو اور ادب اسلامی
۸۲	ڈاکٹر عبدالرشید ندوی مدفنی	ذرا رائے اردو صحافت..... ایک جائزہ
۸۶	ڈاکٹر سعید الرحمن خان	ذرا رائے ابلاغ اور اسلام
۸۹	مولانا سید محمد حسن حنفی ندوی	ذرا رائے ابلاغ میں اہمیت اور چاندیت کی ضرورت
۹۱	مولانا حسرت علی قاسمی ندوی	ذرا رائے ابلاغ اور تجزیب پسند عناصر
وہنگر ادب		
۹۸	مولانا اقبال احمد ندوی	رپورٹ: بغوان: ”بر صغیر و بلاد غریب کے معاصر...“
۱۰۷	ادارہ	رابطہ ادب اسلامی کے ۳۲ دویں سیمینا کا درجت نامہ
۱۰۸	مولانا اقبال احمد ندوی	رپورٹ: ۳۲ دویں ڈاکٹر عطیٰ: ”رسوس مددی میں...“
۱۱۶	مولانا اقبال احمد ندوی	رپورٹ: بغوان: ”حکیم شرافت حسین بخشیت...“

مجلس معاون

☆ مولانا سید محمد رائے حنفی ندوی، لکھنؤ

☆ مولانا سید محمد رائے حنفی ندوی، لکھنؤ

☆ مولانا حافظ فضل الرحمن

☆ ڈاکٹر محمود الحسن عارف

☆ مولانا محمد سلطان ذوق ندوی

مدیر مسنوی

☆ مولانا سید محمد رائے حنفی ندوی

(الم شعبیر صابر)

مجلس ادارت

☆ مولانا ناصر المفیظ ندوی، لکھنؤ

☆ ڈاکٹر سید ضیاء الحسن، لکھنؤ

☆ ڈاکٹر شفیق احمد ندوی جامعہ طیبہ اسلامیہ، دہلی

☆ ڈاکٹر بشیل مهدی، دہلی

معاون انتظامی

اقبال احمد ندوی

:- زرخواں:-

اک شمارہ کی قیمت: ۱۲۰ روپے، سالانہ برائے ہندوستان ۵۰ روپے

پاکستان و بھارت: ۳۰۰ روپے یا ۱۰۰ امریکی ڈالر

ان کے علاوہ دیگر ممالک: ۳۰۰ روپے

بچک یا ذرا رفت اس نام سے بائیس

RABITA-AL-ADAB-AL-ISLAMI(INDIA)

- صدر دفتر:- رابطہ ادب اسلامی (عائش)، پوسٹ بکس ۹۳۰، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فهرست مصاہین

۱۲۰	قریبیلی	مولانا ابوالبیان حادا کارگر تغزل
۱۲۳	نقش میں نقش نقوش نقاش (قریبیلی کی تازہ تصنیف "میری نظریں" کے حوالے سے) شمس الحق عثمانی	نقش میں نقش نقوش نقاش (قریبیلی کی تازہ تصنیف "میری نظریں" کے حوالے سے)
۱۲۶	بھٹکل سیماں کے عربی مصاہین (بحوث باللغة العربية قدمت في ندوة بهاتکل)	بھٹکل سیماں کے عربی مصاہین (بحوث باللغة العربية قدمت في ندوة بهاتکل)
۱۳۲	کلمہ معالیٰ الدکتور عبد المحمد عبد الباری وزیر الشؤون الإسلامية في الدكتور محمد طارق الأيوبي الندوی جمہوریہ المالدیف دور الصحافة في تطوير مصطلح "الأدب الإسلامي"	کلمہ معالیٰ الدکтор عبد المحمد عبد الباری وزیر الشؤون الإسلامية في الدكتور محمد طارق الأيوبي الندوی جمہوریہ المالدیف دور الصحافة في تطوير مصطلح "الأدب الإسلامي"
۱۳۱	مساهمہ فضیلۃ الأستاذ السيد محمد الحسنی الندوی في الصحافة العربية الإسلامية	الدکتور السيد کمال اللہ البختیاری الندوی
	اس شمارے کے اروپ مقالات کی تجزیخ (تلخیص المقالات باللغة العربية)	اس شمارے کے اروپ مقالات کی تجزیخ (تلخیص المقالات باللغة العربية)
۱۵۰	السيد محمد الرابع الحسني الندوی	افتتاحیہ العدد
۱۵۲	السيد محمد واضح رشید الحسني الندوی	وسائل الإعلام ومدى تأثيرها
۱۵۳	فضیلۃ الشیخ سعید الأعظمی الندوی	الصحافة والمثل الإنسانية
۱۵۶	محمد ذاکر الندوی	الصحافة - أهميتها و حاجتها
۱۵۸	أبو بكر هبر	وسائل الإعلام والمثل الإسلامية
۱۵۹	الشيخ إقبال أحمد الندوی	موقف الإسلام من الصحافة
۱۶۰	الشيخ سعود الحسن ندوی	وسائل الإعلام والأدب الإسلامي
۱۶۱	الشيخ عبد الرحمن الملی الندوی	الأدب الإسلامي والصحافة
۱۶۲	الدکتور الشاہ رشاد العثمانی	دور وسائل الإعلام الإلكتروني في خدمة اللغة الأردنية والأدب الإسلامي
۱۶۳	الدکتور سليم الرحمن خان توکیو جابان	وسائل الإعلام والإسلام
۱۶۴	الشيخ السيد محمود حسن حسني الندوی	حاجة وجود الأدب والجاذبية في وسائل الإعلام
۱۶۵	الشيخ حسرت علي القاسمي الندوی	وسائل الإعلام والعناصر الهدامة
۱۶۷	ملامح الكاتب في كتابه في ضوء الكتاب " عند نظري " المؤلف قمر السنبهلي شمس الحق العثماني	ملاحم الكاتب في كتابه في ضوء الكتاب " عند نظري " المؤلف قمر السنبهلي شمس الحق العثماني
۱۶۸	التقریر عن الندوة الأدبية للرابطة المنعقدة في كولکاتا حول موضوع	التقریر عن الندوة الأدبية للرابطة المنعقدة في كولکاتا حول موضوع
۱۷۷	الشيخ إقبال أحمد الندوی	دراسة مقارنة لشعر شعراء شبه القارة الهندية و البلدان العربية" (کولکاتا) تقریر عن الندوة الأدبية للرابطة المنعقدة في علي جراه حول موضوع
۱۸۳	الشيخ إقبال أحمد الندوی	" أدب السیرة في الأردنية في القرن العشرين و المثل الحلقية فيه" تقریر عن الندوة الأدبية للرابطة المنعقدة في ندوة العلماء لکھنؤ حول موضوع الشيخ محمد وثیق الندوی
	" مساهمۃ الحکیم شرافت حسین الرحیم آبادی فی أدب الأطفال" (لکھنؤ)	" مساهمۃ الحکیم شرافت حسین الرحیم آبادی فی أدب الأطفال" (لکھنؤ)

منزل بہ منزل

حضرت مولانا سید محمد رابع حسینی ندوی

کے ساتھ اس کو واقعات کی ترجمانی محسن بیان واقعہ کے لیے نہیں، بلکہ اپنے اپنے مقاصد کے لحاظ سے مقاصد کا تابع بنایا گیا ہے۔ اس کے ذریعے ذہنوں کی نئی تنقیل کا کام لیا جانے لگا ہے۔ اس طرح دنیا کے حالات جانے اور ان سے اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کا فائدہ جو ذرائع ابلاغ سے لیا جاتا رہا ہے، اب اس کی لائی بدل گئی ہے اور اس کے ذریعے اثر ڈالنے اور واقعات کو اپنے اپنے خیالات کے رنگ سے رنگین کرنے کا کام لیا جانے لگا ہے۔

چونکہ ذرائع ابلاغ اور ادب میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ ادب سے استفادہ آدمی کبھی کبھی اور عموماً فرست کے اوقات میں کرتا ہے۔ اس لیے اس سے استفادے کی افادیت محدود اوقات میں ہی ہوتی ہے۔ لیکن ذرائع ابلاغ ہمہ وقت اپنے قارئین سے مخاطب رہتے ہیں اور وہ تسلسل کے ساتھ اثر انداز ہوتے ہیں۔ اور خاص طور پر اب جب کہ ذرائع ابلاغ کو ایسے وسائل حاصل ہو گیے ہیں جن سے ہمہ وقت واسطہ پڑتا ہے، اسی لیے ذرائع ابلاغ بہت موثر کام انجام دے رہے ہیں۔ اس کے اثر کو دیکھتے ہوئے لوگوں کا عمومی رجحان اس سے فائدہ اٹھانے کا ہو گیا ہے۔

ادب ذرائع ابلاغ سے بعض پہلوؤں میں بڑی مشاہدت رکھتا ہے۔ ادب دراصل اپنے خیال کو بیان حقیقت کی شکل میں پُر اثر انداز میں پیش کرنا ہے۔ لیکن ادب کا بنیادی انداز یہ ہے کہ وہ اپنے خود کے خیال کردہ موضوع پر بھی مبنی ہو سکتا ہے، اور حقیقت واقعہ کے بیان پر بھی مبنی ہو سکتا ہے۔ دراصل وہ مقصد کے تابع ہوتا ہے، اس لیے ادب جس کا ہوتا ہے، اس کے مقصد کو تقویت ہو نچاتا ہے۔ ادب کا مقصد شروع سے یہ رہا ہے کہ وہ بلند اور انسانیت نواز ہو، اور وہ قوم کے افراد کی نفیاً ضرورت کے حصول میں معاون ہو۔ اس کی یہ بات ذرائع ابلاغ کے مقصد سے مختلف ہے۔ ذرائع ابلاغ کا مقصد واقعات و تجربات کی ترسیل ہے۔ وہ قوم کے افراد کی معلومات اور اور ادب کے راستے الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ کارِ ادب کے لیے زیادہ صلاحیت درکار ہوتی ہے۔ ذرائع ابلاغ کے لیے اس سے کم صلاحیت درکار ہوتی ہے۔ موجودہ انسانوں کی سیاسی و ثقافتی ضرورتوں نے اسی لیے ذرائع ابلاغ کو اپنے مقاصد کے حصول کا خصوصی ذریعہ بنالیا ہے۔ اور اسی

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ﴿قد أفلح المؤمنون
الذين هم في صلاتهم خاشعون، و الذين هم عن
اللغو معرضون﴾ (سورة المؤمنون: ۳) یعنی ایے
ایمان والے کامیاب ہیں جو اپنی نمازوں میں خشوع و
خضوع اختیار کرتے ہیں اور لغو، بیہودہ، لا یعنی اور بیکار
باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔

لیکن چونکہ حصول معلومات اور لطف کلام انسانوں
کا ذوقی تقاضہ ہے، اس لیے ان دونوں اصنافِ کلام ادب
اور ذرائعِ ابلاغ، کوہجی انسان اپنی پسند و لطف کے رنگ
میں رنگ دیتا ہے، اور جیسی اس کی رغبت ہوتی ہے، ویسا ہی
رنگ پھر دیتا ہے۔ موجودہ عہد میں چونکہ لوگوں کی طبیعتوں
میں اسلامی اصول و اقدار کے برخلاف رجحان عام ہو چکا
ہے، اس لیے ادب اور ذرائعِ ابلاغ دونوں کا رنگ ایک
طرف بہت شوخ اور پُر کشش بنتا جا رہا ہے۔ دوسری طرف
وہ اخلاقی لحاظ سے گراوٹ اور فریب وہی کے انداز کو اختیار
کرتا چلا جا رہا ہے۔ ہمارا باطھ ادب اس کو درست کرنے کی
دعوت دیتا ہے اور اس کو مفید عملی طور پر حسب ضرورت انجام
دینے کی دعوت دیتا ہے۔

ذرائعِ ابلاغ اور ادب کے موضوع پر رابطہ ادب
اسلامی نے بھی مثل میں ایک سیکھیا منعقد کیا تھا، اس کے منتخب
مضامین رابطہ ادب اسلامی کے ترجمان ”کاروان ادب“
کے تازہ شمارے میں پیش کیے جا رہے ہیں۔ امید ہے کہ
قارئین ان سے محظوظ ہوں گے۔



اگرچہ لوگوں نے اپنے تجویں سے یہ بات سمجھی ہے کہ
ذرائعِ ابلاغ کا یہ اندازِ عمل بعض وقت حقیقوں کو فرضی اور
فرضی باتوں کو حقیقت والی باتیں بنادیتا ہے۔ ذرائعِ ابلاغ
کا مصلحت آمیز رجحان یا طریقہ کا بعض وقت بڑی سے
بڑی حقیقت کو فرضی بات کی شکل دیدیتا ہے اور بعض بعض
اوقات مخصوص فرضی بات کو حقیقت کا روپ دیدیتا ہے اور یہ
کام زیادہ طور پر استعاری طاقتوں کی طرف سے یا مکروہ
فریب کا مزاج رکھنے والے افراد کی طرف سے ہوتا ہے۔
اور یہ بات اتنی بڑھتی جا رہی ہے کہ عقل حیران ہو جاتی ہے
کہ وہ کیا سمجھے اور کیا کرے۔

اور جہاں تک اسلامی اصول و اقدار کا تعلق ہے تو
جیسا کہ ہم کو قرآن کریم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ و
سلم کے ذریعے جو ہدایت دی گئی ہے، اس میں مفید مقصد
و اقفیت حاصل کرنا اور انسانی اقدار کی تقویت کو پیش نظر
رکھنا صحیح طریقہ کا رقرار دیا گیا ہے اور بے مقصد تفریگی
ادب کو پابند کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے
﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لِهُ الْحَدِيثَ لِيَضْلِلَ عَنْ
سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ، وَيَتَخَذِّلَهَا هَزْوًا، أَوْ لَكَ لِهِمْ
عِذَابٌ مُهِينٌ﴾ (سورہ لقمان: ۶) یعنی جو لوگ اللہ سے
غافل کرنے والی باتوں سے اس لیے اشتغال رکھتے ہیں
اور ان پر قیس خرچ کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو بغیر علم کے
اللہ کے راستے سے روکیں اور اس کو نہ اق بنا لیں اور اس
کے ساتھ کھلواڑ کریں تو ایسے لوگوں کے لیے رسوائیں
والاعذاب ہے۔

اردو شاعری میں قرآنی تلمیحات کا اثر



مولانا محمد علاء الدین ندوی

تلمیح کی تعریف یوں کی گئی ہے۔ کسی معروف قصے، کہاوت، قرآنی آیت، حدیث رسول، تاریخی واقعہ یا مخصوص اصطلاح کی طرف اشارہ کرنا، اس تعریف کی وضاحت ڈاکٹر حیدر الدین سلیم کے ان جملوں سے ہوتی ہے:

”زبان کے ابتدائی دور میں سادہ خیالات اور معمولی چیزوں کے بتانے کے لئے الفاظ بنائے گئے ہیں، رفتہ رفتہ انسان نے ترقی کا قدم آگے بڑھایا، لمبے لمبے قصوں اور واقعات و حالات کی طرف خاص خاص لفظوں کے ذریعے سے اشارے ہونے لگے، جہاں وہ لفظ زبان پر آئے، فوراً قصے یا واقعے آنکھوں کے سامنے آگئے جن کی طرف وہ اشارہ کرتے ہیں، ایسے تمام اشارے تلمیح کہلاتے ہیں۔“

(افادات سلیم ناخواز ار اسلامی تلمیحات ص ۱۳۶)

علامہ شبیل اور دیگر محققین کے خیال میں دراصل تلمیح معانی کی ترسیل اور خیال کے ابلاغ کا ایک سانچہ ہے، جو کنایہ آمیز الفاظ یا کسی قصہ طلب واقعہ کی طرف اشارہ کرنے کا نام ہے، مگر ضروری نہیں کہ کلام میں اشارہ لفظاً موجود ہو۔ جب ہم کسی کنایہ آمیز لفظ کو تلمیح کے سانچے میں ڈالتے ہیں تو ہمارے ذہن میں معانی جھلما نے لگتے ہیں، خیالات کے نور کا ایک جھما کا ہوتا ہے اور مشارکیہ واقع روشن و منور ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر عطاء الرحمن صدیقی ندوی کہتے ہیں:

قرآن کریم ایک آسمانی کتاب ہے اور عربی زبان میں نازل ہوئی ہے، ہماری اردو زبان میں اس آسمانی مذہب اور اس کی زبان عربی میں کا سب سے گہرا پرتوں ای پڑا ہے، اس سے اس کے اندر کائنات کو سویںے کا حوصلہ پیدا ہو گیا ہے، اس کے وسیع ظرف میں عربی کے علاوہ فارسی، ہندی، انگریزی اور متعدد زبانیں ہم رشتہ وہم رنگ ہیں، اس کی پیدائش سرزمین ہند کی زرخیزی میں ہوئی ہے، اس کے قبائے رنگیں کاتانا بانا عربی ہے، جس میں فارسی کے گل و بوئے سچ ہیں، انگریزی نے اسے دو آتش کیا ہے، اور گنگ و جمن کے پانی نے اسے پروان چڑھایا ہے، ”لیکن عربی و فارسی بھاشا کا اثر نسبتاً دوسرا زبانوں سے بہت زیادہ پڑا“ (مذہب و شاعری ڈاکٹر ابی جاہ حسین ص ۲۶، ماخوذ از ڈاکٹر مصطفیٰ علی ص ۱۲۰) اس کو بقاۓ حیات کی صفات ان ادبی تقاضوں سے ملی جو اس کے دامن بسط کشاویں روایات، رمزیات، اشارات، تلمیحات، تشبیہات، استعارات، کنایات، تہذیبی و تہذیفی ادبیات اور وقوعی و مذہبی افادات سے حاصل رہی ہے، اردو کے بوستان ہزار رنگ میں تلمیحات کی حیثیت ان بچلواریوں کی ہے جن کی خوبصورداری کے قاری کے مشام جان کو معطر کر جاتی ہے، روح کوتازگی اور جمالیاتی حس کو دو آتش کر جاتی ہے، ان تلمیحات کے آئینہ میں گزرے لوگوں کی زندہ کہانیاں ابھرتی ہیں، قابل فخر کارناموں پر روشی پڑتی ہے، تاریخ انسانی کے بے کران سمندر کوکوزے میں بند کرتی ہے۔

پیدا کرتے ہیں اور اسلوب میں قوس و فرج کا رنگ پھر دیتے ہیں۔
 ”طفوں نوح“ کہا اور عذاب الٰہی کے قہر کے نتیجے میں
 تنہو تیز سیالی طفوں کا شور، پہنچاک موجود کا زور، اور اس
 میں پورے انسانی تمدن کا نکھوں کی طرح سے بہنے کا تصور آنکھوں
 کے سامنے آ جاتا ہے۔ ”صور اسرافیل“ کہا اور ذہن میں ایک
 خوفناک منظر ابھرتا ہے جہاں زمین بھونچال سے لرز رہی ہوتی
 ہے، آسمان ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتا ہے، ستارے، کہکشاں میں مش
 و قمر بے نور ہو جاتے ہیں، پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح سے
 اڑنے لگتے ہیں، سمندروں میں آگ لگی ہوتی ہے، جہاں انسان
 مبہوت، حیران، اور مددوشی کی کیفیت میں پڑا نظر آتا ہے۔.....

تلہجہ علم بیان کی صنعت ہے، مگر ادب کے وسیع تناظر
 میں اس کی سب سے بڑی افادیت یہ ہے کہ وہ طویل قصوں،
 کہانیوں اور تاریخی واقعات اور قرآنی و حدیثی افادات کو ایک دو
 لفظ کی مدد سے بیان کر کے تفصیل کی بارگرانی سے بچا لیتی
 ہے۔ یہ قوموں کے عروج و زوال کی غمازی کرتی ہے، ایک تاریخی
 اشاریے کے حوالے سے قرنوں کا سفر لمحوں میں طے کرتی
 ہے، یہ ادبی ذخیرے کو مالاں مال کرتی ہے، اس کی مقبولیت میں
 اضافہ کرتی ہے اور شعروادب میں سرور و شادمانی کی لہریں دوڑا
 دیتی ہے، یہ ادایے معانی کا نیا قالب (ڈھانچہ) دیتی ہے اور
 اسلوب میں اچھوتا پن، جدت اور حرپیدا کردیتی ہے، اور صرف
 کسی ایک تاریخی لفظ کے اندر کائنات کے سماجنے کا حوصلہ ہوتا
 ہے۔ پروفیسر وحید الدین سلیم نے یوں انہصار خیال کیا ہے:
 ”بلاغت کے معنی یہ ہیں کہ کم سے کم الفاظ سے
 زیادہ سے زیادہ معنی سمجھے جائیں، یہ بات جس قدر
 تلمیحات میں پائی جاتی ہے الفاظ کی دیگر اقسام

”تلہجہ وہ انداز کلام ہے جس میں کسی خیال کی
 ادا بیگنی کے لئے اطیف انداز میں کسی واقعے، قصے،
 داستان، مثل، اصطلاح یا آیات و احادیث سے
 کوئی مرکب تعبیر اخذ کی گئی ہو، یا کوئی لفظ تراشا گیا
 ہو یا شعر (کلام) کا مجموعی مفہوم ہی اس نوعیت کا
 ہو کہ ذہن کو کسی واقعے، قصے، داستان، مثل،
 اصطلاح یا آیات و حدیث کی طرف منتقل کر دے،
 تلمیح کے لئے یہ ضروری نہیں کہ کلام میں اشارہ و لفظاً
 موجود ہو، بلکہ معانی و مفہوم کے اعتبار سے بھی اگر
 اشارہ پایا جا رہا ہے تو ایسے کلام کو بھی تلمیح میں شمار کیا
 جائے گا، بلکہ یہ زیادہ لطیف و بلیغ تلمیح ہو گی، کیونکہ
 اس میں استعارہ کی شان پیدا ہو جائیگی۔“ مثلاً:

پھر اب اتنی رہی ایک ماں تمام رات

بچے فریب کھا کے چٹائی پر سو گئے

پورا شرعاً یک خوبصورت تلمیح ہے، مگر اس میں لفظوں میں
 کوئی اشارہ موجود نہیں، بلکہ تاریخی واقعہ ہی تلمیح کی بنیاد ہے۔
 یا کسی نے کہا ہے۔

محبت نے کی دل میں وہ آگ روشن

کہ ہم ہو گئے جسم خاکی سے نوری

تلہجہ کی خوبی اور کمال یہ ہے کہ ایک لفظ کے اشارے سے
 صدیوں پرانی تہذیبی روایات، تاریخی واقعات آنکھوں کے سامنے
 گردش کرنے لگتے ہیں اور انسانی تہذیب و ثقافت کی نیرنگیاں
 سامنے آتی ہیں، یہ بات ہمیں زبان کے محاوروں سے بھی حاصل
 ہوتی ہے، تب ہی تو تلمیحات اور کہاوقلوں میں گہرا ربط
 ہوتا ہے، دونوں ہی اباس ادب کو آراستہ کرتے ہیں، معانی میں گہرائی

انکاری ہوا۔ سکون دل و جان اور رفاقت کے لئے حوا پیدا کی گئیں، دونوں جنت کے باسی ٹھہرے، حکم الہی ہوا: شجرِ منوع کے پاس نہ پچکیں، امرِ الہی کی سرتاسری ہوئی، نیتچا زمین کی طرف بھرت کروائے گئے، نسل انسانی کی ابتداء ہوئی، جہاں فانی کی آبادی کا سامان ہوا، مکن اور سبکی عناصر کا ظہور ہوا، امانت و خلافت کی بارگرانی پہلے ہی ڈالی جا پچھی تھی، اب اس زمینی مخلوق کو حق و باطل اور رفت و پستی کے امتحان گاہ میں رہنا تھا، قصہ آدم و حوا اردو شاعری کے دروبار تک پہنچا تو آدم و حوا، عظمت آدم، تخلیق آدم، خلافت آدم، جلوہ آدم، گناہ آدم، بہشت آدم، خروج آدم، ملائکہ، سجدہ ملائکہ، جو، گندم اور قابیل و هابیل جیسی تلمیحات میں ڈھل گیا..... شعراء نے ان تلمیحات کے حوالے سے اپنے حسن کلام کو دل ربا اور اثر آفرینی بھی بنایا اور ان کے شہارے خیالات کے نئے گلشن کھلانے، آدم کی پھند فرق آنی تلمیحات ملاحظہ ہو: اقبال کہتے ہیں۔

عروج آدم خاکی سے اٹھم سہے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہ کامل نہ بن جائے
سودا کی خیال آفرینی گوش گزار ہو۔
آدم کا جسم جبکہ عناصر سے مل بنا
کچھ آگ نج رہی تھی سو عاشق کا دل بنا
بلیس کے انکار سجدہ پہ اقبال فرماتے ہیں۔
حرف اشکبار تیرے سامنے ممکن نہ تھا
ہاں مگر مشیت میں نہ تھا میرا بجود
آتش کہتے ہیں۔

اولاد سے ہے اب تک خصوصت وہی باقی
بلیس سا بھی دشمن آدم نہیں دیکھا

میں نہیں پائی جاتی ہے (اسی لئے) جس زبان میں تلمیحات کم ہیں یا بالکل نہیں ہیں، وہ بлагعت کے درجہ سے گری ہوئی ہے۔ (افتادت سلیم ص-۱۱۳)

لیلی و مجنوں کے جنوں خیز داستان عشق کو ذیل کے شعر میں تلمیح کے سہارے کس خوبصورتی سے دریا کوکوئے میں سمویا گیا ہے۔

میں نے مجنوں پر لڑکپن پہ اسد
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

تلمیح ہماری قومی و تہذیبی شناخت ہے، یہ ان قدموں کی چاپ اور قدروں کی یاد گا رہے جو تاریخی حقائق، پچے واقعات اور فرضی و افسانوی کہانیوں اور دیو مالائی تصورات کا مجموعہ ہیں، اس کے دامن میں عوامی مشہورات بھی ہیں اور اسلام جیسے پچے دین کی تعلیمات کا عکس بھی، یہ تلمیحات اردو ادب کا حسن ہیں، جس نے خیال کو پر بہار اور اسلوب کو محطر از بنا دیا، ہم ذیل میں مشتبہ از خوارے عربی زبان و ادب کے عظیم شاہکار قرآن کریم سے ماخوذ تلمیحات کے نمونے پیش کرتے ہیں جن سے حق، خیر اور جمالیاتی قدریں اجاگر ہوگی۔ ہم اسلامی ادب کے حدود میں رہتے ہوئے اسی کے قدروں کی ترجمانی کی کوشش کریں گے، اور ان پیشتر شعراء کے کلام سے گریز کریں گے جو اپنی تلمیحات میں نکتہ آفرینی اور نکتہ رسی دکھانے کے شوق میں تحریر کے حدود تک جا پہنچے ہیں۔

(۱) تلمیح آدم:۔ انسانوں کے مورث اعلیٰ حضرت آدم کی تخلیق ملا اعلیٰ کا عظیم واقعہ تھا، جسے خالق کائنات نے خود اپنے دست قدرت سے انجام دیا تھا، اسے سنوارا تھا اور اس کے سر پر خلافت ارضی کا تاج رکھا تھا، جب فرشتوں کو اس کے سامنے سجدہ تعظیمی کا حکم دیا تو ملائکہ سر بر بجود ہو گئے، مگر شیطان

کی تلمیح کو رشیۃِ اخوت کو پارہ پارہ کرنے والا اور خون نا حق بہا
نے والامفعی کردار کے رنگ میں پیش کیا ہے، فسادات کے پس
منظر میں ہیر انند سوز کی تلمیح کی خوبصورتی کی داد دیجئے
اپنے ہی گھر کے کر دئے آنکن لہو لہو
ہر شخص میرے شہر کا قابیل ہو گیا
حضرت آدم کو دنیا میں بھیجتے ہوئے خلافت و امانت کی
ذمہ داری دی گئی کہ وہ اپنے پروردگار کی بالاتری تسلیم کرتے
ہوئے اسکی اطاعت کریں اور دنیا میں اسی کے کلمے کے
جنہنے کو بلند کریں، اس بار امانت کی پیش کش زمین
و آسمانوں کو بھی کی گئی، مگر امتحان میں اترنے کے لئے اور خدا کی
طرف سے دئے جانے والے سب سے بڑے عہدے کو قبول
کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوا، آخر کار یہ مشت استخوان اٹھا
اور اس ذمہ داری کو قبول کر لیا۔ شعراء کی تتمیحی خیال آرائی
میں تلمیح مجرد کے اسلوب میں آتش کا شعر سنئے
میرے بگڑے ہوئے کاموں کو بنایا تو نے
بار جو مجھ سے نہ اٹھا وہ اٹھایا تو نے
بار عشق اس نے اٹھایا اور میلی کی نہ آنکھ
حوالہ تو دیکھئے اس مشت خاک بے بنیاد کا
حال کہتے ہیں۔
گوئے ہے تند و تیز پر ساقی ہے دل ربا
اے شخش بن پڑے گی نہ کچھ کہے بغیر
منے تند و تیز سے امانت کی پار گرانی، ساقی سے اللہ کی
ذات والاصفات اور شخش سے حضرت انسان مراد ہیں۔
میر کا انداز ملاحظہ ہو
سب پر جس بارے گرانی کی اس کو یہ نا تو ان اٹھا لایا

اقبال کے کلام میں شجر منوعہ کے کھانے کا انجام ۔
شجر ہے فرقہ آرائی تعصباً ہے شر اس کا
یہ وہ بچل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو
منور رانا کہتے ہیں۔
اس خاہے کو تو گلزار بنا تھا اسے
ورنہ آدم کو زمین پر نہ پھینکا جاتا
غالب کی نکتہ رسی مگر سخرہ پن ملاحظہ ہو۔
نہ کھاتے گیہوں نکلتے نہ خلد سے باہر
جو کھاتے حضرت آدم یہ بیسی روٹی
اس زمینی سیارے پر حضرت آدم بانداز ناز و ادا
آبستے ہیں، ان کی اس ادائے دل نوازی و خود اعتمادی کا
اظہار اقبال کی زبانی۔
قصور وار غریب الدیار ہوں لیکن
تیرا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد
ایک صبح حضرت آدم اٹھے ہوئے تو حضرت حوا کو اپنے
پہلو میں پایا ہوگا اور سکون و رفاقت محسوس کیا ہوگا، اس رفاقت
کی شاعر انہ تلمیح گوش گزار ہو۔
میری میراث ہے خلد بریں فرزند آدم ہوں
سرہانے جانتا ہوں اپنے، میں زانوئے حوا کو
خلد سے نکل کر دنیا آباد کرنے چلے تو یہاں لڑائی
بچکرے اور فتنہ و فساد کا سلسہ بھی رونما ہوا اور قتل تک کی واردات
پیش آنکیں، آدم کے دو بیٹے ہانیل اور قابیل کا تذکرہ سورۃ
المائدہ: ۲۷، ۲۸ میں تفصیل سے آیا ہے اور خود قرآن نے قابیل
کو شر و فساد کا علمبردار اور قتل انسانی کا موس و بانی قرار دیا ہے
جبکہ ہانیل کے شریفانہ کردار کو جاگر کیا ہے، شعراء نے قابیل

صفیٰ نے کہا۔

افلاک بھی کاپ اٹھے جس بار کی ہبیت سے
یہ جز وضعیف انسان اس بار کا حامل ہے
آئی لکھنؤی کہتے ہیں۔

جونہ اٹھے آسانوں سے اخالیا ہم نے وہ بوجھ
کیا وہ قوت سر میں تھی کیا زور وہ گردن میں تھا

(۲) **تلمعیج ابو ایم:** حضرت ابراہیم و آزر باب
بیٹے تھے، بیٹا اللہ کا نبی اور حبیب خلیل، باپ اپنے خدا کا باعی
و دشمن، بیٹا بت شکن، باپ بت فروش و بت گر، بیٹا حق کا داعی، باپ
باطل کا سپاہی حق و باطل کی ازلی کشمکش میں بیٹا حق کا علمبردار اور
باپ باطل کا طرفدار۔ اردو شاعری میں آزر اور آزری، بت گری
و بت فروشی، ابراہیم اور ابراہیمی، خلیل اور شان خلیلی، اسماعیل اور ذرع
اسماعیل، ترقیابی اور آداب فرزندی، نمرود اور آتش نمرود، خلیل اور گلزار
خلیل، ہرم اور تعمیر ہرم، مقام ابراہیم اور معمار کعبہ، ہرم اور چاہہ ہرم
جیسی تلمیحات بوسستانِ ادب کو خوفناک کرنگی ہیں۔

ماہر القادری کہتے ہیں۔

جب تک ابراہیم کی فطرت نہ ہو پیدا
و جدان بھی آزر ہے تخيّل بھی ہے آزر
علامہ اقبال فرماتے ہیں

شان خلیل ہوتی ہے اس کے کلام سے عیاں
کرتی ہے اس کی قوم جب اپنا شعار آزری
ضم کدہ ہے جہاں اور مرد حق ہے خلیل
یہ وہ نکتہ ہے کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے
آتش کہتے ہیں۔

جب تک ہم پیالہ نہ ہو کوئی، میں مئے نہیں پیتا

نہیں مہماں تو فاقہ ہے خلیل اللہ کے گھر میں

فیض نار نمرود کی تلمعیج میں نئے معانی تراش لیتے ہیں:

اب نہ مہکے گی کسی شاخ پہ پھولوں کی حنا

فصل گل آئے گی نمرود کے انگار لئے

طارق قمر خود اعتمادی کے لبجھ میں کہتے ہیں:

آگ پہنچے گی کب خلیل تک

پھول بن جائیں گے شرارے سب

حضرت ابراہیم کے فرزند ارجمند اور ان کی والدہ کا مکہ

کے دشت بے آب و گیاہ میں بسایا جانا، حضرت کی شیر خوارگی

اور حضرت ہاجرہ کی تہائی، چند دنوں کے بعد پانی اور سمجھو روں

کے اندوختے کا ختم ہو جانا، اسماعیل کی پیاس، ہاجرہ کی بیتابی اور

پانی کی تلاش میں اضطراب و بے قراری اور پھر آب زرم کا

ظہور یہ وہ تاریخی حقائق ہیں جو شاعرانہ تلمیحات میں سست آئے

ہیں، اقبال فرماتے ہیں۔

غیرب و سادہ و نگین ہے داستان حرم

نہایت اس کی حسین، ابتدا ہے اسماعیل

حفیظ میرٹھی فرماتے ہیں:

بغیر مجرہ پھوٹے نہیں چشے

کوئی رگڑتا رہے لاکھ ایڑیاں لوگو!

ذوق کا انداز دلبمراحتہ ہو:

تیرے عاشق کو یوں ہے خوشنگوار آب دم جنجر

مسلمان کو لگے جس طرح شیریں آب زرم

افتخار راغب کہتے ہیں:

کوئی چشمہ کبھی تو پھوٹے گا

اپنی ایڑیاں رگڑ رہا ہوں میں

کلید فتح بن جاتا ہے ایک دن قتل زندگان کا
سنا تو ہوگا تو نے بھی فسانہ ماہ کنعام کا
اجاز رحمانی کا شعر

مجھ سے میرے احباب ہیں کیوں اتنے گریزان
ہر شخص تو یوسف کا برادر نہیں ہوتا
آتش نے کھل

اہل جہاں برادرِ مومن نہیں ہزار
یوسف کے واسطے ہیں یہ گرگ بغل تمام
آتش کا شعر

نیک طینت کو بدی کا نہیں منظور عوض
انتقام اپنا نہ یوسف نے لیا اخوان سے
آتش، ہی کا شعر عصر حاضر کے تناظر میں دیکھئے:
خوش حال ہیں مٹا کے مجھے ہفت آسمان
یوسف کو کھا کے ہو گئے شیر بھیڑے
شاہ نظر کہے گئے ہیں:

چاہ میں اس یوسف ثانی کی یارو کیا کہوں
ہائے کم بختی مجھے دل نے ڈبویا بے طرح
پاکی وچاک دامانی یوسف پہ جوش کہتے ہیں:
ظاہر میں جو کائنے ہیں وہ در پردہ گلستان
یہ گرد نہیں حضرت یوسف کا ہے دامان
ہاتھوں پہ لئے تاج صداقت نکل آئی
جب چاک ہوا عیش کی صورت نکل آئی
غالب کا شعر ہے:

گور قیوبوں سے ہوں ناخوش پر زنان مصر سے
ہے زلیخا خوش، کہ محو ماہ کنعام ہو گئیں

ذبح اسہا عیل کی تلمیح پہ مصغی کہتے ہیں
یہ عجیب رسم دیکھی کہ بروز عید قربان
وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الہا
ذوق نے کھل

دل کو رکھ دوں اس دم شمشیر پر گردھب بنے
تا یہ قربانی صراطِ عشق پہ مرکب بنے

(۳) **تلمیح یوسف:** سرگزشت یوسف کی
شهادت پر قرآن کریم کی پوری سورت موجود ہے، جسے اللہ نے
خواہ احسن القصص کہا ہے، یہ قصہ اسرار و حکمتون کا عجب دلکش
نمونہ ہے۔ اس میں ایک پوری قوم کے عروج و زوال کی کہانی
ہے، اس کے بنیادی کردار میں ایک دریگانہ تسبیحی کا دل ربا تذکرہ
ہے، جو بدویانہ ماحول سے نکل کر اپنے وقت کی متدن قوم کی
رہنمائی کے لئے اقتدار کی کرسی تک جا پہنچتا ہے۔ قصہ کی روح
اور اس کا سبق آموز پہلو تو ہمارے شعرا کی نظروں سے او جمل
رہا ہے، مگر اس کی بے شمار ضمیمی کڑیاں تلمیح کا روپ دھار کر اردو
ادب کو مالا مال کر گئیں اور پیر کنعام، ماہ کنعام، چاہ
کنعام، شہر کنعام، یعقوب، یوسف، حسن یوسف، جمال
یوسف، برادر یوسف، بازار مصر، عزیز مصر، خریدار یوسف، زلیخا، عشق
زلیخا، زندان مصر، زندان یوسفی، گریہ یعقوب، دیدہ یعقوب،
صبر یعقوب، بیراہن یوسف، بوئے پیراہن، کاروان یوسف،
جبتوئے یوسف جیسی تلمیحات تراشی گئیں:
آتش دعا کے پیرا یہ میں کہتے ہیں۔

جو ہر پاک سے پاکیزہ گھر پیدا ہو
صلب یعقوب سے یوسف سا پس پیدا ہو
جوش نے کہا۔

افسوس کہ فرعون کو کانچ کی نہ سوچی

عبدیت اب ش کہتے ہیں:

چھن جائے گی خدائی برا خوف تھا اسے
ایک بادشاہ وقت بھی بچوں سے ڈر گیا
اقبال کہتے ہیں:

کب تک طور پر دریو زہ گری مثل کلیم
اپنی ہستی سے عیاں شعلہ سینائی کر
رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلس
عصانہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد
ہزار چشمہ تیرے سگ راہ سے پھوٹے
خودی میں ڈوب کر ضرب کلیم پیدا کر
حفیظ میرٹھی کہتے ہیں:

بے عصا اپنی کلیمی ہو تو ہو
وقت کے فرعون سے ڈرجائیں کیا
ابوالجہاد کہتے ہیں:

ساحر کی رسیوں سے وہی لوگ ڈر گئے
مجموع میں جو کھڑے تھے کلیمی عصا لئے
رہے ہیں اور ہیں فرعون مری گھات میں اب تک
مگر کیا غم کہ مری آستین میں ہے یہ بیضا
اسلامی قدروں کا شاعر عزیز بکھروی کہتا ہے:
راہ دے دیتی ہیں کیوں موی کو موجیں نیل کی
اور پھر موجودوں کو اذن سرکشی دیتا ہے کون؟
اقبال فرماتے ہیں:

مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلمان کر ہے
اس کی اذانوں سے فاش سرکلیم غلیل

یعقوب کا "نور نظر" آنکھوں سے او جھل ہو گیا، آخر کار
درد کی شدت اور وارثگی شوق و بے خودی سے آنکھیں بے نور
ہو گئیں، مگر اردو کا شاعر تلمیح کے نئے معانی روشن کر دیتا ہے کہ
یعقوب کی پیمانی ختم نہیں ہوئی بلکہ یوسف کے تعاقب میں دور
تک چلی گئی، وہاں تک جہاں اس کے "نور نظر" نے عزیز مصر
کے محل کو روشن کر دیا:

قید میں یعقوب نے لی گونہ یوسف کی بجر
لیکن آنکھیں روزان دیوار زندگی ہو گئیں
نہ چھوڑی حضرت یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی
سفیدی دیدہ یعقوب کی پھرتی ہے دیوار زندگی پر
اردو شاعری نے یوسف کی گل بیرونی پر بھی نئے معانی
اور نئی علامتیں تراشی ہیں۔

آتش کہتے ہیں:

میری طرف سے صبا کہیو میرے یوسف سے
نکل چل ہے بہت پیر، کن سے بو تیری

(۲) **تلمیح هارون:** قصہ موی و ہارون پر ڈاکٹر
عطاء الرحمن ندوی نے مندرجہ ذیل ۱۸ تلمیحات ذکر کی ہیں، کلیم
الله، ضرب کلیمی، عصائے موی (چوب کلیم)، ارنی، جلوہ طور،
برق جلی، لعن ترانی، آگ اور پیغمبری، وادی ایکن، وادی سینا،
غرق فرعون، رود نیل، آب نیل، طلس سامری، جادوئے سامری،
جل طور، کوہ طور، شجر طور، من و سلوی، تقاضائے دید، شوق دیدار،
طااقت دید، یہ بیضا، ملت بیضا، بچوں کا قتل، قارون، اہلیہ فرعون
وغیرہ۔ (اسلامی تلمیحات ص ۳۹۶)

اکبرالہ آبادی کا مشہور شعر ہے:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا

حاکم و نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کی کراماتی شخصیت اور بطور مجرہ دی جانے والی تفسیری قوتیں اردو شاعری کے فکر و خیال تک پہنچیں تو بے شمار نکتہ آفرینیاں ہوئیں۔ سلیمان، تخت سلیمان، ملک سلیمان، خاتم سلیمان، مہر سلیمان، نملہ یا مور سلیمان، مرغ سلیمان، ہدہ، سما، ملک سما، ملکہ سما، تخت سما کے تلمیحی الفاظ اردو شاعری سے وابستہ ہو گئے۔

جوش کا شعر:

بلقیس سے کہو کہ سربارگاہ ناز
پریاں کھڑی ہیں تخت سلیمان لئے ہوئے
اکبرالله آبادی کہتے ہیں:
بزم دنیا میں کہاں سامان عشرت کو ثبات
گم ہوئی مہر سلیمان جام جم جاتا رہا
باقی صدیقی نے کہا:

زندگی دل کا سکون چاہتی ہے
رونق شہر سما کیا دیکھیں
ناصر کاظمی کا خوبصورت شعر:

یوں تیرے حسن کی تصویر غزل میں آئے
جیسے بلقیس سلیمان کے محل میں آئے

(۶) تلمیح عیسیٰ: حضرت عیسیٰ خدا کے

اولو العزم پیغمبر، مجرمات الہیہ کے ہالے میں دنیاۓ آب و گل میں آنے والے پھر بیہاں سے جانے والے، اور قرب قیامت سے پہلے تشریف لانے والے، عفت آب، شرف و فضیلت میں کیتا، طہارت و عصمت میں مثالی، دنیا کی عظیم ترین برگزیدہ خاتون کے بیٹے ہیں۔ ماں، بیٹے، مریم و این مریم نے اردو ادب میں تلمیح کے متعدد شگونے کھلائے ہیں۔ مریم، عظمت مریم، عفت

نیز

ہو اگر قوت فرعون کی در پردہ مرید قوم کے حق میں ہے لعنت وہ کلیم اللہی خلیل الرحمن راز کا یہ شعر:

پھر جبر و تم کے سایے میں کچھ لوگ خدا بن بیٹھے ہیں
موسیٰ ہی نہیں ہے اب ورنہ فرعون بھی ہے اور طور بھی ہے
ماہر القادری کہتے ہیں:

ان کے جلووں کے بہت سے نام ہیں
برق فاراں بھی چراغ طور بھی
جگر فرماتے ہیں:

ہمیں بھی ساتھ اپنے طور پر تم لے چلو موسیٰ
تمہیں غش آگیا تو حسن جاناں کوں دیکھے گا
نیز:

لن ترانی سے عیاں انوار پہاں ہو گئے
ایک فقرے میں ہزاروں طور عنواں ہو گئے
موسیٰ کا شعر:

سحر حلال سے مرے جادوئے سامری جمل
طور کلیم اوج فکر، نور خدا فسول گری
اکبرالله آبادی:

حضر کیوں کر بتائے کیا بتائے
اگر ماہی کہے دریا کہاں ہے
اقبال:

حضر بھی بے دست و پا، الیاس بھی بے دست و پا
میرے طوفان یم بہیم دریا بہ دریا جو بہ جو
(۵) سلیمان کی تلمیح: خدا کے برگزیدہ

مریم، عصمت مریم، ابن مریم، مسح، مسیحا، مسیحائی، دم عیسیٰ، دست اقبال کے ادو کلام میں قرآنی تلمیحات شفا، نزول عیسیٰ، گلیسا، جیسے الفاظ شاعرانہ تلمیحات، بلاغت کا حسن کے چند نمونے:

سے کوئی مری غربت کی داستان مجھ سے

بھلا دیا قصہ پیان اویں میں نے

اشارہ ہے: وَإِذْ أَخْذَ رَبَّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ

ظہورِہم ذریتهم، وأشهدُهُمْ عَلَى أَنفُسِهِمُ الْأَسْتَ

بِرِّبِّکُمْ؟ قَالُوا: بَلِّی، شَهَدْنَا۔ (الأعراف ۷۲)

کبھی میں ذوق تکلم میں طور پر پہنچا

چھپایا نور ازل زیر آستین میں نے

پہلے مصروع میں اشارہ ہے: زَإِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمَقْدُسِ

طوی (النازعات) اور دوسرا مصروع میں اشارہ ہے فائقی

عصاہ فِإِذَا هِیَ ثَعَبَانَ مِبْيَنٍ، وَنَزَعَ يَدَهُ فِإِذَا هِیَ بِيَضَاءِ الْنَّاظِرِينَ

کبھی صلیب میں اپنوں نے مجھ کو لٹکایا

کیا فَلَّکَ كَوْسِرْ چھوڑ کر زمیں میں نے

اشارہ ہے: وَقُولُهُمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ بْنَ مُرَيْمَ

رسول اللہ و مقاتلہ و ماصلبوبہ ولکن شبہ لہم.....

بَلْ رَفِعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ۔ (النساء ۱۵۷)

جائے حیرت ہے، براسارے زمانے کا ہوں میں

مجھ کو یہ خلعت شرافت کا عطا کیوں کر رہا

اشارہ ہے: وَلَقَدْ كَرَّمَنَا بَنِی آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي

البَرِّ وَالبَحْرِ وَرِزْقَنَاهُمْ مِنَ الطَّيَّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ

كثیرِ مِنْ خَلْقِنَا تَفْضِيلًا۔ (بنی اسرائیل ۷۰)

نہ پوچھا ان خرد پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھاں کو

ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

اشارہ ہے: وَاضْسِمْ يَدَكَ إِلَى جَنَاحِكَ تَخْرُج

قیدِ عفت میں ہے وہ محبوب عاشق جاں بلب

نزع میں بیمار عیسیٰ دامن مریم میں ہے

ماہر القادری کہتے ہیں:

بیہاں کیا ذکر شرم و آبرو کا

یہ دور عظمت مریم نہیں ہے

فیض کے جمالیاتی طہارت کا باعکپن ملاحظہ ہو:

یہ جغاۓ غم کا چارہ وہ نجات دل کا عالم

تیرا حسن دست عیسیٰ، تیری یاد روئے مریم

اقبال:

دار الشفا حوالی بلطخا میں چاہئے

نبض مریض چنجہ عیسیٰ میں چاہئے

نفس گرم کی تاثیر ہے اعجاز حیات

تیرے سینے میں اگر ہے تو مسیحائی کر

ترپ بھلی سے پائی حور سے پاکیزگی پائی

حرارت لی نفس ہائے مسح ابن مریم سے

حضرت جے پوری نے کہا ہے:

اچھا نہ کریں گے یہ سیاست کے مسیحا

بیماریاں بیمار کی بیمار سے پوچھو

ملک زادہ منظور کا شعر:

وقت شاہد ہے کہ ہر دور میں عیسیٰ کی طرح

ہم صلیبوں پر لئے اپنی صداقت آئے

”کشتی مسکین“، ”جان پاک“، ”دیوار یتیم“، علم موسی بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروش اشارہ ہے سورہ الکھف کی آیت ۷۹-۸۲۔ اسے صبح ازل انکار کی جرأت ہوئی کیونکہ مجھے معلوم کیا وہ راز داں تیرا ہے، یا میرا اشارہ ہے: وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلملائِكَةِ إِنِّي خَالقُ بِشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمًّا مَسْنُونٍ، فَإِذَا سَوَيْتَهُ وَنَفَخْتَ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ ساجِدِينَ، فَسَجَدَ الْمَلائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ إِلَّا بَلِيزُ أَبِي أَنْ يَكُونَ مَعَ الساجِدِينَ۔ (الحجر ۲۸-۲۳)

مثادیا مرے ساتھی نے عالم من و تو پلا مجھ کو مئے لا اللہ الا اللہ یہ فیضان نظر تھا کہ مکتب کی کرامت تھی سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی اشارہ ہے یا أَبْتَ افْعُلَ مَا تَؤْمِرُ فَسَتَجِدُنِی إن شاء اللہ من الصابرين۔ (الصفات ۱۰۲) عطا اسلاف کا جذب دروں کر شریک زمرة لا يحزنون کر خرد کی گتھیاں سلچھا چکا میں میرے مولا مجھے صاحب جنوں کر اشارہ ہے: أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خُوفٌ عَلَيْهِمْ ولا هم يحزنون۔ (یونس ۶۲)

ضمیر پاک و نگاہ بلندو مستی شوق نہ مال و دولت قاروں، نہ فکر افلاطون اشارہ ہے: إِنْ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمٍ مُّوسَى

بیضاء من غير سوء۔ (طہ ۲۲) ذرا ساتو دل ہوں مگر شوخ اتنا وہی لئن ترانی سنا چاہتا ہوں صدائے لئن ترانی سن کے اے اقبال میں چپ ہوں تقاضوں کی کہاں طاقت مجھ فرقت کے مارے میں خصوصیت نہیں ہے کچھ اس میں اے کلیم شجر و جر بھی خدا سے کلام کرتے ہیں اشارہ ہے: وَلَمَّا جَاءَ لَمِيقَاتَنَا وَكَلَمَهُ رَبِّهِ قَالَ رَبُّ أَرْنَى أَنْظَرْ إِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرَانِي وَلَكِنْ انتَرِ إِلَى الْجَبَلِ۔ (الأعراف: ۱۴۳)

سختیاں کرتا ہوں دل پر غیر سے غافل ہوں میں ہائے کیا اچھی کہی ظالم ہوں میں، جاہل ہوں میں اشارہ ہے: إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجَبَالِ فَأَبْيَنَ أَنْ يَحْمِلُنَا، وَأَشْفَقَنَا مِنْهَا، وَحَمَلَهَا إِنْسَانٌ، إِنَّهُ كَانَ ظَلَومًا جَهُولًا۔ (الأحزاب ۷۲)

کس کی بیت سے صنم ہے ہوئے رہتے تھے منه کے بل گر کے ہو اللہ احد کہتے تھے اشارہ ہے: قَلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ۔ (سورہ اخلاص) چاہتے سب ہیں، ہوں اوچ ثریا پر مقیم پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلب سلیم اشارہ ہے: يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنْوَنٌ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ۔ (الشعراء: ۸۹)

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے رفعت شان رفتا لک ذکر ک دیکھے اشارہ ہے سورہ الْمُ نَشَرَحَ کی اسی آیت کی طرف۔

تبغى عليهم وآتيناه من الكنوز ما إن مفاتحة
تلقاء مدين.....والله على ما نقول وكيل .
(القصص ۲۳-۲۸)

آه وہ مردان حق وہ عربی شہسوار
حامل غلق عظیم، صاحب صدق ویقین
اشارہ ہے: إنك لعلى خلق عظيم .
دل مرد مومن میں پھر زندہ کر دے
وہ بھل کر تھی نعرہ لاتذر میں
یہ اعجاز ہے ایک صحرائشیں کا
بیشیری ہے آئینہ دار نذیری
اشارہ ہے: وما أرسلناك إلا كافة للناس
بپیشراً ونذيراً . (سیما ۲۸)

تو معنی والجنم نہ سمجھا تو عجب کیا
ہے تیرا مدو جزر بھی چاند کا محتاج
اشارہ ہے: يَا مِعْشَرَ الْجَنِّ وَالْإِنْسِ إِنْ
اسطعتمْ أَنْ تَنْفِذُوا أَقْطَارَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ،
فَانْفِذُوا، لَا تَنْفِذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ . (الرحمن ۳۳)
رہے تو ہی جہاں میں یگانہ ویکتا
اتر گیا جو تیرے دل میں لا شریک لے

اشارہ ہے: إن صلاتي ونسکي ومحياي
ومماتي لله رب العالمين، لا شريك له وبذلك
أمرت وأنا أول المسلمين . (الأعام ۱۶۴)
لادینی ولا طینی کس پیچ میں الجھاؤ
دارو ہے ضعیفون کا لا غالب إلا هو
اشارہ ہے: والله غالب على أمره . (یوسف ۲۱)



لبغى عليهم وآتيناه من الكنوز ما إن مفاتحة
لتثنو بالعصبة أولى القوة . (القصص ۷۶)

جس کا عمل ہے بغرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گزر، بادہ و جام سے گزر
اشارہ ہے حور مقصورات فی الخیام، (الرحمن ۷۲)
مثلاً کلیم ہو اگر معرکہ آزمائ کوئی
اب بھی درخت طور سے آتی ہے باگ لاتخف
اشارہ ہے: فلما قاضى موسى الأجل وسار بآهله
آنس من جانب الطور ناراً.....یا موسى أقبل ولا تخف
إنك من الآمنين . (القصص ۲۹-۳۱)

أرنى میں بھی کہہ رہا ہوں مگر
یہ حدیث کلیم و طور نہیں ہے
تها أرنى گو کلیم، میں ارنی گو نہیں
اسکو تقاضا روا، مجھ پر تقاضا حرام
اشارہ ہے: رب أرنى أنظر إليك قال لن ترانى .
عذاب داش حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ میں آگ میں ڈالا گیا ہوں مثل خلیل
اشارہ ہے: قالوا ابناواه ببنيانا فألقوه في
الجحيم . (الصفات ۹۷)

دم عارف نیم صح دم ہے
اسی سے ریشه معنی میں نہ ہے
گر کوئی شعیب آئے میر
شبانی سے کلیسی سے دو قدم ہے
اشارہ حضرت موسی اور حضرت شعیب کے واقعہ کی
طرف ہے جو تفصیل سے قرآن میں مذکور ہے: زلماتوجہ

قرآن پاک کے منظوم تراجم

یا

گل قرآن پاک کے سالانہ گلہ والوں

• ڈاکٹر نیکس احمد نعیانی

انواع و جهات ہیں۔ میں یہاں ان میں سے صرف ایک نوع کا ذکر کروں گا۔ اپنے بچپن میں ایک مسجد کے طاق میں ایک قرآن پاک رکھا ہوا دیکھا تھا، جس میں حوض کے اندر قرآن کا عربی متن اور حاشیے پر کسی شاعر کا نظم کیا ہوا پورے قرآن کا منظوم ترجمہ چھپا تھا، یہ بات ذہن سے تقریباً انکل بچی تھی کہ پتہ چلا کہ کئی شاعروں نے قرآن مقدس و معظم کا ترجمہ لفظ کرنے کو فیشن یا تفریح طبع کا مشغله بنارکھا ہے، اور ایسے شاعروں کی فہرست میں برادر اضافہ ہو رہا ہے، جیسے اثر زبیری، سیما ب اکبر آبادی، کیف بھوپالی، عطا قاضی، پروفیسر اسد، مولوی محمد محسن، انجمن عرفانی وغیرہ۔

اثر زبیری کے منظوم ترجمے کے بعض حصے اپنے قیام لکھنؤ کے زمانے میں شاید ریڈ یو پاکستان سے سنتھے، مطبوعہ شکل میں یہ ترجمہ آج تک کہیں نظر نہیں گزرا۔ سیما ب اکبر آبادی کے بیٹوں اور پتوں کو بارہ خط لکھا کہ ان کے ترجمے کا ایک نسخہ قیمتاً مہیا کر دیں، مگر کسی خط کا کوئی جواب نہیں آیا۔ کیف بھوپالی کا کیا ہوا ایک پارے کا منظوم ترجمہ کہیں چھپا ہوا دیکھا تھا، اور یہ بھی سنا تھا کہ موصوف ام الخباث سے بھی شغل فرماتے ہیں۔ ایک بار لکھنؤ کی حیدری مارکیٹ کی اوپری منزل میں پروفیسر ملک زادہ منظور احمد کے مکان پر کیف بھوپالی صاحب سے ملاقات بھی ہوئی تھی۔ مرحوم دیریک اپنے ترجمے

باطل پرست قوتیں ہمیشہ سے حق اور اہل حق کو صفر گئیں سے محکرنے کے لیے مختلف طریقوں سے نبرد آزماؤں اور معرکہ آرا رہی ہیں جن کے سب سے بڑے نمائندے آج کل امریکہ اور اسرائیل کے نام سے جانے جاتے ہیں، جو پوری دنیا کے اندر جہاں جہاں بھی حق، انصاف، صداقت، حیا، شرافت اور تہذیب کا وجود ہے، اس کو فنا کرنے یا اپنے خبیث اور وحشیانہ کلچر میں مدغم و مخلوق کر لینے کے لیے اپنی ہمسہ جہتی، علمی اور عملی، ظاہری اور مخفی سرگرمیوں اور سازشوں کو بروئے کار لانے میں اپنی پوری توانائی و تنہی کے ساتھ مستعد و منہمک رہتے ہیں۔

علمی میدان میں ان دشمن حق اور مختلف اسلام تنظیموں کی سرگرمیوں کا مخصوص ترین نشانہ قرآن پاک ہے جس کے الفاظ و معانی کی تردید یا تحریف و تبدیل کر کے پوری دنیا کو گمراہ کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جا رہا ہے، اور بے حد و بے حساب مالی و ڈنی صلاحیتیں اور وسائل استعمال کئے جا رہے ہیں، جن کی تحقیق و تفصیل کے لیے دفتر کے دفتر درکار ہوں گے۔

سطورِ ذیل میں صرف اس تاثر کا اظہار کرنا چاہتا ہوں جو خود اسلام کا دم بھرنے اور قرآن کی خدمت کا دعویٰ کرنے والے اہل قلم کے شعوری یا غیر شعوری کارناموں کو دیکھ کر میری ذہنی اذیت کا باعث بنتا ہوا ہے۔ ایسے کارناموں کی گونا گون

ابن حجم الملک آیت اللہ ججۃ الاسلام سرکار شمس العلماء مولانا
السید محمد الحسن صاحب طاب ثراه۔

خود مترجم صاحب نے اپنے دو صفحے کے اظہار حقیقت
کے آخر میں مذکورہ بالا القاب و خطابات کے ساتھ جن مزید
حوالوں کے لکھنے کا اہتمام کیا ہے، وہ یہ ہیں: رکن حج کمیٹی
گورنمنٹ ویسٹ بنگال، وہیڈ قاضی و میر قج رجڑا رکلکتہ، و
رکن مجلس منظمه جامعہ ناظمیہ لکھنؤ۔

مترجم بالقاب و مناصب کے اظہار حقیقت کے بعد
پروفیسر نور الحسن گورنر ز مغربی بنگال، سید سبط رضی وزیر تعلیم
اتر پر دیش، پروفیسر حیدر حسین کاظمی، ججۃ الاسلام سید محمد عبادت،
سید کلب صادق، ججۃ الاسلام آغا محمد موسیٰ وغیرہ کی
تائیدات، تقریبات و تحسینات۔ نیز وعد و عد و قطعات تاریخ بھی
متن سے پہلے کے اضافی صفحات کی زینت ہیں۔

پروفیسر حیدر حسین کاظمی نے اس ترجیح کے اشعار کی
تعداد ۲۵ ہزار لکھی ہے۔ (ص ۲)۔ روزنامہ آزاد ہند رکلکتہ کے
تحسین نگار نے ۲۳ ہزار بتائی ہے۔ (ص ۳)۔ جب کہ خود مترجم
نے اپنے اظہار حقیقت کے پہلے صفحے پر ہی لکھا ہے کہ ”۲۳ مارچ
۱۹۸۲ء سے منظوم ترجیح کرنا شروع کیا اور ۲۳ جون ۱۹۸۶ء کو
ترجمہ تکمیل کو ہو چاہدیا، جس میں تقریباً ۲۵ ہزار اشعار ہوئے“۔

بہر حال، یہ ترجیح جو دو درجن سے زیادہ اصحاب علم کی
ہمت افزائی، معاونت اور ستائش کے ساتھ اشاعت پذیر ہوا
ہے، اور کلب صادق صاحب کو ”بے حد پسند“ ہے، پروفیسر
کاظمی کی نظر میں ”انہائی قابل تحسین“ ہے، اور حسن عباس حسن
کے الفاظ میں ”اردو زبان کا شاہکار“ ہے۔ آئیے ذرا اس کے
چند نمونے بھی دیکھ لیجیے: بسم اللہ الرحمن الرحيم

کی خوبیوں پر لکھ پلاتے رہے۔ جب میں ان کی خودستائی اور
لفاظی سے تنگ آگیا تو میں نے کہا کہ کیف صاحب! آپ کی
خوبیوں اور خامیوں کے حدود اربعہ سے میں زیادہ واقف نہیں
ہوں، مگر آپ سے ایک سوال کرتا ہوں، براہ کرم یہ بتانے کی
زمت فرمائیے کہ آپ یہ ترجیح نظم کرنے میں جو صلاحیت اور
وقت صرف کر رہے ہیں تو اس کا حاصل کیا ہے؟۔ نشری ترجیح
کی مدد سے تو لوگ پورے قرآن کو آسانی سے سمجھ نہیں پاتے،
جب کہ اس میں کوئی انتیجہ پیچ بھی نہیں ہوتا تو پھر نظم اور شعر کی
بھول بھلیاں میں پھنس کر کیا فیض اٹھائیں گے۔ اور اس منظوم
ترجمہ کی علمی دنیا یا پھر مسلمان قوم کے لیے ہی افادیت کیا ہے؟
اس ملاقات کے بعد اور گفتگو کے بعد بھی کیف صاحب بہت
دنوں تک زندہ رہے، مگر میر اسوال آج تک تکھے جواب ہے۔
فی الوقت میرے ذاتی کتب خانے میں قرآن پاک
کے چار عدد مکمل منظوم ترجیح موجود ہیں:

(۱)

یہ کسی اتنا عشری عالم کا نظم کیا ہوا ترجیح ہے، جو ۱۹۸۶ء
میں ۳۰+۲۰ ساائز کے ۹۳۳ صفحات پر مطبع نظامی لکھنؤ سے
چھپا ہے۔ شروع میں آٹھ عدد اضافی صفحات بھی ہیں جو مصنف
یا مترجم کے ”اظہار حقیقت“، تقریبات اور فہرست پر مشتمل
ہیں۔ جلد گتے کی ہے، جس پر عنوان یوں چھپا ہے: اردو منظوم
ترجمہ قرآن مجید، اور اندر ورنی سرورق پر عنوان اس طرح ہے:
قرآن مجید مع منظوم اردو ترجیح، اس کے پیچے مترجم کا نام یوں
زیب قرطاس ہوا ہے: از محسن الملک مولانا محمد حسن صاحب
قبلہ امام جمعہ و جماعت مسجد بصراوى رکلکتہ و لکھر رہ بینیات شیعہ
کان لکھنؤ، خلف حضرت علامہ مولانا سید محمد کاظم صاحب مجتهد

صراط الذين أنعمت عليهم

یہ ہو راستہ ان کا کہ جن پر سدا
ہے انعام و اکرام تیرا ہوا
غیر المغضوب عليهم
نہ ہو راستہ ان کا کہ تیرا غصب
ہوا جن پر نازل بلا شبه رب
ولا الضالین
نہ ان سب کا راستہ جو گمراہ ہیں
مخالف جو دیں کے ہیں بے راہ ہیں
﴿الحمد﴾ کا ترجمہ "حمد و شاہو" آج تک کسی مترجم
نہیں کیا ہو گا۔ ﴿رب العالمین﴾ کا ترجمہ "رب انانم" کسی
لغت میں نہیں ملی گا۔ مہربان کے دوسرے حرف کو متحرک نظم کیا
ہے جب کہ وہ ساکن ہے۔ بہ صورت موجودہ مصرع وزن سے ہٹا
ہوا ہے۔ "ہمارا خدا" کس لفظ کا ترجمہ ہے، شاعر کے سوا کوئی نہیں
جانتا۔ "نہیں شک کی جا" کے بعد "لاریب" کی کیا ضرورت تھی؟
جو یوم ہے دین کا، نہ زبان درست ہے نہ ترجمہ درست ہے۔
تو پھر، اور "سبھی" کن الفاظ کے معنی ہیں؟ "ہمیں سیدھے رستہ پر
رکھاے خدا" یہ ﴿اہدنا الصراط المستقیم﴾ کا پورا ترجمہ
ہے۔ پھر دوسرا پورا مصرع کس جملہ کا ترجمہ ہے؟ "یہ ہو راستہ ان کا
ک....." بہ صورت موجودہ مصرع وزن سے ساقط ہے۔ انعام کے
ساتھ اکرام شاعر کا اضافہ ہے۔ پھر ﴿أنعمت﴾ کا ترجمہ "انعام
ہوا" بھی غلط ہے۔ " بلاشبہ رب" کس لفظ کا ترجمہ ہے اور اس کا
متن سے کیا تعلق ہے؟ "نہ ان سب کا" اس میں "سب" کس
لفظ کا ترجمہ ہے اور دوسرا پورا مصرع کون ہی عبارت کا ترجمہ یا کون
سی آیت کی ترجیحی ہے؟ گراہ کا قافیہ "بے راہ" کیسے صحیح ہو سکتا

بنام خدا کرتے ہیں ابتدا

رحم اور ترس کھاتا ہے جو سدا
بسم اللہ کا یہی ترجمہ کل ۱۱۳ سورتوں کے شروع میں درج
ہے۔ صرف اتنے فرق کے ساتھ کہ دوسرے مصرع کہیں تو بالکل اسی
طرح ہے، اور کہیں "trs" پہلے ہے اور "رم" بعد میں ہے۔ کہیں
"کھاتا ہے" لکھا ہے، اور کہیں "کرتا ہے" بھی لکھا ہے۔ لیکن ہر
شکل میں مصرع وزن سے خارج ہے۔ کیونکہ "رم" ساکن الاوسط
ہے، اور ہمارے قابل شاعر نے متحرک الاوسط نظم کیا ہے۔ ترجمہ کتنا
درست ہے، کسی اچھے نثری ترجمے کو دیکھ کر عام قارئین خود فیصلہ
فرمایں۔ عربی داں حضرات سے کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

الحمد لله رب العالمين

ہو حمد و شاہ بس اسی کی تمام
جو اللہ ہے اور رب انانم
الرحمن الرحيم

trs کھانے والا ہے ہم پر سدا
مہربان بڑا ہے ہمارا خدا
مالك یوم الدین

ہے اس کا وہ مالک نہیں شک کی جا
کہ لاریب جو یوم ہے دین کا
ایاک عبد و ایاک نستعین

تو پھر کرتے ہیں ہم عبادت تری
طلب کرتے ہیں تمحض سے نصرت سبھی
اہدنا الصراط المستقیم

ہمیں سیدھے رستہ پر رکھ اے خدا
تو باقی رکھ اس پر ہمیں کبریا

میں اسی طرح ہے اور پوری دنیا میں اسی طرح پڑھا جاتا ہے۔ یہ مصرع وزن سے بھی خارج ہے اور دوسرا مصرع مترجم کی طرف سے اضافہ ہے، متن قرآن سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ تیرے شعر میں تعقید کے علاوہ ”شاہ عرب“ بھی شاعر کا اضافہ ہے۔ چوتھے شعر کا دوسرا پورا مصرع بھرتی کا ہے اور مضمون متن سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ پانچویں شعر میں ”اے راہبر“ حشو ہے۔ چھٹے شعر میں ”رسالت مآب“ بھی اضافہ مترجم ہے۔ ساتویں شعر کا دوسرا پورا مصرع حشو ہے اور متن قرآن سے بالکل غیر متعلق ہے۔

إن الذين كفروا سوا عليهم
نہیں شک ہے اس میں جو ہیں کفر پر
نہ لائیں گے ایمان اے راہبر!
آندرہم اُم لم تذرہم لا یؤمنون .

ذراؤ انہیں یا ڈراؤ نہ تم

نہ لائیں گے ایمان یقین رکھو تم (ص: ۳)

”لا یؤمنون“ کا ترجمہ ”آندرہم اُم لم تذرہم“ کے بعد ہونا چاہیے تھا جس کو پہلے کیا گیا ہے، اور ایک فالتو لفظ راہبر کا بھی اپنی طرف سے اضافہ کر دیا گیا ہے۔ چوتھے مصرع میں ”پھرنہ لائیں گے ایمان“ مکر رکیوں لایا گیا؟ متن قرآن میں تو ”لایہ منون“ صرف ایک بار ہے اور ”یقین رکھو تم“ کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ علاوہ ازیں، تیرے اور چوتھے مصرع کی رویف ”تم“ ہے، تو ”نے“ کا قافیہ ”رکھو“ کیسے ہو گیا؟۔

ختم اللہ علیٰ قلوبہم و
دولوں پر سکھوں کے جو ہیں کفر پر
مرہ کی خدا نے جو ہے پاک تر

ہے؟ کیا یہ شاعر کے مانی ابطن کا معاملہ ہے؟

الہ، ذلك الكتاب

الہ ہے اعلیٰ کتاب
نہیں جس کا عالم میں کوئی جواب

لاریب فيه، هدى للمتقين
ہے شبہ کی گنجائش اس میں نہیں
ہدایت ہے ان کو جو ہیں متقین
الذین یؤمنون بالغیب و یقیمون الصلوة
جو رکھتے ہیں ایمان بالغیب سب

جو پڑھتے نمازیں ہیں شاہ عرب
و مما رزقناہم ینفقون، و الذين
رہ حق میں دیتے ہیں وہ اپنا مال
نہیں کرتے اس میں ہیں وہ قیل و قال
یؤمنون بما أنزل إليك و ما أنزل
جو ایمان لاتے ہیں اس چیز پر
جو نازل ہوئی تجھ سے پہلے کتاب

من قبلک، و بالآخرة هم
جو نازل ہوئی تجھ سے پہلے کتاب
ہے اس پر بھی ایمان رسالت مآب
یوقتون

ہے اس پر بھی ایمان قیامت پر بھی
خردمند واقف ہیں اس سے بھی

(ص: ۳-۲)

﴿الہ﴾ میں الف پر بھی ملکا گیا ہے جو غلط ہے، مـ
صرف لام اور میم پر لکھا جاتا ہے۔ قرآن پاک کے تمام نسخوں

یہ بدلا ملا ان کو اس بات پر
کہ جھلکایا خالق کو اس بات پر (ص: ۳)
متن قرآن میں "مرض" واحد ہے، مگر مترجم نے اس کو
جمع بنادیا ہے۔ لفظ "بے شک" اور شعر کا دوسرا پورا مصرع حشو
ہیں۔ "عذاب الیم" کا ترجمہ "عذاب شدید" غلط ہے۔ اور یہ
پورا مصرع ناموزوں ہے۔ "یکذبون" کے معنی ہیں "جھوٹ
بولتے تھے" مگر شاعر نے بالکل اثاثہ ترجمہ کیا ہے، بعد کلکڑا بھی
حشو ہے۔ پھر ان دونوں مصرعوں میں "بات پر" بطور ردیف
استعمال کیا گیا ہے تو اس کا قافیہ "حق" کیسے ہو گیا۔

وإذا قيل لهم لا تفسدوا في الأرض،
كها جب گیا ان سے شر مت کرو
زمیں پر لڑائی پا میت کرو
قالوا إنما نحن مصلحون.

تو بولے وہ جتنے بھی تھے سب تمام
کہ مصلح ہیں ہم لوگ خود لا کلام
فساد کا ترجمہ "شر" کیا، پھر "لڑائی" کیا جو دونوں غلط
ہیں۔ "جب" کو "کہا" اور "گیا" کے نیچے میں رکھا گیا ہے جو
اصول قواعد کے خلاف ہے۔ دونوں مصرعوں کی ردیف "مت
کرو" ہے تو پھر "شر" کا قافیہ "پا" جہالت کے ثبوت کے سوا کیا
ہے۔ "سب" اور "تمام" میں کیا فرق ہے؟ "لا کلام" کس لفظ
کا ترجمہ ہے؟۔

قارئین کرام غور فرمائیے کہ جس ترجمے اور نظم کو "اردو
زبان کا شاہکار" بتایا گیا ہے، اس کا حال یہ ہے کہ نہ زبان
درست، نہ ترجمہ صحیح، نہ وزن بحر کے مطابق، نہ ردیف قافیہ
اصول کے موافق۔ جگہ جگہ قرآن کے معانی میں رو بدل،

علیٰ سمعهم، و علیٰ ابصارهم
مہران کے کانوں پر ہے اس نے کی
نگاہوں پر بھی ان کے ہے مہر کی
غشاوہ، و لہم عذاب عظیم۔

نگاہوں پر ان کے ہے پردہ پڑا
بڑا ہے عذاب ان کے آگے کھڑا
متن قرآن میں صرف ایک جگہ ﴿ختنم اللہ﴾ (الله
نے مہر لگادی) آیا ہے۔ جناب مترجم نے تین جگہ "مہر" لکھا
ہے، جن میں سے صرف ایک جگہ شاید بھولے سے صحیح طور پر
ساکن الاوسط نظم کیا ہے، باقی دو جگہ متحرک الاوسط لکھا ہے، اور
دونوں مصرعوں کو بحر سے ساقط کر دیا ہے۔ نگاہوں کا ذکر متن
میں صرف ایک جگہ ہے۔ مترجم نے دوبار لکھا ہے جن میں سے
ایک جگہ قطعاً غلط ہے۔ علاوہ ازیں دونوں جگہ "نگاہوں" کو
مذکور لکھا ہے، جب کہ یہ لفظ حتماً مؤنث ہے۔ مہر کا تعلق متن
قرآن میں دلوں اور ساعت سے ہے۔ مترجم نے قطعاً غلط
ترجمہ کر کے نگاہوں پر مہر کرنا بھی لکھا ہے۔ "بڑا ہے عذاب ان
کے آگے کھڑا" یہ پورا مصرع مترجم کی بے سیلیگی اور زبان پر
عدم قدرت کی دلیل ہے۔

فی قلوبہم مرض فرادہم اللہ مرضًا
مرض ان کے دل میں ہیں بے شک بھرے
خدا ان کے امراض زیادہ کرے
و لہم عذاب الیم، بما کانوا
مرض انے مرض ان کے زیادہ کیے
عذاب شدید ہوگا ان کے لیے
یکذبون۔

ساری تعریفیں ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے جو کہ ہے پالنے والا سمجھی دنیاوں کا ایسا رحمان کہ شفقت کی کوئی حد ہی نہیں ہے رحیم ایسا کہ مژمڑ کے ہے رحمت کرتا ہے وہی روز جزا اور سزا کا مالک دن قیامت کے فنا اور بقا کا مالک

(ص: ۹)

بندگی تیری میں تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں راستے سیدھے پہ چلنے کے ہمیں طور بتا راہ ان بندوں کی جن پر ترا انعام ہوا نہیں مغضوبوں کا رستہ، نہیں گمراہوں کا

(ص: ۹)

”کرتا ہے“ کی جگہ پر ”ہے کرتا“ کا استعمال قواعد زبان کے خلاف ہے۔ شاعر بدر جہ جموروی کہیں کہیں ایسا کر لیتا ہے، مگر ہزاروں جگہ اسی طرح افعال کو الٹ پلٹ استعمال کرنا درست قرآن نہیں دیا جاسکتا۔ آخر ایسی نظم اور پھر کوسوں طویل نظم لکھنا کیا ضروری ہے جس میں شاعر ہزاروں لاکھوں جگہ زبان کے صحیح استعمال پر قادر نہ ہو۔

علاوہ اذیں یہ ”مزمڑ کے رحمت کرنا“ کیا چیز ہے؟ کیا اس مژمڑ کا استعمال خدا کی شان میں سوء ادب کے مترادف قرآن نہیں دیا جائے گا؟ ﴿مالك یوم الدین﴾ کا ترجمہ صرف اتنا ہے ”روزِ جزا کا مالک ہے“ / ”بدلے کے دن کا مالک ہے“، خود قاضی صاحب نے نہیں اس کا ترجمہ یوں لکھا ہے: ”مالک ہے روزِ جزا کا“، لیکن منظوم ترجمے میں عجیب طریقے سے ایچ یچ سے کام لیا ہے۔ ”روزِ جزا اور سزا“ کی ترکیب درست نہیں ہے۔ ”اور“ کی جگہ صرف ”

تعقیدات کا کوئی حساب نہیں۔ حشو وزائد حسب منشا۔ اور یہ حال صرف ان دو صفحوں کا ہی نہیں ہے جن سے بیہاں کچھ نہ نوئے پیش کیے گے، بلکہ پورے ۹۳۳ صفحات کا یہی حال ہے۔ ہر صفحے پر ترجمہ، زبان، قواعد، وزن، ردیف اور قافیہ وغیرہ کی اگلا طفر اولیٰ کے ساتھ موجود ہیں۔

(۲)

”منظوم اردو مفہوم القرآن“ از عطا قاضی۔ یہ منظوم اردو ترجمہ ۲۲۴+۳۶/۱۲ کے سائز پر تین جلدیوں میں ادبی سجاہ، پسرور، ضلع سیالکوٹ (پاکستان) سے شائع ہوا ہے، جو مترجم کے بیان کے مطابق ۲۰۰۲-۲۰۰۱ کے دو برسوں میں نظم ہوا ہے۔ میرے ہاتھ میں اس وقت ۲۰۰۵ کا اڈیشن ہے، جس کی تینوں جلدیوں کے صفحات کی مجموعی تعداد ۲۵۷۸۸ ہے۔ ہر صفحے پر پہلے عربی متن، یعنی السطور نشری اردو ترجمے کے ساتھ چھپا ہے۔ اس کے نیچے کہیں قطعات اور کہیں مسدس کی ہیئت میں منظوم ترجمہ درج ہے۔ نثری ترجمے کے بارے میں یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ کسی دوسرے مترجم کا ہے یا خود قاضی صاحب ہی کی کاؤش قلم کا حاصل ہے۔ (نظائر یہ مفتی شفیع عثمانی کی تفسیر معارف القرآن میں شامل ترجمے میں کسی قدر تصرف کر کے تیار کیا گیا ہے۔) یہ منظوم اردو مفہوم القرآن بھی ۱۵-۱۶ انش دروں اور مصروفی کی تبریکات و تحسینات سے آرستہ ہے، لیکن ان میں بارہ امامیوں کی طرح لفاظی اور مبالغہ پردازی کا داخل زیادہ نہیں ہے۔ اس کے بھی چند نہ نوئے ملاحظہ فرمائیے:

خدا جانے کس مصلحت سے قاضی عطاء اللہ صاحب (عطاطا قاضی) نے بسم اللہ الرحمن الرحيم کا ترجمہ منظوم نہیں کیا۔ سورہ فاتحہ کا ترجمہ اس طرح ہے:

قاضی صاحب یا خدا کے سوا تیرا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں تعقید کے علاوہ ایک لفظ ”شُعْ“ کا شاعر کی طرف سے اضافہ ہے۔ تیرے شعر میں جب ”عطای کیا“ آچکا تھا تو پھر ”دیا“ لانا قطعاً غیر ضروری تھا۔ اس کو حشو قیچ ہی کہا جائے گا جس کو صرف وزن پورا کرنے کے لیے لکھا گیا ہے۔ شعر کے دونوں مصرع میں تعقید کے عیب سے بھی خالی نہیں ہیں۔ لفظ ”اسی“ کے آخر میں یہ بھی بے ضرورت ہے۔

﴿ وَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ ﴾

وَ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿﴾ کا ترجمہ دیکھئے:

مانند ہیں جو اتراء ہے تمہاری جانب اور جو قبل ازیں کتب کی کی ہے تزییں یعنی قرآن میں، موسیٰ کی تورات حسین اور داؤد کی، عیسیٰ کی زبور و انجل آخرت پر بھی یقین تام ہے ان لوگوں کا نیک بندوں میں بڑا نام ہے ان لوگوں کا ہیں ہدی اور فلاح یافہ انسان یہی

آخرت پر بھی سدار کھتے ہیں ایقان یہی (ص: ۱۱)

”من قبلک“ کا ترجمہ ”قبل ازیں“ غلط ہے۔ پھر اس

آیت میں کتاب یا کتب کا لفظ کہیں موجود نہیں، علاوہ ازیں لفظ کتب تحرک الاوسط ہے جس کو غلط طور پر ساکن الاوسط نظم کیا گیا ہے۔ اب اگر کتب کو صحیح طور پر پڑھا جائے تو مصرع ناموزوں ہو جاتا ہے، اور مصرع ناموزوں کیا جائے تو ایک لفظ کا تلفظ بگرتا ہے۔ دوسری شعر آیت کے کن الفاظ کا ترجمہ ہے، اس کو بتانے کی ذمہ داری شاعر پر ہے۔ تیرے شعر کا دوسرامصرع بھی شاعر کی طرف سے اضافہ ہے، متن قرآن سے اس کا کوئی تعلق نہیں

و، ”ہونا چاہئے تھا، وزن پورا کرنے کے لیے دانتہ یہ غلطی کی گئی ہے۔ پھر اصل ترجمہ تو ”روز جزا“ پر پورا ہو جاتا ہے، ”سرا“ کا لفظ حشو ہے، اور دوسرامصرع پورے کا پورا حشو ہے اور قطعاً غیر ضروری ہونے کے ساتھ تعقید کے عیب کا بھی حامل ہے۔

﴿ إِنَّا نَعْبُدُ وَإِنَّا نَسْتَعِنُ ﴿﴾ کا ترجمہ قاضی صاحب نے نشر میں یوں لکھا ہے: ”تیری ہی ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں“، مگر اس کو ظلم میں یوں لکھا ہے: ”بندگی تیری میں تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں“، ”قارئین دونوں ترجموں کو دیکھ کر خود فیصلہ فرمائیں کہ کون سا ترجمہ صحیح اور زیادہ قابل فہم ہے۔ ﴿﴾ إِنَّا نَعْبُدُ ﴿﴾ کا ترجمہ ”بندگی کی تیری میں“، ”شاید دنیا کے کسی بھی مترجم کو نہیں سوچتا ہوگا۔“ راستے سیدھے پہ چلنے کے ہمیں طور بتا“، مصرع بے ہودہ طریقے سے الجھا ہوا ہے۔ اردو زبان میں صفت موصوف پر مقدم ہوتی ہے۔ ہمارے شاعر نے موصوف کو مقدم رکھا ہے جو قواعد کے لحاظ سے درست نہیں ہے۔

﴿ إِنَّمَا ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رِيبَ فِيهِ هُدَى لِلْمُتَّقِينَ، الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ، وَيَقِيمُونَ الصَّلَاةَ، وَمَا رَزَقَنَاهُمْ يَنْفَقُونَ ﴿﴾ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

میں کہ اللہ ہوں ہر علم ہے کامل میرا
یہ کتاب ایسی ہے جو شک کی نہیں ہے حامل
مقنی لوگوں کے ہے واسطے یہ شمع ہدی
جن کا ہے غیب پر ایماں، ہیں نمازی کامل
اور جو رزق عطا ہم نے کیا ہے ان کو
خرچ کرتے ہیں اسی سے جو دیا ہے (ص: ۱۰)

پہلا مصرع آیت کے کن الفاظ کا ترجمہ ہے، اس کو

میں کیا ہے، اور وہ بھی عجیب و غریب انداز سے۔ متن قرآن میں یہاں ”دین و دنیا“ کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ ”دین میں المناک و عید“ کے معنی بھی شاعر کے طن میں ہی ہوں گے۔ عذاب عظیم کا ترجمہ ”المناک و عید“ دنیا کی کسی ڈشتری میں نہیں ملے گا۔ خود قاضی جی نے نثر میں اس کا ترجمہ یوں لکھا ہے: ”اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے“، اس سیدھے سے ترجمے کو ظم میں کیسی الٹی پلٹی کھلائی ہے، وہ آپ کے سامنے ہے۔ شروع سے آخر تک پورے ۲۵۷۸ صفحات ایسی ہی قلمی بازی گری کا نمونہ ہیں۔

اب قاضی عطا صاحب اور تمام قارئین خود غور فرمائیں کہ اس طرح قرآن پاک کا ترجمہ کیا کلام الہی کے ساتھ کھلا ہوا مذاق اور محض اپنے جذبہ شعر پسندی کی تکمیل اور ہنی و روزش کا سامان مہیا کرنے کے سوا کچھ اور کہلانے کا مستحق ہے؟۔

(۳)

”قرآن منظوم“ از پروفیسر محمد سمیع اللہ اسد۔ یہ ترجمہ جس کو مترجم نے ترجمے کی بجائے ”قرآن منظوم“ کا عنوان دیا ہے، ۲۳۴۳۶/۱۶ ساںز کی پانچ جلدیوں میں شائع ہوا ہے جو حسب بیان ناظم ان کی ۱۹۹۵ء سے ۲۰۰۵ء تک کم و بیش گیارہ سال کی محنت کا حاصل ہے۔ پانچوں جلدیں ۲۰۰۳ء سے ۲۰۰۸ء تک الگ الگ وقتیں میں شائع ہوئی ہیں جن کے صفحات کی مجموعی تعداد گیارہ سو پچاس (۱۱۵۰) ہے۔ پورے ساڑھے گیارہ سو صفحات میں شاعر کے کمال کا یکساں طور پر اظہار ہوا ہے۔ اس لیے یہاں صرف جلد اول سے کچھ نمونے پیش کیے جا رہے ہیں۔ قارئین باقی جلدیوں کو بھی انہیں پر قیاس کر سکتے ہیں۔

میرے ہاتھ میں اس وقت پہلی جلد کا تیسرا اڈیشن

ہے۔ چوتھے شعر میں بھی متن کا ترجمہ پہلے مصرے میں پورا ہو گیا، دوسرا مصرع حشو ہے۔ فلاج کا لفظ بھی درست طور پر نظر نہیں ہوا اور پوری طرح وزن کے اندر نہیں آ رہا ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ
وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ ۱۰۰ کا ترجمہ یہ ہے:

اور وہ لوگ جو ہیں کفر کی زندگی میں اسیر حسن تبلیغ سے تو ان کو ڈرا یا نہ ڈرا وہ تو ایمان کی دولت نہیں لیں گے ہرگز ان کو تو اسوہ حسنة کے ہر اک رخ کو دکھا کر دیا حق نے بصیرت سے سماعت سے تھی ان کو ان کی نگہ چشم بصارت سے تھی دین و دنیا میں بھی ہے ان کو المناک و عید آخرت کی بھی گھڑی کوئی نہیں ان کو سید

(ص ۱۲)

”زندگی“ کو موئث استعمال کیا گیا ہے جب کہ یہ لفظ مذکور ہے۔ پھر ”کفروا“ کا ترجمہ ”کفر کے زندگی میں اسیر“ کیسے درست ہو سکتا ہے؟ حسن کو سا کن اسین ظم کیا گیا ہے جب کہ وہ متحرک اسین ہے، جس سے مصرع خارج الوزن ہو گیا ہے۔ ﴿خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ﴾ کا ترجمہ ”بصیرت سے تھی اور سماعت سے تھی کرنا“ ہرگز درست نہیں ہو سکتا ختم کے معنی مہر لگانا ہیں، تھی (خالی) کرنا نہیں۔ ﴿وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غُشَاوَةٌ﴾ کا ترجمہ ”ان کو ان کی نگہ چشم بصارت سے تھی“ بھی غلط ہے۔ خود قاضی صاحب نے نثر میں اس کا ترجمہ یوں لکھا ہے: ”اور ان کی آنکھوں پر پردہ (پڑا ہوا) ہے“۔ ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ کا ترجمہ پورے ایک شعر

خود قرآن کریم ایک غیر موزوں شعری شاہکار ہے۔” (ص: ۷) اس پروفیسر کو یہ لکھتے ہوئے ذرا بھی شرم محسوس نہیں ہوئی جب کہ قرآن کے اندر خود قرآن کے نازل کرنے والے نے اس کے شعر ہونے کی تردید کی ہے۔ (دیکھئے سورہ سیمین، آیت ۳۹)۔ پھر آگے چل کر اکابر سلف کی اس طرح تفصیل فرمائی ہے: ”عربی کے مسلمہ تقاسیر (جیسے طبری، اشیر، کثیر، فتح القدری... جلالین، صحیحین وغیرہ) ہیں... جن کی جگالی ہر مفسر، عالم و خطاب ہمیشہ کرتا رہتا ہے۔“ (ص: ۹) اس جملے میں پروفیسر موصوف نے ”کی“ بجائے ”کے“ لکھا ہے، جس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بامحاورہ اردو لکھنے کا دعویٰ کرنے والے کو مذکر و مذہب کا بھی شعور نہیں ہے۔ جلالین کے ساتھ صحیحین وغیرہ لکھنے سے یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ موصوف کو یہ بھی خبر نہیں ہے کہ کون سی کتاب تفسیر کی ہے اور کون سی حدیث کی۔

خطیب کی جگہ خطاب کیوں لکھا ہے، یہ بھی موصوف ہی کو پتا ہو گا۔ ابن اشیر اور ابن کثیر کی جگہ صرف اشیر، کثیر لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ پروفیسر صاحب یا تو ان اکابر کے صحیح ناموں سے واقف نہیں ہیں یا پھر بطور تفصیل و استہزا لکھا ہے۔

پروفیسر صاحب کے نشری ملفوظات پر بعد میں بھی لکھا جائے گا۔ آئیے پہلے اس کارنامے کو دیکھتے ہیں جس کو منظوم ترجمے کی بجائے ”قرآن منظوم“ کا نام دیا گیا ہے۔

صفہ ۳ پر انتساب کے زیر عنوان لکھا ہے:
کرتا ہوں میں انتساب اہل بصیرت کے لیے
یہ کتاب نور، جو رب کی ہے اک روشن دلیل
(ص: ۳)

کتاب کے پہلے شعر کے پہلے مصروع کا پہلا لفظ ہی

ہے، جس کو شاعر نے مکمل نظر ثانی کے بعد ۲۰۰۸ء میں شائع کیا ہے۔ اس جلد کی پہلی اشاعت میں ایک صفحہ کا مختصر سا ”پیش لفظ“ ہے جس کو تیرے اڈیشن میں حذف کر دیا گیا ہے، لیکن دوسری، تیسرا، چوتھی اور پانچویں سب جلدیوں میں برقرار رکھا گیا ہے۔ اس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ ”موصوف کے علاوہ جتنے لوگوں نے بھی قرآن پاک کے منظوم ترجمے لکھے ہیں وہ سب کے سب تفسیری ہیں، لفظی اور معنوی نہیں ہیں“۔ ساتھ ہی پروفیسر صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ ”اکثر نشری ترجمے زبان و بیان کے لحاظ سے ناقص اور معانی کی تفہیم کے اعتبار سے بہم ہیں“۔۔۔ ”اور قرآن منظوم ہذا کا اسلوب بامحاورہ اور رواں ہے۔ یہ ترجمہ صرف اصل معانی قرآن کی حدود میں مقید ہے۔ معانی قرآن کی روح کو برقرار رکھنے کے لیے حک و اضافہ اور بے جا تفہیروں سے گریز کیا گیا ہے۔“

(جلد: ۲، ۳، ۴، ۵۔ ص: ۵-۳)

تازہ ترین مکمل نظر ثانی شدہ اڈیشن میں ایک قدرے مفصل ”پیش لفظ“ لگایا ہے جس میں موصوف نے یوں بھی اپنی پروفیسری کا طفظہ سنایا ہے کہ ”قرآن کریم کا منظوم ترجمہ کرنا بعض جہلاء کے نزدیک (کذا) معیوب اور اچھوت ہے، معلوم نہیں کیوں؟“ (ص: ۷) اس جملے میں پروفیسر نے نزدیک کو ”ذال“ سے ہی لکھا ہے، اور چوں کہ کپوڑنگ اور پروف ریٹنگ خود ہی کی ہے، اس لیے غالباً وہ اسی الاما کو درست سمجھتے ہوں گے۔ اسی جلد اول کے ص: ۷ ا پر موصوف نے ”چیز“ کا قافیہ بھی ”لذیذ“ باندھا ہے، اور لفظ ”اچھوت“ سے پروفیسر صاحب کی مراد کیا ہے، یہ بھی ایک معما ہے۔

پھر آگے لکھتے ہیں: ”قرآن منظوم کو تو جانے دیجئے،

نام رب سے کرتا ہوں میں ابتدا
جو ہے رحماء، مہرباں سب سے بڑا (ص: ۱۱)
”اللہ“ کا ترجمہ ”رب“ کرنا ذہن شاعر کی نارسانی اور
معانی کی نزاکتوں سے عدم آشنای کی دلیل ہے۔ رب کے معنی
میں وہ جامعیت نہیں ہے جو اللہ کے معنی میں ہے۔ اسی لیے
محاط اہل علم انگریزی میں بھی God کی بجائے اللہ ہی لکھنا پسند
کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں ”کرتا“ کا الف بیہاں بھی دب رہا
ہے جو وزن پر شاعر کی عدم قدرت کی نشانی ہے یا پھر تسلیم کی
دلیل۔ بسم اللہ کا یہی ترجمہ پانچوں جملوں میں ہر سورۃ کے
ترجمے کے آغاز میں درج ہے۔ آگے دیکھیے:

حمد ساری ہے خدا کے واسطے
جو ہے رب سارے جہانوں کے لیے
﴿الحمد لله رب العالمين﴾ کا یہ ترجمہ ذوقی سلیم
سے مناسب نہیں رکھتا۔ ”جو سارے جہانوں کا رب ہے“ اس کو
جس طرح شاعر نے ظلم کیا ہے، غیر ادبی اور تعقیدی انداز ہے۔

کرتے ہیں تیری عبادت یاد ہم
ماں کتے ہیں تھے سے ہی امداد ہم
(اے ہمارے مہرباں رب کریم)
تو دکھا ہم کو صراط مستقیم
راہ ایسے لوگوں کی (اے بے نیاز)
جو تھے تیری نعمتوں سے سرفراز
ان کی راہوں پر چلا ہرگز نہیں
جن کے اوپر آفتینی ڈھانی گئیں
اور نہیں زنہار تو (اے کبیرا!)
گمراہوں کی راہ پر (ہم کو چلا)

شاعر کے اس دعوے کو کھوکھلا ثابت کر رہا ہے کہ ان کے کلام
میں روایی ہے۔ ”کرتا“ کا الف بے طرح دب رہا ہے۔ اس کو
وزن میں لانے کے لیے عروض دانوں کو بھی بہت محنت کرنا
پڑے گی، اور شعر میں روایی پسند کرنے والوں کے ذوق کو پہلی
ہی سطر پر ناگواری کا احساس ہو گا۔ علاوہ ازیں یہ بھی مشتبہ ہے
کہ ”کتاب نور“ قرآن پاک کو کہا ہے یا اپنے قرآن منظوم کو۔
یہ انتساب پانچوں جملوں کے شروع میں اسی طرح زیب
قرطاس ہے۔

صفحہ ۱۵۰ اسی صفحے پر بھی قرآن پاک کا عربی متن نہیں چھاپا گیا
ہے جو بجائے خود ناشایستہ (بلکہ مجرمانہ) حرکت ہے۔ عربی متن
کے بغیر قرآن پاک کی ایک دوایت کا ترجمہ تو کہیں چھاپا جاستا
ہے، لیکن پورے قرآن پاک کا صرف ترجمہ بغیر عربی متن کے
چھاپاں جملہ قدیم و جدید فقہا کے نزدیک ناجائز ہے۔ (اردو کی
معروف و مقبول ترین تفسیر ”معارف القرآن“ کے مصنف مفتی
محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معروف کتاب ”جوہر الفقہ“ کی
جلد اول کے صفحہ ۹۵ تا صفحہ ۱۱۶ اپر سالہ ”صیانۃ القرآن عن
تغیر الرسم و البيان“ ملاحظہ کرنے کی زحمت فرمائی جائے۔)
بہر حال، اب صفحہ ۱۱ کی پہلی سطر پر نظر ڈالیے، لکھا گیا
ہے: ”سورہ فاتحہ“، سورۃ کا یہ املاقطعاً غلط ہے، جس کو
موسوف پروفیسر صاحب نے خود کپوڑ کیا ہے، اور پہلی جلد سے
چوتھی جلد تک قصد آبار باراں غلطی کو دہرا�ا ہے۔ بعد میں غالباً
اپنے کسی غیر خواہ کے ٹوکنے پر پانچوں جلد میں جا کر یہ املا
درست کیا گیا ہے۔

بسم اللہ کا ترجمہ یوں کیا ہے:

﴿ ذلک الكتاب لا ريب فيه ﴾ کاسیدہ سید حافظہ
ترجمہ یوں ہوگا: ”اس کتاب میں کوئی شک نہیں ہے۔“ یا ”یہ
ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔“ پروفیسر اسد
نے اس کو یوں لفظ کیا ہے:

یہ کتاب اک ایسی ہے جس میں نہیں
کوئی شک یا شبہ کوئی بالیقین
”یہ کتاب اک ایسی ہے“ یہ کیا زبان ہے۔ کیا یہ زبان
قرآن کے ترجمے یا اس سے بھی ترقی کر ”قرآن منظوم“
کہلانے والی کتاب کے لائق ہے؟۔

﴿ هدى للمتقين الذين ينفقون ﴾ کا
ترجمہ دیکھیے:

متقینوں کے لیے ہے یہ کتاب
ڈرتے ہیں اللہ سے جو بے حساب
ماتنے ہیں غیب کو یہ پاک باز
پڑھتے ہیں یہ سب کھڑے ہو کر نماز
رزق جو ہم نے مہیا ہیں کے
خرچ کرتے ہیں یہ ان اجناس سے
(ص: ۱۲)

ان آیات کاسیدہ سید حافظہ کا ترجمہ یوں ہوگا: ”ہدایت
ہے پرہیز گاروں کے لیے، جو ایمان لاتے ہیں بے دیکھی
چیزوں پر اور قائم رکھتے ہیں نماز کو، اور جو رزق ہم نے انہیں دیا
ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔“

پروفیسر موصوف نے ”حدی“ کا ترجمہ بالکل غائب
کر دیا۔ اس کی جگہ لفظ ”کتاب“ رکھا اور ایک پورا مصرع اپنی
طرف سے اضافہ کر دیا۔ خدا جانے پروفیسر صاحب کے پاس

ہر دو خواں پچھے کو اسکول میں یہ سکھایا جاتا ہے کہ اردو
زبان میں جملے کی ترکیب یوں ہوتی ہے کہ پہلے فعل آتا ہے،
پھر مفعول آتا ہے، اور آخر میں فعل۔ لیکن ہمارے پروفیسر
صاحب ہر جگہ اس قاعدے کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور
ترتیب الٹ کر فعل کو جو آخر میں آنا چاہیے بالکل شروع میں
لاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں ان کے اشعار کی تعقیدات کا
حساب کوئی برا ماہر ریاضی داں ہی لگا سکتا ہے، آپ کے یا
ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔

﴿ إِيَّاكَ نَعْبُدُ ﴾ کاسیدہ صحیح ترجمہ یہ ہے: ”ہم
تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔“ پروفیسر صاحب نے عبارت کو تو
الٹ پلٹ کیا ہی تھا، ایک لفظ ”یاد“ کا بالکل زلا اضافہ بھی اپنی
طرف سے فرمادیا۔ جب کہ ان کا دعویٰ ہے کہ: ”انہوں نے
ترجمے میں یا کہیں بھی حک و اضافہ نہیں کیا۔“ ”عبادت یاد کرنا
“ کون سی زبان کا محاورہ ہے، یہ بتانے کی ذمہ داری بھی
پروفیسر پر باقی ہے۔ یہی الٹ پھیر ﴿ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴾ کے
ترجمے میں بھی موجود ہے۔ ﴿ أَهَدْنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴾
کے ترجمے میں پورا ایک مصرع بھرتی کا ہے۔ ﴿ صِرَاطَ الْذِينَ
أَنْعَمْتُ عَلَيْهِمْ ﴾ کے ترجمے میں بھی ”اے بے نیاز، حشو
ہے۔ چوتھا شعر جو ﴿ غَيْرُ المَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ ﴾ کا ترجمہ
ہے، اس کو کوئی پر لے درجے کا جاہل ہی درست قرار دے سکتا
ہے۔ نہ زبان درست نہ معنی صحیح، مغضوب کے معنی ”جس پر
آفت ڈھانی گئی“، کون سی ڈکشنری میں لکھے ہیں، اس کو
پروفیسر صاحب ہی بتا سکتے تھے، جو نہیں بتایا۔ پانچواں شعر جو ﴿
وَلَا الضَّالِّينَ ﴾ کا ترجمہ ہے، اس میں بھی ”زہزار“ ”اے
کبریا“، ”غیرہ سب حشو ہیں۔

اس ترجمے کو صحیح ثابت کرنے کے دلائل کیا ہیں، جس کی نہ تراکیب درست، نہ ترجمہ چست، جگہ جگہ اپنے دعوے کے نوٹ لکھا ہے، وہ بھی پڑھنے کے قابل ہے۔ ملاحظہ خلاف الفاظ و معانی کا حذف و اضافہ بھی فرماتے ہیں اور فرمائیے۔ لکھتے ہیں:

”تجھ“: یہ خطاب ہے رسول ﷺ سے۔ ضرورت شعری کے سبب اس ”قرآن منظوم“ میں رسول ﷺ کے لیے کہیں ”آپ“ اور کہیں ”تو“ سے کام لیا گیا ہے۔ ”تو“ کلمہ تحقیر نہیں ہے بلکہ کلمہ تعظیم ہے۔ اکثر محبوب و معشوق کو ”تو“ سے مخاطب کیا جاتا ہے۔” (ص: ۱۲)

لغت اور ادیبات کی تحقیق سے وابستہ موضوعات پر کام کرنے والے حضرات، ”قرآن منظوم“ کے مصنف کا یہ افلاطونی جملہ اپنے سینوں اور سفینوں میں محفوظ فرمالیں تاکہ سندر رہے اور وقت ضرورت کام آئے۔ اس لیے کہ ہمارے شاعر یعنی پروفیسر اسد کے سوا کسی عالم، فاضل اور ماہر لغت کو یہ توفیق نصیب نہیں ہوئی کہ وہ لفظ ”تو“ کو ”کلمہ تعظیم“ بتاتا اور معشوق کو ”تو“ سے مخاطب کرنے کی توجیہ اس کے احترام و عظمت شناسی سے کرتا۔

بہرحال، یہ اس پانچ جلدیوں اور سائز ہے گیا رہ سو صفحات پر پھیلی ہوئی سوت نادرست، قواعد اور زبان کی اگلاط سے پر، حذف و اضافے کے تصرفات بے جا سے معمور نظم کے صرف دو صفحات کا مختصر سا جائزہ ہے۔ قارئین اسی نمونے پر پورے ۱۵۰ صفحات کو قیاس کر سکتے ہیں۔ جس کسی کے پاس فاضل وقت ہو وہ مصنف سے خرید کر پانچوں جلدیوں کا مطالعہ کر کے شوق سے اپنا وقت بردا کر سکتا ہے اور مصنف سے یہ سوال کر سکتا ہے کہ بھائی کس دیوانگی کے عالم میں تم نے اس کتاب کو ”قرآن منظوم“ بے حساب، بھی بھرتی کا ہے؟

یہاں ”تجھ“ کی ضمیر پر، پروفیسر صاحب نے حاشیے پر ایک تعقیدات کا بھی انبار لگاتے چلے جاتے ہیں۔ قارئین خود کسی اچھے نشری ترجمے سے پروفیسر کے اس ”قرآن منظوم“ کا مقابلہ کر کے دیکھ لیں اور موصوف کے لیے دعاۓ ہدایت فرمائیں۔ ﴿وَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُ وَ مَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكُ﴾ کا ترجمہ پروفیسر اسد نے یوں نظم کیا ہے:

یہ ہیں ایسے لوگ جن کا ہے یقین
اتری ہے جو تجھ پر ہے پختہ یقین
تجھ سے پہلے اتری تھی جو جو کتاب
ان پر بھی ایماں ہے ان کا بے حساب
آیت کا راست ترجمہ اس طرح ہے: ”اور جو لوگ
ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ ﷺ پر نازل کیا گیا اور جو آپ ﷺ سے پہلے نازل کیا گیا۔“

آیت کے شروع میں جو حرف عطف ہے اس کا ترجمہ پروفیسر کے ”قرآن منظوم“ میں غالب ہے۔ ”ایمان“ کو ”یقین“ سے بدلا گیا۔ پھر یقین جب پہلے مصرع میں آچکا تھا تو دوبارہ اس کا لانا حشو کے سوا کچھ نہیں۔ دوسرے شعر میں ”جو جو کتاب“ لکھا ہے، خدا جانے پروفیسر صاحب کو علم ہے کہ نہیں کہ ”جو“ جب مکر آتا ہے تو اس کے بعد والا اسم جمع کی شکل میں لایا جاتا ہے، اور فصحائی زبان کا یہی محاورہ ہے۔ مثلاً ”تم نے جو جو کام کیے“ یا مثلاً ”تم جو جو چیزیں لائے“، وغیرہ۔ اسی طرح یہاں پر ”جو جو کتابیں“ ہونا چاہیے تھا۔ آخر کا تکلیفاً ”بے حساب“ بھی بھرتی کا ہے۔

(اردو بک ریویو، نئی دہلی، شمارہ: مارچ۔ اپریل ۲۰۰۷ء)

اب اس کتاب کی جلد اول جو شش پریس بلام پور سے ۲۰۰۳ء میں شائع ہوئی ہے، اس کو ہولیے اور دیکھیے:

﴿أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے: ”اللَّهُكَنَاهِ میں شیطان لعین کے شر سے“ (ص: ۵)۔ کیا اس کو پڑھ کر آپ فوراً بتاتے ہیں کہ یہ ظلم ہے یا نظر ہے؟ اور کیا ﴿أَعُوذُ بِاللَّهِ﴾ کا ترجمہ ”اللَّهُكَنَاهِ میں“ درست ہے؟

﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾ نام سے اللہ کے جو مہرباں بے حد، نہایت ہے رحیم (ص: ۵) جب رحیم کا ترجمہ بھی رحیم ہی سے لکھا گیا ہے تو اس کے ساتھ ”نہایت“ کا اضافہ کیوں کیا گیا؟ کیا اسی کو حرف بہ حرف ترجمہ کرتے ہیں؟ روانی و سلاست وغیرہ کا بند بانگ دعویٰ اور ایک مصرعے میں دو جگہ تقدیم بھی قابل داد ہے۔

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾
ساری تعریفیں ہیں اللہ کے لیے
کل جہانوں کا جو ہے پرو دگار

(ص: ۵)

پہلے مصرعے میں جب تک لفظ اللہ کو لا یا اللہ نہ پڑھا جائے، مصرع صحیح طریقے سے موزوں نہیں ہوگا۔ ﴿الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾ کے ترجمے میں بھی وہی غلطی کی جو ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ کے ترجمے میں کی تھی۔

﴿الْمُ، ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رِيبُ فِيهِ،
يَكْتَابُ حَقًّا هُوَ، اس میں کوئی شبہ ہی نہیں

هدی للمتقین﴾

(۲)

”منظوم القرآن“ از بدر الدین خاں انجمن عرفانی۔ یہ بھی ۲۳۶۳ کی پانچ جلدیں پر مشتمل ہے جو ۲۰۰۴ء سے ۲۰۰۶ء تک چھپ کر مکمل ہوئیں۔ صفحات کی مجموعی تعداد ۹۶۷ ہے۔ ان صاحب نے بھی پروفیسر اسد کی طرح یہ ظلم کیا ہے کہ پورے قرآن کا ترجمہ بغیر عربی متن کے چھپوا یا ہے۔ میرے ہاتھ میں اس وقت اس کی پانچوں جلدیں موجود ہیں۔ صرف شروع کے دو صفحوں کو عربی متن سے زینت دی گئی ہے۔ باقی درست ہے؟

سات سو چورانوے صفحات پر صرف اردو ترجمہ ہے۔ ہر جلد پر خود شاعر نے ایک ایک صفحے کا مختصر سا پیش لفظ لکھا ہے۔ شاید کاغذ اور کتابت و طباعت کی گرانی کی وجہ سے اپنے قدرانوں کی تقریبات شامل نہیں کی ہیں۔ آخری جلد کے پیش لفظ کے آخر میں مترجم کا یہ بیان قابل غور ہے کہ:

”مجھے امید ہے کہ قارئین کو اس کے مطالعے میں ایک لے، ایک سر، ایک نغمے کا احساس ہو گا جو اس کے مطالعے کو پر لطف بنائے گا۔“ (ص: ۳/ ج: ۵)

اس کے ساتھ عرفانی صاحب کا یہ دعویٰ بھی ذہن میں رکھیے کہ:

”میرا منظوم القرآن، قرآن کا لفظی منظوم ترجمہ ہے۔ اس میں آزاد ظلم کی فارم کو اپنایا گیا ہے، یہ قرآن کا ”حرف بہ حرف“ ترجمہ ہے۔ اپنی جانب سے کچھ اضافہ نہیں کیا گیا ہے۔ یہ سیدھی سادی نثر کو لفظ کے قالب میں ڈھال دیا گیا ہے تاکہ پڑھنے میں روانی، سلاست اور لطف زبان کا ذائقہ بھی ملتا رہے اور قرآن کے احکامات صاف صاف قاری کے دل میں اترتے چلے جائیں۔“

کسی صورت میں بھی، ”حشو ہیں اور شاعر کے دعوے کو جھوٹا ثابت کرنے کی دلیل:

”ان کے کانوں اور دلوں پر مہر اللہ نے لگادی اور آنکھوں پر دیا ہے پردہ ڈال اور انہیں کے واسطے تو ہے

(ص: ۷) عذاب ہولناک“

یہ ﴿ختم اللہ علی قلوبہم ولهم عذاب عظیم﴾ کا ترجمہ ہے۔ اصل قرآن میں دل پہلے ہے، شاعر نے اس کو بعد میں ڈال دیا۔ ﴿و علی ابصارہم غشاوۃ﴾ کا ترجمہ ”اور آنکھوں پر دیا ہے پردہ ڈال“ بھی غلط ہے۔ اس کو لفظی یا حرف بہ حرف ترجمہ کہنا پر لے درجے کی غلط بیانی ہے۔ ”ڈال دیا ہے“ کی جگہ ”دیا ہے ڈال“ لکھنا زبان پر عدم قدرت اور ارادو و قاعد سے عدم واقعیت کی دلیل ہے۔ پھر متن میں ”ڈال دیا“ کے ہم معنی کوئی لفظ نہیں ہے، یہ ناظم کا تصرف ہے۔ عذاب عظیم کا ترجمہ ”عذاب ہولناک“ کیا ہے جو غلط ہے۔ عظیم کے معنی ہولناک کسی مستند ڈشتری میں نہیں پائے جاتے۔

(ص: ۷) ”پھر بھی وہ مومن حقیقت میں نہیں“

یہ ﴿و ما هم بمؤمنین﴾ کا ترجمہ ہے جو اعلان کر رہا ہے کہ شاعر کا ”حرف بہ حرف“ ترجمہ کرنے کا دعویٰ قطعاً باطل ہے۔ آیت کے اس حصے کا صحیح ترجمہ یوں ہوگا: ”اور وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔“

”ہے دلوں میں ان کے روگ

جس میں اللہ نے اضافہ کر دیا کچھ اور بھی“ (ص: ۷)

یہ ﴿فی قلوبہم مرض فزادہم اللہ مرضًا﴾ کا

اہل تقویٰ کی ہدایت کے لیے یہ کتاب (ص: ۶)

جب لفظی اور حرف بہ حرف ترجمہ کرنے کا دعویٰ کیا جا رہا ہے تو کتاب کے ساتھ لفظ ”حق“ کا اضافہ کرنے اور پھر لفظ کتاب کو مکر لانے کا کیا جواز ہے؟

﴿وَمَا رَزَقْنَاهُمْ يَنفَقُونَ﴾

اور ہم نے جو دیا ہے رزق انہیں راہ حق میں کرتے ہیں اس میں سے خرچ

(ص: ۶)

رزقناہم کے معنی ”ہم نے انہیں رزق دیا“ درست نہیں ہیں۔ صحیح معنی یہ ہوں گے: ”ہم نے انہیں دیا۔“ پھر حرف بہ حرف ترجمے میں ”راہ حق“ کس لفظ یا حرف کا ترجمہ ہے؟۔ ”کر دیا انکار جن لوگوں نے

اس کو ماننے سے

واسطے ان کے ہے یکساں

آپ کا تنبیہ کرتا یا نہ کرنا دنوں ہی

وہ کسی صورت بھی اس کو

ماننے والے نہیں۔“

(ص: ۷)

یہ صفحہ ۷ کا اقتباس ہے۔ یہاں سے ص: ۷۶ تک پوری کتاب میں کہیں بھی عربی متن قرآن نہیں لکھا گیا ہے جو بجائے خدا ایک جرم ہے (جس پر انشاء اللہ علیحدہ سے ایک مستقل مضمون لکھا جائے گا) یہ ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لا يُؤْمِنُونَ﴾ کا ترجمہ ہے۔ جب لفظی اور حرف بہ حرف ترجمہ کا دعویٰ ہے تو پھر اس میں ”اس کو ماننے سے“ حشو ہے۔

”انزار“ کا ترجمہ ”تبیہ“ کرتا بھی غلط ہے۔ ”دونوں ہی“ اور ”

ترجمہ ہے۔ قرآن کی آیت میں لفظ مرض دوبار آیا ہے۔ شاعر کے ترجمے میں صرف ایک بار ہے تو پھر یہ لفظی اور حرف بہر ف اور قرآن پاک کے احکامات صاف صاف قاری کے دل میں اتر جائیں گے۔ (منظوم القرآن۔ ج: ۵، ص: ۳، اردو بک جو شاعر کے سلاست و روانی اور لطافت کے دعوے کی تردید ریویو، مارچ۔ اپریل ۷۲۰۰۷ء، ص: ۱۰) کر رہا ہے۔

ہر ذی علم، سلیم الذوق اور صاحب ادراک آدمی محض

ان چند نمونوں کو ہی دیکھ کر یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ اس منظوم القرآن سے کہیں بہتر اور سلاست و لطافت سے بہرہ و روحی ادبی زبان میں لکھے ہوئے قرآن پاک کے متعدد نشری ترجمے موجود ہیں جن کو کچھ ستم ظریف لوگ اپنے جھل مرکب کی وجہ سے روکھا پھیکا بتاتے ہیں، اور خود اپنے بے ہنگام، حسنِ فصاحت سے عاری کوہی "کلام منظوم" بتانے لگتے ہیں اور قرآن پاک کے تراجم و تفاسیر پر گہری نگاہ کا دعویٰ کرنے کے باوجود قرآن کو سمجھانے کیا، سمجھنے میں بھی ناکام رہتے ہیں۔

"لوگوں کی اصلاح کرنے والے ہیں" (ص: ۷) قرآن میں یہاں صرف "مصلحون" ہے، "لوگوں" کا اضافہ شاعر نے خود اپنی طرف سے کیا ہے۔ یہ بھی "حرف بہر ف" والے دعوے کے خلاف ہے۔

"برپا کرتے ہیں فساد" (ص: ۷) یہ قرآن کے لفظ "فسدون" کا غلط ترجمہ ہے۔ اس کا صحیح ترجمہ "فساد برپا کرنے والے" یا "فساد پھیلانے والے" ہوگا۔ شاعر سطر پر اپنا دعویٰ بھول جاتا ہے کہ وہ لفظی اور حرف بہر ف ترجمہ کر رہا ہے۔

"جب کہا جاتا ہے ان سے، تم بھی ایمان لاویے جس طرح ایمان لائے دوسرے" (ص: ۷)

قرآن پاک میں "کما آمن الناس" آیا ہے۔ یہاں شاعر نے "الناس" کا ترجمہ "دوسرے" کیا ہے، جو کسی ڈکشنری میں نہیں ملے گا۔

بہر حال یہ چند نمونے ہیں اس شاہکار فصاحت و بلاغت کے جس کا لکھنے والا یا بقول خود نظم کے قابل میں ڈھانے والا دعویٰ کرتا ہے کہ "یہ قرآن پاک کا حرف بہر ف ترجمہ ہے، اپنی طرف سے کچھ بڑھایا نہیں گیا ہے" اور

"اس کے مطالعے میں ایک لے، ایک سر، ایک نفع کا نے این اشیاء اور این کثیر دونوں کو بغیر "ابن" کے لکھا ہے جو ان احساس ہوگا۔ پڑھنے میں روانی، سلاست اور لطافت زبان کا

کی جہالت ہے یا پھر اکابر کی تذلیل کی کوشش۔ موصوف نے سلف کی تقاضی کے مندرجات کی نقل درقل کو ”جگالی“ سے تعبیر کیا ہے، یہ بھی پروفیسر کی خرد مانگی اور اکابر کی شان میں گستاخی کے مترادف ہے۔ انہوں نے قرآن پاک کو ”غیر موزوں“ شعری ”شاہکار“ کہا ہے، اور جو لوگ قرآن کے منظوم ترجمے کو پسند نہیں کرتے انہیں ”جہل“ بتایا ہے۔ اسی طرح انجمن عرفانی صاحب نے بھی بڑے بڑے ماہرین علوم قرآنیہ کے ترجیحات کو روکھا پھیکا بتا کر اپنے آزاد منظوم ترجمے کو (جو ایک لچک کوشش سے زیادہ نہیں ہے) لطافت، نغمگی اور زبان کے ذاتے سے بھرا ہوا ہونے کا دعویٰ کیا ہے، اور خود قرآن پاک کو ہی ”کلام منظوم“ قرار دیا ہے۔

”جب قریش نے دیکھا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حامیوں اور ایمان لانے والوں کی تعداد روز بہ روز بڑھتی جا رہی ہے تو عتبہ بن ربیعہ نے یہ تجویز رکھی کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے گفتگو کر کے مفاہمت کی کوئی شکل پیدا کی جائے۔ اس نے قریش سے اجازت چاہی کہ وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مل کر کچھ پیش کش اور تجویز بھی ان کے سامنے رکھنا چاہتا ہے۔ ممکن ہے وہ اس کو قبول کر کے اپنی دعوت و تبلیغ سے باز آ جائیں۔ قریش نے اس کو اجازت دے دی اور اپنا نمائندہ بھی قرار دیا۔ عتبہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آیا، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے بیٹھ گیا اور کہا کہ: میرے بھتیجے! تم ہمارے درمیان جس حیثیت کے مالک ہو، اس کا تمہیں علم ہے۔ تم نے ایک بڑے جھٹڑے کی بات اپنی قوم میں کھڑی کر دی ہے، تم نے ان کے شیرازے کو منتشر کیا، ان کو بے وقوف و جاہل ٹھہرایا، ان کے معبدوں اور ان کے مذہب کو عیوب لگایا، ان کے اسلاف اور آباء و اجداد کے طریقے کا انکار کیا، اب میں کچھ باتیں تمہارے سامنے رکھتا

ہمارا خیال ہی نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پروفیسر اسد اور انجمن عرفانی جیسے بھی لوگ جہل مرکب کے مزن مرض میں مبتلا ہیں۔ ورنہ یہ لوگ تشری ترجمے اور تفسیر لکھنے والوں کا ہرگز مذاق نہ اڑاتے، اور اگر اسد انجمن جیسے لوگوں نے اسلاف کی تفاصیل کی روشنی میں قرآن پاک کو قرآن فہمی کے آداب و لوازم کے ساتھ پڑھا اور سمجھا ہوتا تو یہ لوگ ہرگز ہرگز قرآن پاک کو شاعری، نظم نگاری اور نغمہ بازی کا تختہ مشق نہ بناتے اور خود قرآن عظیم کو ”کلام منظوم“ یا ”شاعری کا شاہکار“ کہنے کی جسارت نہ فرماتے۔ قرآن عظیم ”کتاب ہدایت“ ہے۔ ”کتاب شعر و نغمہ“ نہیں ہے۔ کفار مکہ جو اسد اور انجمن صاحبان سے بہت زیادہ بڑے ادیب، ماہر زبان، شاعر اور شعر شناس تھے، اور جن کی مادری زبان عربی تھی، وہ ان لوگوں کی طرح قرآن پاک میں نغمہ اور شعر نہیں ڈھونڈا کرتے تھے بلکہ وہ قرآن پاک کی مراد کو سمجھتے تھے، اور اس کی معنوی گرفت ان کے دلوں کی تہہ تک اثر انداز ہو کر ان کو ایمان لانے پر آمادہ

ہوں۔ ممکن ہے ان میں کوئی بات تمہارے لیے قابل قبول ہو۔ چہرے کے ساتھ گے تھے، یہ چہرہ اس سے بدلا ہوا ہے۔ جب وہ بیخیا تو لوگوں نے فوراً پوچھا: ابوالولید! کیا خبر لائے؟ کہنے لگا: خیر یہ ہے کہ میں نے ایک ایسا کلام سنایا ہے جو اس سے پہلے میں نے بھی نہیں سناتھا۔ خدا کی قسم، اے قریشیو! نہ وہ شعر ہے، نہ وہ سحر ہے، نہ کہانت اور نہ علم نجوم ہے۔ میری بات مانو تو اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اس پر انہوں نے اس کو برائحتا کہنا شروع کیا۔ انہوں نے کہا: وَاللَّهِ إِنَّكُمْ كَانُوكُمْ مُجَادِلُوْنَ مُجَاهِدُوْنَ (وَاللَّهِ إِنَّكُمْ كَانُوكُمْ مُجَادِلُوْنَ مُجَاهِدُوْنَ)۔ اس کی زبان کا جادو تم پر چل گیا۔ اس نے کہا: میری رائے یہی ہے، اب جو تمہارا جی چاہے۔“ (نبی رحمت۔ ص: ۱۷۰-۱۷۱، بحوالہ: سیرت ابن ہشام، ج: ۱، ص: ۲۹۳-۲۹۴)

یہاں پر یہوضاحت بھی ضروری ہے کہ ماہرین بلاوغت اور مفسرین قرآن کریم نے اعجاز قرآنی کے سلسلے میں ”نظم قرآن“ کی جو اصطلاح استعمال کی ہے، اس کے ہرگز ہرگز وہ معنی نہیں ہیں جو قرآن پاک کے کسی منظوم ترجیح پر فٹ ہو جائیں۔ ماہرین ”علوم القرآن“ اس سے قرآن پاک کی آیتوں اور سورتوں کا معنوی ربط و ترتیب اور اس کے مفہیم کا ارتباط مراد لیتے ہیں۔ قرآن پاک کو شاعری یا نغمہ بازی کا تنخیۃ مشق بنانے والے اپنی غلط فہمی کو دور فرمائیں۔ قرآن پاک مشق سخن کے لیے نازل نہیں ہوا ہے، بلکہ اس کے معانی و مطالب کو سمجھ کر ان پر دل سے یقین کرنے اور احکام الہی کی تعلیم دینے کے لیے نازل ہوا ہے تا کہ انسان گمراہی کے اندر ہیروں سے نکل کر ہدایت کی روشنی میں اپنا سفر حیات کمل کرے، اور جب اپنے خالق و مالک کے پاس واپس جائے تو ہم اولئک ہم المفلحون کے تمحفے سے سرفراز ہو۔ اور یہ مقصود و مدعای شاعری سے نہیں بلکہ انہیں سیدھے سادے روشن اور واضح

اس نے کہا کہ میرے بھتیجے! جو طریقہ دین تم لائے ہو، اگر اس سے تمہارا مطلوب و مقصود مال و دولت ہے تو ہم تمہارے لیے اتنا مال اکٹھا کر دیں گے کہ تم ہم میں سب سے زیادہ مال دار ہو جاؤ گے، اگر عزت اور نام و ری چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار تسلیم کر لیں گے اور کوئی فیصلہ تمہاری مرضی کے بغیر نہیں کریں گے۔ اگر بادشاہت چاہتے ہو تو ہم تم کو اپنا بادشاہ بنالیں گے، اگر آسیب اور جن وغیرہ کے اثر سے یہ بات ہے جس کا دفعیہ تمہارے پاس نہیں ہے تو اس کے لیے ہم معینین فراہم کر سکتے ہیں، اور اس پر پوری فیاضی سے اپنا مال خرچ کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ تم کو اس سے شفائے کامل حاصل ہو جائے۔

جب عتبہ یہ سب کہہ چکا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: جو کچھ کہنا تھا، کیا تم کہہ چکے؟ اس نے کہا: ہاں! اب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سورۃ فصلت کی کچھ آیتیں، آیت سجدہ تک اس کے سامنے تلاوت فرمائیں۔ عتبہ کے کان میں جب یہ کلام پڑا تو خاموشی کے ساتھ اس کو سنتا شروع کیا۔ اس نے دونوں ہاتھ اپنی پشت کی طرف نیک لیے تھے۔ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آیت سجدہ تک پہنچ گئے آپ نے سجدہ کیا، پھر ارشاد فرمایا: ابوالولید! تمہیں جو کچھ سننا تھا، سن لیا۔ اب جیسا تم سمجھو۔

عبد جب لوث کراپنے ساتھیوں میں گیا تو لوگ اس کی صورت دیکھ کر کہنے لگے: ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ابوالولید جس

ترجم و تفاسیر سے حاصل ہو سکتا ہے جو جدید علمائے کرام کے قلم اپنے ہوش و خرد کا امتحان لینے کی کوشش فرمائیں۔

سورہ سیمین جس کو وظیفے کے طور پر اور جانکنی کے موقعوں پر بکثرت پڑھا جاتا ہے، اور توعید بنا کر گلے میں بھی پہنچانا یا جاتا ہے، اس سورہ مبارک کی آیت ۶۹ کو بھی ایک بار خدا کو حاضر و ناظر جان کر اور قرآن پاک کے کلام الہی کا یقین رکھتے ہوئے پڑھیے: ﴿ وَ مَا عَلِمْنَاهُ الشِّعْرُ وَ مَا يَنْبَغِي لَهُ ﴾ اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے کفار کے بہتان کی تردید کرتے

ہوئے فرمایا ہے کہ ”نہ ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شعر (شاعری) کا علم دیا ہے اور نہ وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے شایان شان ہے۔“

آخر میں ہر اس شخص کے لیے جو قرآن پاک کو کلام
منظوم یا شاعری سمجھتا ہے، اور اپنی کتاب کا نام ”منظوم القرآن
“ یا ”قرآن منظوم“ رکھتا ہے، میری مخلصانہ فصیحت ہے کہ وہ
اپنے اس غلط عقیدے سے رجوع کرے اور بارگاہ الٰہی میں
معافی کا خواستگار ہو، اس لیے کہ جس طرح قرآن پاک کا
صرف ترجمہ بغیر عربی متن کے کسی بھی زبان میں چھاپنا درست
نہیں ہے، اسی طرح قرآن کو نظم کرنا اور ذہنی ورزش کے لیے
سامان مشق بنانا بھی قرآن پاک کے ساتھ کھلواڑ کے متراوٹ
ہے، اور یہ دونوں باتیں قرآن مجید میں تحریف معنوی کے لیے
ایک چوراستہ کھول دینے کے برابر ہے۔ غالباً ایسے ہی لوگوں
کے لیے کہا گیا ہے:

خواجہ پنڈارڈ، عمارت می کند
آں عمارت نیست، عارت می کند
اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت دے اور ہمارے ایمان کی
حافظت فرمائے۔ (آمین)!

ترجمہ و تفاسیر سے حاصل ہو سکتا ہے جو جید علمائے کرام کے قلم
سے صفات قرطاس کی زینت بنے ہیں۔ ان علماء نے صرف
ترجمہ ہی نہیں پڑھا تھا بلکہ عربی زبان پر پوری دسترس اور علوم
قرآن میں مہارت حاصل کرنے کے بعد یہ مقدس خدمت
انجام دی ہے جس کو پروفیسر اسد اور ابیحیم عرفانی جیسے لوگ روکھا
پھیکا اور ناقص بتا کر اپنی سبک مغربی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔
فاعتبروا یا أولی الأبصر!

کچھ کفار مکہ بھی حضور سرورِ عالم (علیہ السلام) پر شاعر یا ساحر ہونے کا الزام لگایا کرتے تھے اور نعوز باللہ قرآن مقدس کو شعر یا سحر کہا کرتے تھے تاکہ جہلا و غہما کو نبی کریم (علیہ السلام) کی نبوت کا قائل ہونے سے روک دیں۔ سیرت و تاریخ کی کتابوں کے علاوہ خود قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہوں پر اس کا ذکر کیا ہے، اور اس بات کی تردید کی ہے کہ قرآن پاک شعر یا سحر ہے، اور رسول پاک (علیہ السلام) شاعر یا ساحر ہیں۔ قرآن پاک ہاتھ میں لیجئے اور دیکھئے سورۃ الانبیاء، آیت: ۵، سورۃ الصافات، آیت: ۳۶، سورۃ الطور، آیت: ۳۰، ان سب آیتوں میں اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ کفار کی ایک جماعت نبی کریم (علیہ السلام) پر شاعر یا ساحر ہونے کا الزام بھی رکھتی تھی تاکہ سیقم الادراک لوگوں کو نبی کریم (علیہ السلام) کی طرف مائل ہونے سے روکا جائے۔ سورۃ الحاقة کی آیت نمبر: ۲۱

﴿ وَ مَا هُوَ بِقُولٍ شَاعِرٍ، قَلِيلًا مَا تَوْمَنُونَ ﴾ کو پڑھیے اور غور فرمائیے کہ کس واضح اور دوٹوک انداز میں قرآن پاک کے قول شاعر (شعر و شاعری، نظم نگاری اور نغمہ بازی) ہونے کی تردید فرمائی گئی ہے۔ اب اس قول الہی کے سامنے کسی پروفیسر یا کسی نظم نگار کے قول کی کیا حیثیت ہوگی؟ قارئین گرامی خود ہی



نعت شریف

حسین سائر، نئی دہلی

کرب و غم سرکار میں دل شاد نہیں ہے
رنجیدہ و غمیں ہے، مغموم و حزیں ہے
دل ہے کہ جھکا جاتا ہے خود سوئے مدینہ
بے بس ہوں، مرا اس پر کوئی زور نہیں ہے
دن رات برستا ہے بیہاں نورِ سکینت
یہ جہتِ ارضی ہے، یہ طبیبہ کی زمیں ہے
بھکلی ہوئی دنیا کے لیے ذاتِ گرامی
شاہد ہے، مبشر ہے، گہہ نورِ میں ہے
مزل و مذر و فرقان کی آیات
قرآن میں کہاں ذکرِ جمیل ان کا نہیں ہے
محبوب تو محبوب ہیں، نظروں میں ہماری
محبوب کے گلیارے کی ہر چیزِ حسین ہے
ہادی ہے اگر کوئی تو وہ ہادیِ اعظم
ہے دین اگر کوئی تو بس دین میں ہے
آرام گہ شاہِ رسول، شہرِ مدینہ
ہے گلشنِ جنت کہ یہ فردوسِ بریں ہے
شہداء علی الناس جو تھی، آج وہ امت
آزاد ہے ہر قید سے یا گوشہ نشیں ہے
ہوں شاہ و گدا، خور و کلاں کوئی ہو سائز
ہے کون جو سرکار کا ممنون نہیں ہے

حمد

حسین سائر، نئی دہلی

ہر خاص و عام پر ہے فیضِ دوام تیرا
”رحمت صفتِ تری ہے، رحمن نام تیرا“
سورجِ اگایا دن میں، راتوں کو تیرگی دی
خالی نہیں ہے کوئی حکمت سے کام تیرا
تحقیقِ دو جہاں سے ظاہر ہے تیری قدرت
یہ حسن، یہ توازن، یہ انتظام تیرا
عچخوں کا مسکرنا، چڑیوں کا چچہانا
اپنی زبان میں سب لیتے ہیں نام تیرا
زمینتِ زمیں کو دی، تارے فلک میں نائے کے
خوشِ شکل و خوشِ نظر ہے ہر انصرام تیرا
تیرے وجود کی ہے تخلیقِ تیری شاہد
یہ آفتاب تیرا، ماہِ تمام تیرا
عرشِ بریں کے اوپر تو ہی ہے جلوہ فرما
نزو رگِ گلو بھی یاربِ قیام تیرا
ارضِ وسما کے خالق، ارضِ وسما کے مالک
ہرگز عبث نہیں ہے یہ اہتمام تیرا
ہر دکھ کی یہ دوا ہے، ہر غم کا ہے مدوا
ہر مسئلے کا حل بھی یاربِ کلام تیرا
تسبیح و حمد کی وہ توفیق چاہتا ہے
دامن پسارے اپنا سائزِ غلام تیرا

الخط شریف

حسین سارہ، نئی دہلی

دل میں ہو کوئی تمنا تو تمنائے رسول
اور سودا سر میں ہو تو صرف سودائے رسول
اذن سے اللہ کے دنیا میں جب آئے رسول
نئے رشد و ہدایت ساتھ میں لائے رسول
خوبی حسن بیانِ امِ معبد دیکھیے
پھر سا جاتا ہے نگاہوں میں سراپائے رسول
پاغی و سر کش تھے، منکر تھے رسالت کے مگر
معترض اخلاقِ حسن کے تھے اعداءِ رسول
یہ بھلتی آج کی دنیا ذرا کھولے تو آکھ
آج بھی ہے ضوفشاں نقشِ کف پائے رسول
ظاہر ہے سہل لیکن ہے بہت مشکل یہ بات
کانپتا ہے دل یہ کہتے، میں ہوں شیدائے رسول
آخر تحمل قبلہ سے یہ ثابت ہو گیا
تحقی وہی مرضی خدا کی، جو تھانشائے رسول
حضرت بوکر، فاروق اور عثمان و علی
خوش ادا، خوش رنگ و خوش بودا رکل ہائے رسول
تھے رسول پاک ہر پہلو سے حق کا آئندہ
اور صحابہ سب کے سب تھا آئندہ ہائے رسول
سنگ باری جو کرے، حق کی نظر میں شرپسند
چوٹ کھا کھا کر جو سارے پھول بر سائے رسول

الخط شریف

حسین سارہ، نئی دہلی

فهم و ادراک کا آسمان کون ہے
علم کا عالم بے کراں کون ہے
واسطہ کون ہے، درمیاں کون ہے
عالم قدس کا رازدار کون ہے
سرورو! بادشاہو! بتاؤ ذرا
سرورِ سرورانِ جہاں کون ہے
غیرِ انسانیت، میہماں عرش کا
جزِ نبی مکرم، میاں کون ہے
کون ہے غمِ زدوں کا مدادائے غم
وجہِ تسلیمِ جانِ جہاں کون ہے
پھول ہیں خوش نما سب کے سب انبیاء
خودِ جسم مگر گلتان کون ہے
راحتِ قلب ہے کون؟ کچھ ہے پتا
اور سامانِ تسلیمِ جان کون ہے
شاق کس پر ہیں امت کی دشواریاں
اور حریصِ غمِ دو جہاں کون ہے
ذاتِ عالی ہے کس کی رووف و رجم
مومنوں پر بھلا مہرباں کون ہے
کتنے ناداں ہو سارہ، یہ پوچھو ہو کیا
آرزوئے دلی عاصیاں کون ہے

بھٹکل میں ذرائع ابلاغ کی اہمیت کے موضوع پر منعقد سیمنار کے نتیجے مضمایں

سکریئن رپورٹ برائے سیمنار

”اسلامی ادب میں ذرائع ابلاغ کی اہمیت اور اس کے اسلامی اصول و اقدار“

منعقدہ تاریخ ۲۹-۳۰ رب جماوی الثاني ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۰-۲۱ جون ۲۰۱۷ء بروز جمعرات و جمعہ بمقام بھٹکل

• محمد اخراج رشید حسنی ندوی •

مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے رکھی تھی۔ وہی اس کے اوپرین صدر تھے، بلکہ درحقیقت وہ اسلامی ادب کی فکر کے مؤسس تھے۔ انہی کی دعوت پر امام (۱۹۸۱ء) میں ندوۃ العلماء میں ادب کا پہلا سیمنار منعقد ہوا، جس میں عالم عربی کے مختلف گوشوں سے تعلق رکھنے والے چیزیں اور منتخب ادباء و شعراء شریک ہوئے۔ اسی کے نتیجے میں ادب اسلامی کی عالمی انجمن کی تشكیل ہوئی، پھر اس فکر نے ترقی کی اور عرب ادباء نے بھی اس کا استقبال کیا۔ اس کا تذکرہ حضرت مولانا نے اپنی خود نوشت سوانح ”کاروان زندگی“ میں اس طرح کیا ہے:

”مجھے اپنی تدریسی و تعلیمی مشغولیت کے زمانہ میں بھی اور اپنے تحریری و تصنیفی دائرہ کے اندر بھی، ہمیشہ اس حقیقت کا ادراک رہا کہ ادب اپنے اندر عظیم تعمیری و تحریکی طاقت رکھتا ہے، اس سے ایک طرف عقائد صحیحہ کی استواری، اور صحت مند اور صالح روحانیات کی آبیاری کا کام لیا جاسکتا ہے، تو دوسری طرف اخلاقی انسانی قدریوں پر تبیہ زدنی اور ڈھنی و معاشرتی انتشار کا بھی، اور ہر دور میں اس کی روشن اور ناقابل انکار شہادتیں ملتی ہیں، لیکن اس دور میں ادب

حضرات! ہم سب سے پہلے آپ کا استقبال کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں ہدیہ تشکر پیش کرتے ہیں کہ آپ نے ہماری دعوت قبول فرمائی اور زحمت سفر برداشت کر کے اس نذر اکرہ علمی میں تشریف لائے جو عالمی رابطہ ادب اسلامی شعبۂ بر صیریکی کرنا نکل شاخ کے تعاون سے ”مولانا ابو الحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی“ (بھٹکل، کرنا نکل) میں منعقد ہوا ہے، ہمارا گزشتہ سیمنار جو ”مرکز الامام ابی الحسن الندوی للبحوث والدعوة والفقیر الاسلامی“ (دارعرفات، تکیہ کلال، رائے بریلی) میں ہوا تھا، اس کا موضوع ”قصص قرآنی کا ادبی و تربیتی پہلو“ تھا۔

اس سیمنار کا موضوع ”اسلامی ادب میں ذرائع ابلاغ کی اہمیت اور اس کے اسلامی اصول و اقدار“ ہے۔ اس موضوع پر اس سے پہلے کئی علاقائی سیمنار منعقد ہو چکے ہیں، مثلاً بھٹکل، بھوپال، دہلی، لکھنؤ اور رائے بریلی، یہ ہمارا عالمی اور سالانہ سیمنار ہے۔

حضرات! ادب اسلامی کے مقاصد اور اس کی تاریخ اس کے سیمناروں میں شریک ہونے والوں کے علم میں ہے، لیکن اس مجلس میں ایسی علمی اور ادبی شخصیتیں شریک ہیں جو پہلی مرتبہ شریک ہو رہی ہیں، اس لئے اس کا مختصر تعارف کرانا مناسب ہے۔

علمی رابطہ ادب اسلامی کی خشت اول مفکر اسلام حضرت

رکھنے کی سزادی گئی، اور صدیوں ان پر پردہ پڑا رہا۔ دوسری ضرورت اس کی تھی کہ ادب عربی کے ایسے اساتذہ، اہل قلم اور دانشوروں کو جمع کیا جائے جو عربی ادب و انشاء اور تنقید و تاریخ ادب کو صحیح رونگ پر لگانے کی کوشش کریں، اور جدید نسل کو صالح غذا پہنچانے کے لیے ایک نیا ذخیرہ کتب (مکتبہ) اور ایک نیا مرستہ فکر (مکتب خیال) پیدا کر سکیں۔

اس مقصد سے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ۱۹۸۱ء اپریل ۱۹۸۱ء میں ایک بین الاقوامی سیمینار کیا گیا جس کا موضوع ”عربی ادب میں خصوصاً اور دوسری زبانوں کی ادبیات میں عموماً اسلامی عناصر کی تلاش“ تھا، توقع اور قیاس سے بڑھ کر ممالک عربیہ میں اس دعوت و تحریک کا استقبال ہوا اور اس کو Response ملا، اس میں حصہ لینے کے لیے متعدد عرب ممالک کے ممتاز فضلاء و ادباء لکھنؤ آئے، جن میں دور حاضر کے متعدد بلند پایہ مصنفوں، فیکٹی آف آرٹس کے ڈین اور شعراء و ادباء شامل تھے۔

اس سیمینار میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے جو اختتامی تقریر کی، اس میں اس سیمینار کے بنیادی مقصد اور ضرورت پر روشنی ڈالی:

”ادب ادب ہے خواہ وہ کسی نہ ہی انسان کی زبان سے نکلے، کسی پیغمبر کی زبان سے ادا ہو، کسی آسمانی صحیفہ میں ہو، اس کی شرط یہ ہے کہ بات اس انداز سے کہی جائے کہ دل پر اثر ہو، کہنے والا مطمئن ہو

کی (اپنے وسیع معنی میں) جدید طاقتور وسائل کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے جہانگیری اور فرمازوائی بہت بڑھ گئی ہے، عرصہ سے یہ دیکھا جا رہا ہے کہ جس طرح کبھی فلسفہ کے راستے سے الحاد اور تشکیک کا سیلا ب مسلمانوں کے علمی و فکری طبقہ میں آتا تھا، اس کے بعد سائنس (خاص طور پر علوم طبیعیہ) کے راستے سے تعلیم یافتہ طبقہ میں آنے لگا، اور کہیں کہیں نفسیات (ساہکاروچی) اجتماعیات (سوشیالوجی) اور اقتصادیات و سیاست کے راستے سے آتا تھا، اب بہت سی جامعات اور دانشگاہوں میں ادب کے ذریعے سے آ رہا ہے۔

خاص طور پر یہ بات فکر و دعوت اسلامی کے حاملین کے لیے تشویش کا باعث تھی کہ بلا دعویٰ یہ بالخصوص مصر میں تقریباً نصف صدی سے ادب و تنقید اور نوجوانوں کو ہفتی و ادبی غذائیہ پہنچانے کے میدان پر اُن ادباء اور اہل قلم کی اجارہ داری قائم ہو گئی تھی، جن کے عقائد میں خود تزلزل، ذہن میں انتشار، اور تحریروں میں تشکیکی روحان پایا جاتا تھا، اس لیے ایک طرف اس کی ضرورت تھی کہ عربی ادب کے خزانہ عامرہ سے وہ طاقتور اور دل آویزاً دب و تحریری نمونے نکالے جائیں اور ان کو نمایاں کیا جائے، جن کو سہولت پسندی اور قدیم مؤرخین ادب کی پیروی میں نظر انداز کر دیا گیا، یا اس قصور میں کہ وہ کسی عالم وداعی اور دینی شخصیت کے قلم سے نکلے ہیں، ان کو ”ایوان ادب“ سے دور کر دینے یا الگ

غرض مختلف مراحل سے گذرتے ہوئے جنوری ۱۹۸۲ء میں رابطہ ادب اسلامی کا عام جلسہ ندوۃ العلماء میں منعقد ہوا جس میں رابطہ کے دستور کو منظوری دی گئی اور اس طرح رابطہ ادب اسلامی کا قیام عمل میں آیا۔ اس کی مجلس امناء کا پہلا جلسہ اتنبول ترکی میں جون ۱۹۸۲ء میں منعقد ہوا، پھر مجلس امناء کے جلسے مدینہ منورہ، قاہرہ، عمان اردن، فارس مرکش اور اتنبول دیگرہ میں منعقد ہوتے رہے۔

ہندوستان میں رابطہ ادب اسلامی کی شانخیں اور فروع دہلی، حیدر آباد، بھوپال، اورنگ آباد، ممبئی، پونہ، بنگلور، کلکتہ، پٹنہ اور راچی، جموں گجرات وغیرہ میں ہیں اور صدر دفتر لکھنؤ میں ہے، اور ادب اسلامی کے تعلق سے اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ عالمی رابطہ ادب اسلامی نے ادب کے مختلف موضوعات و اصناف خصوصاً نقد ادب، تاریخ ادب، قصہ، ڈراما اور ادب اطفال پر عظیم اور بیش قیمت لٹریچر تیار کر دیا ہے۔

اب تک مختلف موضوعات پر ۲۸ سیمینار منعقد ہو چکے ہیں، ان کے علاوہ ہندوستان کی مختلف شاخوں کے تحت بھی متعدد علاقائی سیمینار اور ماہانہ شنسیں ہوئیں اور ہوتی رہتی ہیں، جن کی تفصیل مسلک ہے:

۱- ادبیات اسلامی (لکھنؤ ۱۹۸۲ء)

۲- اسلامی ادب اور مغربی ادبی تحریکات (جیپور ۱۹۸۲ء)

۳- حضرت سید احمد شہیدؒ تحریک کے اثرات اردو وزبان و ادب پر (لکھنؤ ۱۹۸۲ء)

۴- نعتیہ شاعری: تاریخی علمی جائزہ و خصوصیات

(اورنگ آباد ۱۹۸۸ء)

۵- تحریک آزادی و اصلاح عوام میں ادب اسلامی کا حصہ

کہ میں نے بات اچھی طرح کہہ دی، سننے والا اس سے لطف اٹھائے، اور اس کو قبول کرے۔ میں نے کل عربی سیمینار میں کہا تھا کہ حسن پسندی تو یہ ہے کہ حسن جس شکل میں ہو اسے پسند کیا جائے۔ بلیں کوآپ پابند نہیں کر سکتے کہ اس پھول پر بیٹھے، اُس پھول پر نہ بیٹھے، لیکن یہ کہاں کا حسن مذاق ہے، اور یہ کہاں کی حق پسندی ہے کہ اگر گلاب کا پھول کسی میخانے کے چحن میں اس کے زیر سایہ کھلے تو وہ گلاب ہے، اور اس سے لطف اٹھایا جائے، اور اگر کسی مسجد کے چحن میں کھل جائے تو پھر اس میں کوئی حسن نہیں، کیا یہ جرم ہے کہ اس نے اپنے نمو اور اپنی جلوہ نمائی کے لیے مسجد کا سہارا لیا؟ اقبال کا شعر قوان کے سامنے نہیں پڑھ سکا تھا، مگر آپ کے سامنے پڑھ سکتا ہوں۔

حسن بے پروا کو اپنی بے نقابی کے لیے ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن؟ ہمیں حسن بے پروا سے مطلب ہے کہ شہر و حمرا سے؟ تو ادب کے ساتھ معاملہ ہی کیا گیا۔“

اسی مجلس مذکورہ کا اثر تھا کہ اس کے بعض اہم ارکان و شرکاء نے (جن میں اکثر جامعۃ الإمام محمد بن سفید، ریاض، سعودی عرب کے مؤسساتہ تھے) رابطہ الأدب الإسلامی کے نام سے ریاض میں ایک عالمی تنظیم قائم کی، اور مئی ۱۹۸۲ء کی کسی تاریخ کوان کا ایک وفد حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے مکہ معظمہ میں ملا اور ان سے اس کی صدارت قبول کرنے کی خواہش کی۔

- ۲۳۔ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسني ندوی کی تحریریوں کا ادبی جائزہ (خطوط و خطبات کے حوالے سے) (ممبئی ۲۰۰۷ء)
- ۲۴۔ اردو ادب و شاعری پر عربی زبان کے اثرات (رائے بریلی ۲۰۰۷ء)
- ۲۵۔ قرآن کریم کا اعجاز بیانی (کنور "کیرالہ" ۲۰۰۸ء)
- ۲۶۔ مختلف زبانوں میں کتب سیرت کا ادبی جائزہ (اورنگ آباد ۲۰۰۹ء)
- ۲۷۔ علامہ محمد طاہر پٹنی و دیگر علماء گجرات اور ان کی ادبی و علمی خدمات (جبوسر "گجرات" ۲۰۱۰ء)
- ۲۸۔ ہمارا یہ سینار عالمی رابطہ ادب اسلامی شعبۂ بر صغیر کا دور و زہ سالانہ (۲۹ واں) مذکراہ علمی ہے جس کا موضوع "اسلامی ادب میں ذرائع ابلاغ کی اہمیت اور اس کے اسلامی اصول و اقدار" ہے۔ چونکہ ادب و لشیق کی طرح ذرائع ابلاغ اور صحافت ذہن سازی، اخلاق و کردار کی تشكیل و تعمیر، انسانی و اخلاقی قدروں کی ترویج و اشاعت اور رائے عامہ ہموار کرنے کا موثر ذریعہ ہے، اور موجودہ دور میں اس نے بڑی اہمیت حاصل کر لی ہے، اس لئے عالمی رابطہ ادب اسلامی نے اپنی گزشتہ سالانہ نشست میں جو قہرہ میں منعقد ہوئی اس موضوع کو اختیار کیا۔
- حضرات! ابلاغ کا مفہوم خود اس کے لفظ سے ظاہر ہے کہ اس کا کام "پھو نچانا" ہے، عربی میں اس کے لئے لفظ "اعلام" استعمال ہوتا ہے، اگر بیزی میں بھی اس کے لئے جو لفظ استعمال ہوتا ہے، اس کے معنی "اطلاع دینا" یا "پھو نچانا" ہے۔ اس کا مقصدر وزمرہ پیش آنے والے حالات و واقعات کی خبر دینا ہے، ذرائع ابلاغ کا اطلاق کتاب و صحافت نیز ترقی یافتہ جدید ذرائع مسائل ریڈیو، ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ وغیرہ پر ہوتا ہے۔
- (حیدر آباد ۱۹۸۹ء)
- ۶۔ حمد و مناجات و دعاء (رائے بریلی ۱۹۹۰ء)
- ۷۔ دعویٰ و اصلاحی ادب (بھوپال ۱۹۹۱ء)
- ۸۔ خطوط اور تاثراتی خاکوں کا ادب (لکھنؤ ۱۹۹۲ء)
- ۹۔ مشرقی اقوام کے زبان و ادب میں اسلامی روحانیات (بنگلور دیش ۱۹۹۲ء)
- ۱۰۔ حدیث شریف کی ادبی و فنی خصوصیات (بنارس ۱۹۹۲ء)
- ۱۱۔ ادب میں سفر ناموں کی اہمیت (اورنگ آباد ۱۹۹۵ء)
- ۱۲۔ سوانحی ادب و تذکرہ نویسی (اعظم گڑھ ۱۹۹۵ء)
- ۱۳۔ مفہومات و مواضع ادب کے آئینہ میں (حیدر آباد ۱۹۹۶ء)
- ۱۴۔ اسلامی نشاۃ ثانیہ میں ادب کا حصہ (پٹنہ ۱۹۹۷ء)
- ۱۵۔ تاریخ نویسی کا جائزہ ادب کے تناظر میں (پونہ ۱۹۹۸ء)
- ۱۶۔ اسلامی ادب میں تقصہ نگاری (بنگلور ۱۹۹۹ء)
- ۱۷۔ بچوں کا ادب (بھنگل ۲۰۰۰ء)
- ۱۸۔ اسلامی ادب کی نمائندہ شخصیات (لکھنؤ ۲۰۰۲ء)
- ۱۹۔ انسانی کردار سازی میں اخلاقی و اسلامی ادب کی خدمات (بھوپال ۲۰۰۳ء)
- ۲۰۔ اردو شاعری میں ملی احساسات کی ترجیhani (رائے بریلی ۲۰۰۳ء)
- ۲۱۔ تراجم قرآن کا جائزہ: زبان و ادب اور فلکر کی ترجیhani (اجڑاہ، میرٹھ ۲۰۰۳ء)
- ۲۲۔ اردو زبان و ادب کی تشكیل میں ہندوستان کے مختلف علاقوں کا حصہ (کلکتہ ۲۰۰۵ء)
- ۲۳۔ اردو زبان و ادب کے ارتقاء میں علماء کی خدمات (غازی پور ۲۰۰۵ء)

کے علم و فضل کا شہر ہے اور بحث و تحقیق کے میدان میں ان کی علمی عظمت، تحقیقی مزاج کا زمانہ معرفت ہے لیکن اس کے باوجود ان مصنفین اور مورخین نے اسلام کے تعلق سے اپنی کتابوں میں ایسی معلومات پیش کی ہیں جن کو عقل و ذہن قبول نہیں کرتا۔ حدتو یہ ہے کہ بعض مستشرقین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گھٹایا، گندے اور بازاری الفاظ استعمال کئے ہیں حالانکہ دشمن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مامن و صاحب قیامت کے القاب سے ملقب کرتے تھے اور اپنے جنگروں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بناتے تھے، لیکن مستشرقین نے آپ کی شان میں ایسے گستاخانہ الفاظ استعمال کئے ہیں جنہیں رہنzuں، بدمعاشوں اور دھوکہ بازوں کے لئے بھی استعمال کیا جاتا پسندیدہ نہیں سمجھا جاتا، یہ سب اسلام اور مسلمانوں سے بغرض وحد و نفرت کی وجہ سے حقائق کو تبدیل کرنے کی ایک کوشش ہے، ان مستشرقین نے اس سلسلہ میں اپنے ان ناجمۃ تجھیں کے میدان میں نئی نئی جھجھیں جلاش کر لی ہیں، جہالت یا تجہیل عارفانہ سے کام لے رہا ہے، اس کا رویہ دوسری قوموں کے علوم و فنون خصوصاً مسلمانوں کے علوم و فنون اور ان کی تہذیب و ثقافت کے تین تحریف و تزویر اور حقاق کو مخفی اور توڑ مڑوڑ کر پیش کرنے کا ہے، یورپ نے ایسے رسیرچ سینٹرز، تحقیقی ادارے قائم کئے ہیں جو ایسی کتابیں شائع کرتے ہیں جو دوسری قوموں کے بارے میں تغافل و تجہیل، جعل سازی، دجل و فریب بلکہ جھوٹ اور گمراہ کن بیانات و معلومات سے پر ہیں۔

یورپیں مورخین نے جو بحث و تحقیق کے میدان میں مشہور ہیں، سیرت نبوی، اسلامی تاریخ اور اسلامی تہذیب و تمدن کے موضوع پر ایسی کتابیں تصنیف کی ہیں جو غلط بیانات اور زہر لیلے مواد پر مشتمل ہیں ان مصنفین کے بارے میں علمی کم مانگی اور ناقصیت کا عذر پیش نہیں کیا جاسکتا کیونکہ چہار دنگ عالم میں ان

مندرجہ بالا اصطلاحات اور ان کی تعریف و مفہوم پر اہل زبان و ادب اور اہل علم کا اتفاق ہے اور تمام انسانی معاشرہ اس پر عمل پیرا ہے۔ یورپ نے عہد جدید میں (جس کو دین و اخلاق کے خلاف بغاوت و انقلاب کا عہد کہا جاتا ہے) ایسا طریقہ اور اسلوب اختیار کیا ہے جو الفاظ کی تحقیقت اور ان کے معین مفہوم کے خلاف ہے، مذکورہ بالا الفاظ کا استعمال ایسے موقوعوں پر ہونے لگا جس کے لئے وہ وضع نہیں کئے گئے تھے، اس بے محل استعمال کا آغاز سب سے پہلے اس وقت ہوا جب علم کو اس کے اصلی مفہوم کے بجائے دوسرے معنی میں استعمال کیا گیا، یورپ جس نے بحث و تحقیق کے میدان میں غیر معمولی ترقی، تحقیقت پسندی اور خالص علمی و معرفتی اور غیر جانبدارانہ اسلوب کے دعے کے باوجود جب کہ اس نے سائنس اور تکنالوژی کے میدان میں نئی نئی جھجھیں جلاش کر لی ہیں، جہالت یا ذہن اسلاف کی پیروی کی ہے جنہوں نے مسلمانوں ہی سے کسب فیض کیا اور مسلمانوں ہی سے علوم و فنون حاصل کئے، لیکن ان لوگوں نے جائے اس کے مسلمانوں کے احسان شناس ہوتے ان کے ساتھ معاندانہ اور جانبدارانہ رویہ اختیار کیا اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بغرض وعداوت کا ماحول تیار کیا۔

من کا پیامبر بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ مقاصد کو اگر وسائل سے الگ کر دیا جائے، اور مقاصد کے تصور کو بدل دیا جائے تو یہ اسکالازی نتیجہ ہو گا۔

موجودہ ذرائع ابلاغ کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت نہایت واضح طور پر نظر آجائے گی، سمارا جی عہد سے اب تک کی تاریخ میں جا بجا اس معنوی تحریف اور اٹی گنگ کی مثالیں موجود ہیں۔ بے شمار قویں اس معنوی تحریف اور قلب حقائق کی وجہ سے ظلم و جور، سفا کی خوزیری اور قہر و بربریت کا نشانہ بنیں، بارہا اس معنوی تحریف نے انسانیت کو مالی و اخلاقی حیثیت سے مفلس و فلاش بنایا ہے ایسی تاریخی کتابیں تیار کی گئیں جو ان قوموں کی حقیقی تاریخ سے جدا گانہ ہیں، جس کی وجہ سے یہ قویں غلط یادی اور سراسر جھوٹ اور دروغ گوئی کی وجہ سے صدمات اور بحرانوں سے دوچار ہوئی ہیں۔

معاصر میڈیا کی حیثیت اس کے مالکوں کے حق میں ایک مدد و معاون کی ہے، وہ مخالفین کے لئے یتھے سے کم نہیں، تمام ذرائع نشر و اشتاعت اپنے مالکوں کے مفادات و منافع کے مطابق اچھے کو بر اور برے کو اچھا بنا کر پیش کرنے میں مصروف ہیں اور شخصی مصالح کی حفاظت اور ذاتی مفادات کو بروئے کار لانے کے لئے اخلاق تو اخلاق انسانی قدروں کو بھی پامال کیا جا رہا ہے۔

پندرہویں صدی ہجری سے پہلے عالمی میڈیا نے یہ زبردست پروپیگنڈہ کیا کہ نئی صدی اسلام کی صدی ہو گی، اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے تعلق سے یہ اشتغال انگریز وہی مستحق ہے، یہ میڈیا ہی ہے جس میں بڑے بڑے شاطر، مافی، غنڈے اور انسانیت سوز جرام کا ارتکاب کرنے والوں کو اس کے مقابلے کے لئے تیار کرنے لگا۔

جو لوگ مغربی ادبی نظریات و روحانیات کا مطالعہ کرتے ہیں، وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مغربی ادب ولٹریچر، فضائل اور اچھائیوں کے بجائے رذائل اور برائیوں کا ذریعہ بن گیا ہے، اور خیر و صلاح، تعمیر و اصلاح کے بجائے شر و فساد اور تخریب کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور اجتماعی اقدار و روایات کی ادب ولٹریچر کی راہ سے دھیان اڑائی جاتی ہیں، یہ سب انسانی اخلاق و کردار کی تشكیل کرنے والے اور بنی نوou انسان کو بلند اقدار و روایات کا درس دینے والے دین و تعلیمات سے بغافت کا نتیجہ ہے۔

مفادر پرستی نے زندگی کے ہر شعبہ میں ذاتی منفعت اور شخصی اغراض و مفادات کی تیکیل کار جان پیدا کیا ہے، حالانکہ یورپ اجتماعی زندگی کی دعوت دیتا ہے اور اجتماعیت کو موجودہ تہذیب و تمدن کی بنیاد قرار دیتا ہے، لیکن مصلحت پرستی نے مغربی سماجی زندگی کے ہر شعبہ کو خود غرضی، اور ذاتی منفعت کا تابع بنادیا ہے، اور حقیقت اجتماعیت کے بجائے اس میں انفرادیت کا رجحان پیدا ہو گیا ہے۔

میڈیا علم و فن اور ادب کا مجموعہ ہے، اگر تصور حیات اور نظریہ زندگی کے بدلتے سے علم و فن اور ادب میں کوئی تبدیلی رونما ہوتی ہے تو طبعی طور پر انفارمیشن میڈیا میں بھی تبدیلی رونما ہوتی ہے، ذاتی منفعت اور شخصی مفادات کے غلبہ کی وجہ سے میڈیا صحیح اور مطابق حال خبریں بھم پھونچانے کے بجائے گمراہ کن واقعات اور خلاف واقع خبریں پیش کرنے کا آلہ بن گیا ہے، چنانچہ آج ظالم کو مظلوم، قاتل کو مقتول اور مجرم کو ایسا محسوم بنا کر پیش کیا جاتا ہے کہ گویا ساری رحمت و شفقت اور رحم و کرم کا تصور اتنا فروع پایا کہ پورا یورپ اسلام سے لرزنے لگا۔ اور مافی، غنڈے اور انسانیت سوز جرام کا ارتکاب کرنے والوں کو

عالیٰ میڈیا نے اشتراکیت کو چھوڑ کر اسلام کے خلاف پیش کرنے کی وجہ سے دنیا کے مختلف حصوں میں قتل و غارت گری کے واقعات رونما ہوئے جن میں مسلمانوں کا بڑا جانی و مالی نقصان ہوا۔ ان پر پابندیاں عائد کی گئیں۔ اسی پروپیگنڈہ کی وجہ سے ”سویت یونین“ کی سابق اسلامی جمہوریتوں میں مسلمانوں کو وہ آزادی نہ مل سکی جو غیر مسلم ملکوں کو حاصل ہوئی اس لئے کہ میڈیا نے یہ بردست پروپیگنڈہ کر رکھا تھا کہ مسلمانوں کی آزادی پورے یورپ کے لئے خطرہ ہے۔ اسی خطرہ کو بنیاد بنا کر بوسنیا، ہر زے گوئنا اور سر ایغیو میں مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔

یہودیوں کے دست تصرف میں جو میڈیا میں ادارے اور مراکز تھے، وہ تو اور زیادہ اسلام دشمن تھے یہ یہودی اور صہیونی ادارے عالیٰ میڈیا پر کنٹرول رکھتے ہیں۔ میڈیا کے تعلق سے یہودیوں کا موقف معلوم و مشہور ہے، ۱۸۶۹ء میں یہودی حاخام ”راشورون“ نے پرائی میڈیا پر کنٹرول حاصل کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا:-

”دنیا پر کنٹرول کے لئے اگر سونے کے ذخیر پر قبضہ ہمارا پہلا ترجیحی ذریعہ ہے تو میڈیا دوسرا ذریعہ ہے۔“

۱۸۹۷ء میں تھیوڈر ہرٹزل نے سوری لینڈ کے شہر ”بال“ میں کہا کہ ”اس رائل کا قیام اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ ان کا میڈیا خاص طور پر صحافت پر مکمل قبضہ نہ ہو جائے۔“

حکماء صہیون کے پرتوکول نمبر ۱۲ میں درج ہے:

پریس کو ہم اس طرح کنٹرول کریں گے:

”صحافت کو ہم اپنے قابو میں کریں گے اس طرح کہ وہ ہماری مرضی کے مطابق چلے۔“

”ہمارے دشمن کو اس میں دخل نہ ہوتا کہ وہ اپنی بات نہ کہہ سکے۔“

عالیٰ میڈیا نے اشتراکیت کو چھوڑ کر اسلام کے خلاف شروع کر دی، حالانکہ دوسری قوموں میں رونما ہونے والے وحوادث کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے پر پوری توجہ صرف کرنا دہشت گردانہ واقعات کا تناسب زیادہ ہے، خود یورپ میں کثرت سے انتہا پسندانہ اور دہشت گردانہ واقعات ہوتے رہتے ہیں لیکن میڈیا کو کوئی جنبش نہیں ہوتی لیکن اس کے مقابلہ میں عالم اسلام میں اگر کوئی چھوٹا واقعہ بھی پیش آجائے تو مغربی میڈیا اس کو انتہائی بھیانک شکل میں پیش کرتا ہے، اور اسلامی تنظیموں کی سرگرمیوں کو لیکر اور اپنے اسلوب سے دیکھ کر منسخ کر کے پیش کرتا ہے۔ ایسی روپیں شائع کی جاتی ہیں جن میں پروپیگنڈہ، دحل و فریب، جعل سازی کی چھاپ غالب ہوتی ہے۔ اسی عرصہ میں ”تہذیبیں کا نکراو“ کے عنوان سے ایک کتاب شائع ہوتی تو عالیٰ میڈیا نے اس پر بھرپور توجہ دی جیسے وہ کوئی مقدس کتاب ہو اور اس کی معلومات ایسی صحیح اور مسلم ہوں جس میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش نہ ہو۔

اسلامیت و مغربیت کی نکشم اور اس کے ذرائع دفاع کا پتہ لگانے کے لئے کافر نیں منعقد کی گئیں اور کمیٹیاں تھکیل دی گئیں۔ دوسری طرف کسی نے مطلق تہذیب کے اسلامی تہذیب ہی وہ معاشرتی تہذیب ہے جس کی کوئی حکومت حامی و معاون نہیں جب کہ مغربی تہذیب کی حفاظت کرنے والی ایسی بے شمار حکومتیں ہیں جو طاقت و قوت سائنس و تکنالوجی اور ابلاغ کے وسائل سے لیس ہیں لیکن میڈیا نے اسلامی تہذیب کو عالیٰ خطرہ کی شکل میں پیش کیا جس سے بڑی حکومتوں کے وجود کو خطرہ لاحق ہو گیا بلکہ پورا یورپ لرزائھا۔ میڈیا کے اسلامی خطرہ کو ٹکین بنا کر

”کوئی بھی خبر ہمارے وسائل و ذرائع ابلاغ سے نہ کر عوام تک نہ ہو نہیں“

اسلام اور مسلمانوں سے جوڑے اور اس کے نتیجہ میں بے قصور مسلمان ملوم قرار دے جاتے ہیں اور طویل مدت تک عذاب میں بنتا رہتے ہیں، بعض خوش قسمت عدالت میں بری قرار دے جاتے ہیں، مگر اس وقت تک کی ان کی زندگی اور ان کا خاندان تباہی کا شکار ہو چکا ہوتا ہے۔

اس سیاسی پروپیگنڈہ کے ساتھ ساتھ معاصر یورپیں میڈیا سماج میں تہذیب جدید کے عنوان سے فواحش و منکرات، اور حیا و اخلاق سوز باتوں کو روایج دیتا ہے اور یہ پروپیگنڈہ کرتا ہے کہ اسلام عورتوں کے ساتھ ظلم کرتا ہے اور انسانوں کے بنیادی حقوق اور آزادی سلب کرنا چاہتا ہے۔

موجودہ دور میں ذرائع ابلاغ نے جو طاقت حاصل کر لی ہے وہ جغرافیائی حدود سے بالاتر ہے۔ آج ملکوں اور قوموں کی تقدیر یہ توک قلم سے وابستہ ہو گئی ہیں اور صحافت ملتوں اور قوموں کا مزاج بناتی اور بگاڑتی ہے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حنفی ندویؒ گو حس طرح ادب کی تعمیری اور تحریجی طاقت اور صلاحیت کا احساس تھا اور اس کو صحیح مقاصد کی طرف متوجہ کرنے کی فکر تھی، اسی طرح ذرائع ابلاغ جواب ہی کی طرح تائیش اور ذہن کی نقیلی کی صلاحیت رکھتے ہیں، اس کی اصلاح اور اس کے اہم کردار کی طرف متوجہ کرنے کی فکر تھی اور اس کے لئے انہوں نے ادب اسلامی کی تحریک کے ساتھ ساتھ کوشش کی تھی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حنفی ندوی رحمۃ اللہ نے اردو ایڈیٹر زکان فرنس (۱۹۷۹ء) سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:-

”میں اس وقت آپ سے جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اس کی ترجیانی کے لئے میرے پاس جگہ مراد آبادیؒ کے اس شعر سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں، وہ کہتے ہیں:-

”ہمارے اپنے اخبارات ہوں، وہ جس کی تائید کریں وہ ظاہر ہو، جس کی مذمت کریں وہ ذلیل ہو، جس نظام کو ہم پسند کریں عوام بھی اس کو پسند کریں، اور جس کو ناپسند کریں عوام بھی اس کو ناپسند کریں، ہم جب چاہیں فتنہ و فساد پیدا کر دیں، جس فتنہ کو وہ بانا چاہیں اس کو دبائیں“۔

”اس کام کے لئے ضروری ہے کہ ایسے لوگ صحافت میں داخل کئے جائیں جن کا کوئی کیریکٹر نہ ہو، وہ ہمارے تابع ہوں، اور جب وہ اپنی رائے ظاہر کرنا چاہیں جو ہمارے مقابلہ کے خلاف ہو تو ہم ان کو بدنام کر کے عاجز کر دیں“۔

مغربی میڈیا کے اس موقف کی وجہ سے دنیا میں کہیں بھی کوئی بم دھا کر ہو، یادہشت گردی کے واقعات اور کارروائیاں ہوں مسلمانوں کو اس کا ذمہ دار شہر لیا جائے، تا کہ پوری دنیا مسلمانوں کی مذمت کرنے لگے اور اسلام کے بارے میں غلط تصویر قائم کر لے، دنیا کے کسی بھی حصے میں کسی بھی وقت کوئی حادثہ پیش آتا ہے تو عالمی میڈیا یا بغیر کسی تحقیق کے مسلمانوں کو ہی مجرم گروانتا ہے، چنانچہ حادثہ کے فوراً بعد مسلمانوں پر ظلم و زیادتی کا پہاڑ توڑا جانے لگتا ہے، ”اوکلا ہوما“ کے واقعات اس کی زندہ مثالیں ہیں جن کی تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا اس میں دور تک کوئی ہاتھ نہیں تھا، اور اصل میں اس کا مجرم ایک یورپین عیسائی تھا۔ امریکہ کے ۹/۱۱ کے بارے میں اسی طرح کی رپورٹیں اور خود امریکی دانشوروں کی تحقیقات ہیں، لیکن مغربی میڈیا سرکاری بیان ہی کو مسلسل نقل کرتا رہتا ہے، عالمی میڈیا کا یہ اب مزاج بن گیا ہے کہ ہر تشدد کے واقعہ کو

کی عز توں اور آبرووں سے کھلتا ہے، اس لئے ہم کو اپنی ذمہ
داری کا پورا احساس ہونا چاہئے۔“

(تعمیر حیات، شمارہ نمبر ۱۵، جلد نمبر ۱۶، ۱۰ ارجنون ۱۹۷۹ء)
حضرت مولانا سید ابو الحسن ندویؒ نے عملی طور پر اس کے
لئے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اعلام کا شعبہ قائم کیا اور میڈیا
ریسرچ سنٹر قائم کیا جس میں لکھنؤ شہر کے معروف صحافیوں کا
تعاون حاصل کیا گیا۔

ہمیں امید ہے کہ اس اہم موضوع پر اس سیمینار میں
انشاء اللہ درائع اباداغ کے مختلف پہلووں پر روشنی ڈالی جائے
گی۔ یہ ایک اہم اور وسیع موضوع ہے جس کے لیے دورو زقطیعی
نا کافی ہیں۔ اس لیے مقالہ نگار حضرات سے میں توقع کرتا ہوں
کہ وہ موضوع کی وسعت و خصامت اور وقت کی تنگی کا خیال
رکھیں گے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اس سیمینار میں جس میں
صحافت اور میڈیا کے دوسرے شعبوں سے تعلق رکھنے والے
اہل قلم شریک ہیں متعدد مقالات پیش ہوں گے اور اس کی
صورت حال کا جائزہ لیا جائے گا اور اس کے مقابلہ کے لئے
تم امیر پر غور ہو گا۔

آخر میں ہم ابو الحسن علی ندوی اکیڈمی خاص طور پر اس کے
سکریئری مولانا محمد الیاس ندوی کے شکرگزار ہیں کہ انہوں نے
اس سیمینار کے انعقاد کا نظم کیا اور مختلف علاقوں سے آنے والے
مہماں کا جنہوں نے اس گرم موسم میں سفر کی مشقت
برداشت کی اور قیمتی مقالات تیار کئے، ہر طرح خیال رکھا۔ ہم
ان سب کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور اللہ رب العزت سے سیمنار
کی کامیابی کی دعا کرتے ہیں۔

☆☆☆☆

کامل رہبر، قاتل رہزن
دل سادوست، ندیل سادشن

انہوں نے یہ شعر دل کے متعلق کہا ہے، میں صحافت کو بھی
اس کا صحیح مصدق سمجھتا ہوں، آپ کا قلم دودھاری تلوار ہے،
جس سے آپ تحریک کا کام بھی لے سکتے ہیں اور تعمیر کا بھی۔
آج ملکوں اور قوموں کی تقدیر یہ نوک قلم سے وابستہ
ہو گئی ہیں، قلم کی ایک غلطی اور اس کے غلط استعمال سے اسی
طرح ملک کے ملک تاریخ اور بستیوں کی بستیاں بے چراغ
ہو جاتی ہیں، آپ کو اپنے قلم کی طاقت اور اس کے صحیح اور غلط
استعمال کے متنازع کا پورا تجربہ ہے۔ پہلے کسی کہنے والے نے کہا
تھا ”زیر قدمت ہزار جانست“ آج تھوڑی ترمیم کے ساتھ
آپ سے یہ کہنا صحیح ہو گا کہ ”زیر قدمت ہزار جانست“۔

”اگر اخبارنوں اپنے قلم کو احتیاط کے ساتھ استعمال نہ
کریں، ان سے جذبات کے بھڑکانے، نفرت کو بڑھانے اور
اشتعال پیدا کرنے کا کام لیں تو میں تو اجتماعی مزاج برہم، غیر
معتدل، اشتعال پذیر اور غضبانک ہوتا ہے، پوری کی پوری قوم
اور ملک کی آبادی تک مزاج، غیر متحمل اور قوت برداشت سے
محروم ہو جاتی ہے، وہ روئی کی طرح ایک منٹ میں آگ پکڑ
لیتی ہے، اگر صحافت سے شعور کی بیداری، اخلاقی تربیت،
حقیقت پسندی اور صبر و ضبط پیدا کرنے کا کام لیا جائے تو قومی
مزاج معتدل اور متحمل ہوتا ہے، اس کو ہر بات سننے، دیکھنے، غور
کرنے اور حقیقت کو سمجھنے کی عادت پڑ جاتی ہے، اور وہ قوم کبھی
بے اعتدالی اور بے راہ روی کا شکار نہیں ہوتی۔

آپ کے ہاتھ میں جو چیز ہے وہ کامل رہبر بھی ہو سکتی
ہے اور قاتل رہزن بھی ہو سکتی ہے۔ یہم بعض اوقات قوموں



ذرائع ابلاغ کی قوت اور تاثیر

مولانا سید محمد واضح رشید حسینی ندوی

معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ

کی نگاہ سے دیکھے گئے اور جنہوں نے ان اقدار کا احترام کیا ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔

ادب کی طرح ثافت بھی ہے جس کے اصلًا معنی تہذیب و شاستری کے ہیں، نیز ثافت کا اطلاق ذہانت و فطانت اور ان عمدہ افعال اور خصائص حمیدہ پر ہوتا ہے جو انسان کو معاشرہ میں رفت و بلندی عطا کرتے ہیں، علم ثافت کا بنیادی جزء تھا، اس لئے اکثر تعلیم یافتہ کی جگہ مہذب کا لفظ استعمال کیا گیا اور مہذب سے مراد تعلیم یافتہ اور دانشور، اور مہذب اس شخص کو کہتے ہیں جو کھٹیا، سطحی اور نامناسب چیزوں سے اجتناب کرتا ہو، اس کا کردار عمل بازاری اور جاہل و عالمی لوگوں سے مختلف ہو۔ وہ سماج کی اعلیٰ قدریوں پر عامل ہو۔ سماج کتنا ہی ترقی یافتہ ہو، سچائی، امانت، عفت و قارکو عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا، مثلاً چور، دروغ گو، پھلخوار اور شاطر خواہ کرنے ہی ذہین و فطین کیوں نہ ہوں، ان کے لئے مہذب کا لفظ استعمال نہیں کیا جائیگا، ایسے ہی اس شخص کو بھی ”مہذب“ کے صفت سے متصف نہیں کیا جائیگا جو دوسروں پر ظلم و زیادتی کرتا ہو، فواحش و مکرات کا مرکب ہو یا دوسروں کی عزت و ناموس پر کچھ اچھاتا ہو، اسی طرح مہذب وہ شخص بھی نہیں کہا جائے گا جو دوسروں کے مفاد کا خیال نہ رکھتا ہو، اور پڑوسیوں اور

ابلاغ کا مفہوم خود اس کے لفظ سے ظاہر ہے کہ اس کا کام ”پھونچانا“ ہے، عربی میں اس کے لئے لفظ ”اعلام“ استعمال ہوتا ہے، انگریزی میں بھی اس کے لئے جو لفظ استعمال ہوتا ہے، اس کے معنی ”اطلاع دینا“ یا ”پھونچانا“ ہے۔ اس کا مقصد روزمرہ پیش آنے والے حالات و واقعات کی خبر دینا ہے، ذرائع ابلاغ کا اطلاق کتاب و صحافت نیز ترقی یافتہ جدید ذرائع مثلاً ریڈیو، ٹیلی ویژن اور ایشٹنیٹ وغیرہ پر ہوتا ہے، ابلاغ یا اعلام اور کتاب کا بنیادی مقصد علم میں اضافہ یا نئی تحقیق کو پیش کرنا ہے۔ ادب کی تعریف ادباء نے یہ کی ہے کہ وہ کلام جموئڑ ہو اور اس میں حسن بیان ہو اور تہذیب و اخلاق کی تعمیر میں مدد و معاون ہو، ادب کا یہ تصور خود اس کے لفظ سے واضح ہے اور یہ ضروری ہے کہ معنی مفہوم لفظ کے مطابق ہو، اور الفاظ کو اسی سیاق و اسلوب میں استعمال کیا جانا چاہئے جس سیاق میں اہل زبان و ادب نے استعمال کیا ہے، تہذیب و تمدن کے اثر سے ادب کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور اس میں تفریق طبع و لطف اندوزی کا عصر غالب آگیا، پھر اہل فن کے غلو و انحراف کی وجہ سے ادب میں ایسی اصناف شامل ہو گئیں جو ادب کا مفہوم نہیں رکھتی تھیں، لیکن جن ادیبوں، فلمکاروں اور انشاء پردازوں نے معاشرہ کے معین اقدار و روایات کی مخالفت کی، معاشرہ میں وہ ناپسندیدگی

ہے اور بحث و تحقیق کے میدان میں ان کی علمی عظمت، تحقیقی مزاج کا زمانہ مقرر ہے لیکن اس کے باوجود ان مصنفین اور مورخین نے اسلام کے تعلق سے اپنی کتابوں میں ایسی معلومات پیش کی ہیں جن کو عقل و ذہن قول نہیں کرتا۔ حد تو یہ ہے کہ بعض مستشرقین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گھٹھیا، گندے اور بازاری الفاظ استعمال کئے ہیں حالانکہ دشمن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امین و صادق جیسے القاب سے ملقب کرتے تھے اور اپنے بھگتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بنتا تھے، لیکن مستشرقین نے آپ کی شان میں ایسے گستاخانہ الفاظ استعمال کئے ہیں جنہیں رہنزوں، بدمعاشوں اور دھوکہ بازوں کے لئے بھی استعمال کیا جانا پسندیدہ نہیں سمجھا جاتا، یہ سب اسلام اور مسلمانوں سے بغض و حسد و نفرت کی وجہ سے حقائق کو تبدیل کرنے کی ایک کوشش ہے، ان مستشرقین نے اس سلسلہ میں اپنے ان نانپختہ ہن اسلاف کی پیروی کی ہے جنہوں نے مسلمانوں ہی سے کسب فیض کیا اور مسلمانوں ہی سے علوم و فنون حاصل کئے، لیکن ان لوگوں نے بجائے اس کے کہ مسلمانوں کے احسان شناس ہوتے ان کے ساتھ معاذانہ اور جانبدارانہ روایہ اختیار کیا اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بغض و حدادت کا محل تیار کیا۔

یورپ نے علم کی طرح ادب کو بھی تخریب و بگاڑ، فساد اور قلب حقائق کا ذریعہ بنادیا ہے جو لوگ مغربی ادبی نظریات و رجات کا مطالعہ کرتے ہیں، وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مغربی ادب و لٹریچر، فضائل اور اچھائیوں کے بجائے رذائل اور برائیوں کا ذریعہ بن گیا ہے، اور خیر و صلاح، تعمیر و اصلاح کے بجائے شر و فساد اور تخریب کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور اجتماعی اقدار و روایات کی ادب و لٹریچر کی راہ سے وحیاں اڑائی جاتی ہیں، یہ سب انسانی اخلاق و کردار کی تکھیل کرنے والے اور بی نوع انسان کو بلند اقدار و روایات کا درس

معاشرہ کے افراد کے احساسات و جذبات کا احترام نہ کرتا ہو۔ مندرجہ بالا اصطلاحات اور ان کی تعریف و مفہوم پر اہل زبان و ادب اور اہل علم کا اتفاق ہے اور تمام انسانی معاشرہ اس پر عمل پیرا ہے۔ یورپ نے عہد جدید میں (جس کو دین و اخلاق کے خلاف بغاوت و انقلاب کا عہد کہا جاتا ہے) ایسا طریقہ اور اسلوب اختیار کیا ہے جو الفاظ کی تحقیقت اور ان کے معین مفہوم کے خلاف ہے، مذکورہ بالا الفاظ کا استعمال ایسے موقعوں پر ہونے لگا جس کے لئے وہ وضع نہیں کئے گئے تھے، اس بے محل استعمال کا آغاز سب سے پہلے اس وقت ہوا جب علم کو اس کے اصلی مفہوم کے بجائے دوسرے معنی میں استعمال کیا گیا، یورپ جس نے بحث و تحقیق کے میدان میں غیر معمولی ترقی کر لی ہے، تحقیقت پسندی اور خالص علمی و معروفی اور غیر جانبدارانہ اسلوب کے دعوے کے باوجود جب کہ اس نے سائنس اور نکنا لوگی کے میدان میں نئی نئی جھیلیں تلاش کر لی ہیں، جہالت یا تجہیل عارفانہ سے کام لے رہا ہے، اس کا رویہ دوسری قوموں کے علوم و فنون خصوصاً مسلمانوں کے علوم و فنون اور ان کی تہذیب و ثقافت کے تین تحریف و تزویر اور حقائق کو سخ اور توڑ مرور کر پیش کرنے کا ہے، یورپ نے ایسے رسیرچ سینٹر، تحقیقی ادارے قائم کئے ہیں جو ایسی کتابیں شائع کرتے ہیں جو دوسری قوموں کے بارے میں تغافل و تجہیل، جعل سازی، دجل و فریب بلکہ جھوٹ اور گمراہ کن بیانات و معلومات سے پر ہیں۔

یورپیوں مورخین نے جو بحث و تحقیق کے میدان میں مشہور ہیں، سیرت نبوی، اسلامی تاریخ اور اسلامی تہذیب و تمدن کے موضوع پر ایسی کتابیں تصنیف کی ہیں جو غلط بیانات اور زہر لیے مواد پر مشتمل ہیں۔ ان مصنفین کے بارے میں علمی کم مانگی اور نتا واقفیت کا اندر پیش نہیں کیا جاسکتا کیونکہ چہار دنگ عالم میں ان کے علم و فضل کا شہرہ

شدید ترین مشکلات و خطرات کا سامنا کرنا ہے، تمہیں یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ تم میں سے بعض بعض کا دشمن وحربیف ہے کیونکہ عملاً یہ محال ہے کہ یہاں پچاس ہزار جگہیں اور نوکریاں ہوں، اے نوجوان! تم کو یہ معلوم نہیں کہ لوگ زندگی کی ان سخت اوزنا ہموار را ہوں کو عبور کرنے اور صحیح و سالم منزل مراد تک پہنچنے کے لئے کیسے کیسے طریقے اختیار کرتے ہیں۔

یہ لوگ اپنی مکاری، عیاری اور فریب کاری میں غیر معمولی مہارت اور پستی و گینگی کے عادات و اطوار اختیار کر کے اپنی منزل مراد تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں، لہذا تم پر لازم ہے کہ تم پر شور اور ہنگامہ خیز معاشرہ کو برق آتش فشاں بن کر پھونک ڈالو، بم کی طرح پھٹ کر صفحہ ہستی سے دوسروں کے وجود کو مٹا دو، مہلک و باعکی کو میڈی کی ایک کہانی میں پیش کیا ہے، اس میں مصنف نے طرح ان میں سراست کر جاؤ، شرافت و عزت کا کوئی فائدہ نہیں، اے نوجوان! تم کو یہ نہ ہونا چاہئے کہ لوگ گینگی و پستی میں اسی مہارت واقعیت پسندوں کا زندگی اور انسان کے تعلق سے اپنا تصور پیش کیا ہے۔ اس سے زندگی اور اخلاق کے بارے میں مغربی تصور سمجھ میں آسکتا ہے جس کا وہ حامل ہے، اس کے مطابق ”فوڑاک“ (جو ایک مغور قیدی ہے) ایک نا تجربہ کار نوجوان کو مخاطب کرتا ہے جو اپنے چھوٹے سے گاوں کو چھوڑ کر پیرس چلا آیا تھا اور لاکانج میں داخلہ کی پر شور و ہنگامہ خیز زندگی میں عرق ہو گیا تھا اور لاکانج میں داخلہ لے کر تعلیم میں مشغول تھا، اس کے سر میں شہرت و ناموری حاصل کرنے کا سودا سما گیا اس کو فوڑاک یہ مشورہ دیتا ہے:-

”دولت کمانا ایسی شی ہے جس کے حصول کے لئے تم جیسے ساتھ ڈیمیہ اور افعال قبیحہ کا ارتکاب کرنا ہو گا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے ہیں اور اس کے لئے جان و تن پچاس ہزار نوجوان تنگ و دوکر ہے ہیں اور اس کے لئے جان و تن کی بازی لگانے کے لئے تیار ہیں، تم بھی ان نوجوانوں میں سے ایک فرد ہو، چنانچہ تم کو غور کرنا چاہئے کہ مجرمانہ اعمال سے اپنے آپ کو کیسے بری کر کے سفید پوشوں میں داخل ہو جاؤ..... ہمارے زمانہ کے اخلاق فاشنی کی ضرورت ہے، اور تمہیں اس راہ میں کن کن

دنیے والے دین و تعلیمات سے بغاوت کا نتیجہ ہے۔

مفادر پستی نے زندگی کے ہر شعبہ میں ذاتی منفعت اور شخصی اغراض و مفاداٹ کی تخلیل کا روحان پیدا کیا ہے، حالانکہ یورپ اجتماعی زندگی کی دعوت دیتا ہے اور اجتماعیت کو موجودہ تہذیب و تمدن کی بنیاد پر ارادیتا ہے، لیکن مصلحت پستی نے مغربی سماجی زندگی کے ہر شعبہ کو خود غرضی، اور ذاتی منفعت کا تابع بنا دیا ہے، اور حقیقت اجتماعیت کے بجائے اس میں انفرادیت کا روحان پیدا ہو گیا ہے۔

عربی کے نامور ادیب و ناقد ڈاکٹر محمد مندور نے اپنی کتاب ”پکھ انسانی نمونے“ میں اس کردار کا تجربہ کیا ہے جسے فرانسیسی ادیب ”اونوری ڈی بلزاک“ (م ۱۸۵۰ء) جو واقعی ادب Realism کے اہم ادیبوں میں ہے، نے جو انسانی کومیڈی کی ایک کہانی میں پیش کیا ہے، اس میں مصنف نے واقعیت پسندوں کا زندگی اور انسان کے تعلق سے اپنا تصور پیش کیا میں آسکتا ہے جس کا وہ حامل ہے، اس کے مطابق ”فوڑاک“ (جو ایک مغور قیدی ہے) ایک نا تجربہ کار نوجوان کو مخاطب کرتا ہے جو اپنے چھوٹے سے گاوں کو چھوڑ کر پیرس چلا آیا تھا اور یہاں کی پر شور و ہنگامہ خیز زندگی میں عرق ہو گیا تھا اور لاکانج میں داخلہ لے کر تعلیم میں مشغول تھا، اس کے سر میں شہرت و ناموری حاصل کرنے کا سودا سما گیا اس کو فوڑاک یہ مشورہ دیتا ہے:-

”دولت کمانا ایسی شی ہے جس کے حصول کے لئے تم جیسے ساتھ ڈیمیہ اور افعال قبیحہ کا ارتکاب کرنا ہو گا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے ہیں اور اس کے لئے جان و تن کی بازی لگانے کے لئے تیار ہیں، تم بھی ان نوجوانوں میں سے ایک فرد ہو، چنانچہ تم کو غور کرنا چاہئے کہ اس کے لئے لتنی جدوجہد، محنت و جانفشنی کی ضرورت ہے، اور تمہیں اس راہ میں کن کن

کو بدل دیا جائے تو یہ اس کا لازمی نتیجہ ہو گا۔

موجودہ ذرائع ابلاغ کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت نہایت واضح طور پر نظر آجائے گی، سامراجی عہد سے اب تک کی تاریخ میں جا بجا اس معنوی تحریف اور الٹی گنگا کی مثالیں موجود ہیں۔ بے شمار قسمیں اس معنوی تحریف اور قلب حقائق کی وجہ سے ظلم و جور، سفا کی و خوزیری اور قہر و بربریت کا نشانہ نہیں، بارہا اس معنوی تحریف نے انسانیت کو مالی و اخلاقی حیثیت سے مفلس و فلاش بنایا ہے۔ ایسی تاریخی کتابیں تیار کی گئیں جو ان قوموں کی حقیقی تاریخ سے جدا گانہ ہیں، جس کی وجہ سے یہ قویں غلط بیانی اور سراسر جھوٹ اور دروغ گوئی کی وجہ سے صدمات اور بحرانوں سے دوچار ہوئی ہیں۔

معاصر میڈیا کی حیثیت اس کے مالکوں کے حق میں ایک مدد و معادن کی ہے وہ مخالفین کے لئے تیشن سے کم نہیں، تمام ذرائع نشر و اشتاعت اپنے مالکوں کے مفادات و منافع کے مطابق اچھے کو برآور برے کو اچھا بنا کر پیش کرنے میں مصروف ہیں اور شخصی مصالح کی حفاظت اور ذاتی مفادات کو بروئے کارلانے کے لئے اخلاق تو اخلاق انسانی قدروں کو بھی پامال کیا جا رہا ہے۔

پروفیسر ناعوم چو مسکی، نے اپنی کتاب ”انفارمیشن میڈیا پر کنٹرول“ میں میڈیا کی پروپیگنڈہ کی طرف واضح طور پر اشارہ کیا ہے، انہوں نے میڈیا پر غلبہ و تسلط اور میڈیا میں غالب عصر، کذب و افتراء و جل و فریب، جعل سازی اور حقائق کو بدل کر پیش کرنے کی کوشش کو بے نقاب کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”موجودہ دور میں حکومتی سطح پر پروپیگنڈہ کا عمل صدر و پیلسن کے عہد حکومت میں شروع ہوا جو ۱۹۶۱ء میں ریاستہائے متحدہ امریکہ کے صدر منتخب ہے، اس میڈیا کی پروپیگنڈہ کا آغاز پہلی جنگ عظیم

میں تمہیں اس طرز کی زندگی اور ان ”اخلاقی قدروں“ کے متعلق اتنی تفصیل اس لئے بتا رہا ہوں کہ میں اس سے بخوبی واقف ہوں، تم یہ نہ سمجھتا کہ میں اس کی برائیاں اور ناقص بیان کر رہا ہوں، زندگی تو پہلے بھی اور اب بھی سراپا ناقص اور عیوب کا مجموعہ ہے، پیشتر واعظین اور مصلحین اخلاق بھی اس میں تبدیلی پیدا نہ کر سکے۔“ ایک برطانوی ادیب اور مفکر کہتا ہے کہ حقیقت میں انسان بھیڑا ہے اور اس کا کام پھاڑ کھانا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام ہو یا اشتراکی وہ اپنی خطوط پر عالم ہے۔ اس روحان کو ”میکاوی“ کے سیاسی فلسفے سے ہی وقت ملی ہے، جسے اس نے اپنی کتاب ”پرس“ میں پیش کیا ہے، جس میں مقصد کے حصول کو اصل اہمیت دی گئی ہے اور اس کے لئے وسائل کے خیر و شر کو نظر انداز کر دیا گیا ہے، آج یورپ اخلاق و سلوک اور سیاسی میدان میں انہی نیختوں اور تقلیدیات پر عمل کر رہا ہے۔

ادب کی طرح وسائل ابلاغ یا انفارمیشن میڈیا کا بھی بھی حال ہے، کونکہ میڈیا علم و فن اور ادب کا مجموعہ ہے اگر تصور حیات اور نظریہ زندگی کے بد لئے علم و فن اور ادب میں کوئی تبدیلی رونما ہوتی ہے تو طبعی طور پر انفارمیشن میڈیا میں بھی تبدیلی رونما ہوتی ہے، ذاتی منفعت اور شخصی مفادات کے غلبہ کی وجہ سے میڈیا صحیح اور مطابق حال خبریں بھم پہنچانے کے بجائے گمراہ کن واقعات اور خلاف واقعہ خبریں پیش کرنے کا آلہ بن گیا ہے، چنانچہ آج ظالم کو مظلوم، قاتل کو مقتول اور مجرم کو ایسا مخصوص بنا کر پیش کیا جاتا ہے کہ گویا ساری رحمت و شفقت اور حرم و کرم کا وہی مستحق ہے۔ یہ میڈیا ہی ہے جس میں بڑے بڑے شاطر، مافیا، غنڈے اور انسانیت سوز جرام کا ارتکاب کرنے والوں کو امن کا پیامبر بنایا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ مقاصد کو اگر وسائل سے الگ کر دیا جائے، اور مقاصد کے تصور

رپچی گئیں، اور مختلف عناصر کو اس کے خلاف ورغلایا گیا، عربوں اور ترکوں، اور دوسری مختلف قوموں کے درمیان مکار اپیدا کرنے کے لئے کتاب اور صحافت کو اسی طرز پر پیش کیا گیا۔

سرد جنگ کے دوران بھی جو کہ ستر سال سے زائد عرصہ تک اشتراکیت اور یورپین سرمایہ دارانہ نظام کے مابین چلتی رہی میدیا نے اسی ذہن سے کام کیا، اس میں لٹرپیچر، صحافت، ریڈیو حتیٰ کہ افواہوں سے خوب کام لیا گیا، فرانس میں انقلاب لٹرپیچر کے ذریعہ ہوا، ایران کا انقلاب ریڈیو کے ذریعہ ہوا، مغربی یورپ کو کیوں زم خطرہ سے دہشت زدہ اور خوفزدہ کرنے میں افواہوں اور پروپیگنڈہ نے بڑا روں ادا کیا، اشتراکیوں نے بھی ذرائع ابلاغ کو بطور تھیمار کے استعمال کیا چنانچہ اپنے مخالفین کو خواہ یہ مخالفت مذہبی سطح پر ہو یا سیاسی اور اقتصادی سطح پر، یا اجتماعی اور اقتصادی نظریہ کی بنیاد پر، پوری انسانیت کے دشمن کی حیثیت سے پیش کیا۔ اس مخفی اور سلبی پروپیگنڈہ کی وجہ سے خوزیریاں ہوئیں، قتل عام ہوا اور جو ممالک اشتراکی نظام کے موید تھے ان کی آزادیاں سلب کر لی گئیں، ان میں بہت سے عرب اور اسلامی ممالک بھی تھے اور ”سوویت یونین“ کا شیرازہ بکھر جانے اور یورپ والوں کی نیک درجہ کردیئے والے دشمن کی پسپائی کے بعد ایک نئے دشمن کا ظہور ہوا، وہ اسلامی بیداری ہے۔ اس میں انفارمیشن میڈیا کا پرزا و راستعمال ہو رہا ہے، یہودیوں کی مظلومیت اور ان سے ہمدردی کے رجحان کو پیدا کرنے میں میڈیا نے ایسا یہی روں ادا کیا، عراق کی جنگ تو میڈیا یہی کے زور پر لڑی گئی اور عالم عربی کے حالیہ انقلابات میں انٹرنیٹ، موبائل اور فیس بک کا خوب استعمال کیا جا رہا ہے۔

پندرہویں صدی ہجری سے پہلے عالمی میڈیا نے یہ زبردست پروپیگنڈہ کیا کہ غصی صدی اسلام کی صدی ہو گی، اسلام

کے وسط میں انتخابی ہم بعنوان ”امن بغیر فتح سہوا۔“

اس زمانہ میں امریکی عوام انہائی درجہ کے صلح جو اور امن پسند تھے، اس لئے بنیادی طور پر کسی یورپین جنگ میں شریک ہونے کا سبب ان کو نظر نہیں آ رہا تھا، دوسری طرف ”ولیسن“ انتظامیہ پر جنگ کے تعلق سے کچھ پابندیاں تھیں، اسی وجہ سے اس کے لئے ضروری تھا کہ اس سلسلہ میں کوئی اقدام کرے چنانچہ ”ولیسن انتظامیہ“ نے سرکاری پروپیگنڈہ کی خاطر ”کریل“ نامی ایک کمیٹی تشكیل دی، اس کمیٹی نے چھ مہینہ کے اندر حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا کہ امن پسند باشندوں کے اندر ظلم و بربریت اور جنگ و جدل کے جذبات پیدا کر دیئے، جرمنی سے منسوب ہر چیز کا خاتمه کر دینے کا ان کے اندر ”ہٹسٹریا“ کا دورہ پڑ گیا۔

امن پسندی کے رجحان کو بدلنے میں جن وسائل کا استعمال کیا گیا، ان میں افسانے اور ڈرائے بھی ہیں جن میں جرمنی کی خوزیری اور ظلم و بربریت کی داستانیں رقم ہیں۔ اس سلسلہ میں کفر و فریب، جھوٹ اور جعل سازی کی تمام صلاحیتیں استعمال کی گئیں مثال کے طور پر بھیم کے بچوں کی ایسی تصویریں شائع کی گئیں جن میں ہاتھ پاؤں مسخ نظر آتے ہیں، اسی طرح اس مقصد کے حصول کے لئے ان لوگوں کی بھی خدمات حاصل کی گئیں جو کفر و فریب اور جعل سازی میں مہارت تامہ رکھتے تھے، چنانچہ ان لوگوں نے ایسی خوفناک اور دہشت ناک رپورٹیں تیار کیں جن سے امریکی عوام میں خوف وہ راس کی لہر دو گئی، عالمی جنگ کے خاتمه کے بعد اشتراکی نظام کو ختم کرنے اور خلافت عثمانیہ کو توڑنے کے لئے جس کو یورپ نے ”مردیباڑ“ سے تعبیر کیا تھا، ٹھیک یہی پالیسی امریکہ نے اپنائی، افریقہ، یورپ اور ایشیاء میں خلافت عثمانیہ کے خلاف عوام میں بے چینی، اخطراب اور بغاوت کے جذبات ابھارنے کے لئے سازشیں

کی شکل میں پیش کیا جس سے بڑی حکومتوں کے وجود کو خطرہ لاحق ہو گیا بلکہ پورا یورپ لرزائھا۔ میڈیا کے اسلامی خطروں کو ٹکین بنانے کے لئے دنیا کے مختلف حصوں میں قتل و غارت گری کے واقعات رونما ہوئے جن میں مسلمانوں کا بڑا جانی و مالی نقصان ہوا ان پر پابندیاں عائد کی گئیں۔ اسی پروپیگنڈہ کی وجہ سے ”سویت یونین“ کی سابق اسلامی جمہوریتوں میں مسلمانوں کو وہ آزادی نہ مل سکی جو غیر مسلم ملکوں کو حاصل ہوئی اس لئے کہ میڈیا نے یہ زبردست پروپیگنڈہ کر رکھا تھا کہ مسلمانوں کی آزادی پورے یورپ کے لئے خطرہ ہے۔

یہودیوں کے دست تصرف میں جو میڈیا می ادارے اور مرکز تھے، وہ تو اور زیادہ اسلام دشمن تھے یہ یہودی اور صہیونی ادارے عالمی میڈیا پر کنٹرول رکھتے ہیں میڈیا کے تعلق سے یہودیوں کا موقف معلوم و مشہور ہے، ۱۸۷۸ء میں یہودی حاخام ”راشورون“ نے پراگ میں میڈیا پر کنٹرول حاصل کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا:-

”دنیا پر کنٹرول کے لئے اگر سونے کے ذخائر پر قبضہ ہمارا پہلا ترجیحی ذریعہ ہے تو میڈیا یاد و سر اذریعہ ہے۔“

۱۸۹۴ء میں چیوڈر ہرزل نے سوئز لینڈ کے شہر ”بال“ میں کہا کہ ”اسرائیل کا قیام اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ ان کا میڈیا خاص طور پر صحافت پر کمل قبضہ نہ ہو جائے۔“

حکماء صہیون کے پرتوں کوں نمبر ۱۲ میں درج ہے:-
پریس کو ہم اس طرح کنٹرول کریں گے:-

”صحافت کو ہم اپنے قابو میں کریں گے اس طرح کہ وہ ہماری مرضی کے مطابق چلے“
”ہمارے دشمن کو اس میں خل نہ ہوتا کہ وہ اپنی بات نہ کہے سکے“

کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے تعلق سے یہ اشتغال انگیز تصوරاتنا فروع پایا کہ پورا یورپ اسلام سے لرزنے لگا۔ اور اس کے مقابلے کے لئے تیاری کرنے لگا۔

عالمی میڈیا نے اشتراکیت کو چھوڑ کر اسلام کے خلاف محاذ قائم کر کے عالم اسلام میں رونما ہونے والے واقعات وحوادث کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے پر پوری توجہ صرف کرنا شروع کر دی حالانکہ دوسری قوموں میں رونما ہونے والے دہشت گردانہ واقعات کا تناسب زیادہ ہے، خود یورپ میں کثرت سے انتہا پسندانہ اور دہشت گردانہ واقعات ہوتے رہتے ہیں لیکن میڈیا کو کوئی جنبش نہیں ہوتی لیکن اس کے مقابلہ میں عالم اسلام میں اگر کوئی چھوٹا واقعہ بھی پیش آجائے تو مغربی میڈیا اس کو انتہائی بھیانک شکل میں پیش کرتا ہے، اور اسلامی تنظیموں کی سرگرمیوں کو لیکر اور اپنے اسلوب سے دیکھ کر منع کر کے پیش کرتا ہے۔ ایسی روشنیں شائع کی جاتی ہیں جن میں پروپیگنڈہ، دخل و فریب، جعل سازی کی چھاپ غالب ہوتی ہے۔ اسی عرصہ میں ”تہذیبوں کا ملکراہ“ کے عنوان سے ایک کتاب شائع ہوئی تو عالمی میڈیا نے اس پر بھر پور توجہ دی جیسے وہ کوئی مقدس کتاب ہوا اس کی معلومات ایسی صحیح اور مسلم ہوں جس میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش نہ ہو۔

اسلامیت و مغربیت کی کشمکش اور اس کے ذرائع دفاع کا پتہ لگانے کے لئے کافر نیں منعقد کی گئیں اور کمیٹیاں تشکیل دی گئیں۔ دوسری طرف کسی نے مطلق توجہ نہ دی کہ اسلامی تہذیب ہی وہ معاشرتی تہذیب ہے جس کی کوئی حکومت حاصل و معاون نہیں جب کہ مغربی تہذیب کی حفاظت کرنے والی ایسی بے شمار حکومتیں ہیں جو طاقت و قوت سائنس و تکنالوژی اور ابلاغ کے وسائل سے لیس ہیں لیکن میڈیا نے اسلامی تہذیب کو عالمی خطرہ

”کوئی بھی خبر ہمارے وسائل و ذرائع ابلاغ سے نجح کر عوام تک نہ پہونچے“

اور مطلق العنان حکمرانوں کی مدافعت اور حمایت کریں گے، ہم جب اور جہاں چاہیں گے قوموں کے جذبات کو مشتعل کریں گے، جس کی مذمت کریں وہ ذلیل ہو، جس کی تائید کریں وہ ظاہر ہو، جس کی مصلحت دیکھیں گے انہیں پر سکون کر دیں گے، اس کے لئے صحیح اور جھوٹی خبروں کا سہارا لیں گے، ہم ایسے اسلوب سے خبروں کو پیش کریں گے کہ تو میں اور حکومتیں ان کو قول کرنے پر مجبور ہو جائیں، ہم یہودی ایسے مدروں اور ایڈیٹریٹریوں اور نامہ نگاروں کی

ہست افزائی کریں گے جو بد کردار ہوں اور ان کا مجرمانہ ریکارڈ ہو، ”اس کام کے لئے ضروری ہے کہ ایسے لوگ صحافت میں داخل کئے جائیں جن کا کوئی کیریکٹر نہ ہو، وہ ہمارے تابع ہوں، اور جب وہ اپنی رائے ظاہر کرنا چاہیں جو ہمارے مفاد کے خلاف ہو تو ہم ان کو بدنام کر کے عاجز کر دیں۔“

صہیونی دانشوروں کے پروٹوکول کے مطالعہ سے اس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، بارہویں پروٹوکول میں صحافت کی غیر معمولی اہمیت اور اس کی تاثیر و افادیت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے:-

”اگر ہم یہودی پوری دنیا پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے

سونے کے ذخیرہ پر قبضہ کو مرکزی اور بنیادی اہمیت دیتے ہیں تو ذرائع ابلاغ بھی ہمارے مقاصد کے حصول کے لئے دوسرا اہم درجہ رکھتا ہے۔ ہم میڈیا کو اپنے قبضے اور قابو میں رکھیں گے، ہم اپنے دشمنوں کے قبضہ میں کوئی ایسا موثر اور طاقتور اخبار نہیں رہنے دیں گے کہ وہ اپنی رائے کو موثر ڈھنگ سے ظاہر کر سکیں اور نہ ہی، ہم ان کو اس قابل رکھیں گے کہ ہماری لگا ہوں سے گزرے بغیر کوئی خبر سماج تک پہونچ سکے، ہمارے قبضہ و تصرف میں ایسے اخبارات وسائل ہوں گے جو مختلف گروہوں اور جماعتیں کی زندہ تائید و حمایت کریں گے، خواہ یہ جماعتیں جمہوریت کی داعی ہوں یا مثالیں ہیں جن کی تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا اس میں بغاوت کی حادی، حتیٰ کہ ہم ایسے اخبارات کی بھی سرپرستی کریں گے دوستک کوئی ہاتھ نہیں ہتا، اور اصل میں اس کا مجرم ایک یورپین

اس کا صحیح مصدق سمجھتا ہوں، آپ کا قلم دودھاری توارے ہے، جس سے آپ تحریک کا کام بھی لے سکتے ہیں اور تغیر کا بھی۔ آج ملکوں اور قوموں کی تقدیر یہ نوک قلم سے وابستہ ہو گئی ہیں، قلم کی ایک غلطی اور اس کے غلط استعمال سے اسی طرح ملک کے ملک تاریخ اور بستیوں کی بستیاں بے چراغ ہو جاتی ہیں، آپ کو اپنے قلم کی طاقت اور اس کے صحیح اور غلط استعمال کے نتائج کا پورا تجربہ ہے پہلے کسی کہنے والے نے کہا تھا ”زیر قدمت ہزار جانست“، آج تھوڑی ترمیم کے ساتھ آپ سے یہ کہنا صحیح ہو گا کہ ”زیر قلمت ہزار جانست۔“

”اگر اخبار نویس اپنے قلم کو احتیاط کے ساتھ استعمال نہ کریں، ان سے جذبات کے ہڑکانے، نفرت کو بڑھانے اور اشتعال پیدا کرنے کا کام لیں، تو ملی اور اجتماعی مزاج برہم، غیر معقول، اشتعال پذیر اور غضبناک ہوتا ہے، پوری کی پوری قوم اور ملک کی آبادی تک مزاج، غیر متحمل اور قوت برداشت سے محروم ہو جاتی ہے، وہ روئی کی طرح ایک منٹ میں آگ کپڑ لیتی ہے، اگر صحافت سے شور کی بیداری، اخلاقی تربیت، حقیقت پسندی اور صبر و ضبط پیدا کرنے کا کام لیا جائے تو قوی مزاج معقول اور متحمل ہوتا ہے، اس کو ہر بات سننے، دیکھنے، غور کرنے اور حقیقت کو سمجھنے کی عادت پڑ جاتی ہے، اور وہ قوم کبھی بے اعتدالی اور بے راہ روی کا شکار نہیں ہوتی۔

آپ کے ہاتھ میں جو چیز ہے وہ کامل رہبر بھی ہو سکتی ہے اور قاتل رہن بنی ہو سکتی ہے۔ یہ قلم بعض اوقات قوموں کی عزتوں اور آبروؤں سے کھیلتا ہے، اس لئے ہم کو اپنی ذمہ داری کا پورا احساس ہونا چاہئے۔“

(تغیر حیات، شمارہ نمبر ۵، جلد نمبر ۱۶، ۱۰ جون ۱۹۷۹ء)

عیسائی تھا۔ امریکہ کے ۱۱/۹ کے بارے میں اسی طرح کی روپورٹیں اور خود امریکی دانشوروں کی تحقیقات ہیں، لیکن مغربی میڈیا سرکاری بیان ہی کو مسلسل نقل کرتا رہتا ہے، عالمی میڈیا کا یہاب مزاج بن گیا ہے کہ ہر تشدد کے واقعہ کو اسلام اور مسلمانوں سے جوڑے اور اس کے نتیجہ میں بے قصور مسلمان ملزم قرار دئے جاتے ہیں اور طویل مدت تک عذاب میں بیٹلا رہتے ہیں، بعض خوش قسمت عدالت میں بری قرار دئے جاتے ہیں، مگر اس وقت تک کی ان کی زندگی اور ان کا خاندان جزاً کا شکار ہو چکا ہوتا ہے۔

اس سیاسی پروپیگنڈہ کے ساتھ ساتھ معاصر یورپین میڈیا سماج میں تہذیب جدید کے عنوان سے فواحش و منکرات، اور حیا و اخلاق سوز پاتوں کو رواج دیتا ہے اور یہ پروپیگنڈہ کرتا ہے کہ اسلام عورتوں کے ساتھ ظلم کرتا ہے اور انسانوں کے بنیادی حقوق اور آزادی سلب کرنا چاہتا ہے۔

موجودہ دور میں ذراائع ابلاغ نے جو طاقت حاصل کر لی ہے وہ جغرافیائی حدود سے بالاتر ہے۔ آج ملکوں اور قوموں کی تقدیر یہ نوک قلم سے وابستہ ہو گئی ہیں اور صحافت ملتوں اور قوموں کا مزاج بناتی اور بگاڑتی ہے۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ نے اردو ایڈیٹر کانفرنس (۱۹۷۹ء) سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا۔

”میں اس وقت آپ سے جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اس کی ترجمانی کے لئے میرے پاس جگر مراد آبادی کے اس شعر سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں، وہ کہتے ہیں:

کامل رہبر، قاتل رہن
دل سادوست، نہ دل سادمن

انہوں نے یہ شعر دل کے متعلق کہا ہے، میں صحافت کو بھی

انسانی قدری

اور

میڈیا

مولانا فاضل الرحمن میڈیا ہدودی
تہذیب الاداب و ترقی الحسنه

بیٹھ کر اپنے عوام پر بار فرمان لادا کرتے تھے، اور کسی کو کیا مجال کر چوں کر دے، موجودہ ذرائع ابلاغ میں انٹرنیٹ اور ٹیلی ویژن کو جو مقام حاصل ہے وہ دوسرا ذرائع ابلاغ جیسے ریڈیو، اخبار وغیرہ کو حاصل نہیں۔ لیکن انسانی تاریخ کے ذخیرہ کی ورق گردانی کرنے والا اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ جس وقت اسلام کی کرنیں وادی بطيحا کے ریگ زاروں سے پھوٹ رہی تھیں اور اس کی شعاعیں مغرب و مشرق کے خطوں میں جگل کر رہی تھیں، اسی روز سے اسلام نے میڈیا کی اہمیت کی طرف لوگوں کی نگاہوں کو پھیرا اور اپنے عالمی دین اور آفاقی پیغام کی ترویج و اشاعت میں میڈیا کی مختلف اصناف کا استعمال کیا، کبھی اس نے اپنے پیغام کے لئے خطابت کا راستہ اختیار کیا تو کبھی اس نے خط و کتابت کی راہ اختیار کی، تو کبھی اپنے رب کریم کی طرف بلانے کے لئے علم و حکمت کے دامن کو سنبھالا، تو کبھی اس نے شیریں دہانی سے گفتار دبرانہ کا نمونہ پیش کیا، لہذا یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ کہ میڈیا نے اسلام کے آنکھیں کھو لی، اور اسی کے سایہ میں وہ پروان چڑھا، کیونکہ اسلام اپنے جلو میں ایک عالمی اور آفاقی دین لے کر تمددا رہا تھا، جس کا عالمی اور آفاقی پیغام نوع انسانی کے لئے شفقت و محبت پیدا کرنا تھا، انہیں امن و سلامتی کے ساتھ زندگی کے مرحل طریقے کا سلیقہ سکھانا تھا، ان کے درمیان اخوت و بھائی چارگی کی روح پر و رضا قائم کرنی تھی، نیکیوں کی طرف بلانا اور برائیوں سے بچانا تھا، چنانچہ اسی بنیادی اور

تاریخ انسانی نے ہر دور میں میڈیا MEDIA کی افادیت کو سراہا اور تسلیم کیا ہے، اور اس کی نافعیت ہر زمانہ میں برقرار رہی ہے، البتہ دور حاضر میں یہ انسانی معاشرہ کی ایسی ضرورت ہو گئی ہے جس کو کبھی اس کے تن سے جدا نہیں کیا جاسکتا، یہ کبھی انسانیت کو تعمیر و ترقی اور فلاح و بہبود کی منزل کی طرف لے جانے اور کبھی اس کے محل کو مسماں اور تاریخ کرنے میں اہم روول ادا کرتا ہے، تو کبھی افراد قوم کے عزم و حوصلہ کی تلوار کو زندگ آسود کرنے اور کبھی ان کے اخلاق و کردار کو جلا بخشنے میں ایک موثر کردار ادا کرتا ہے، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہو گا کہ یہ دو دھاری تلوار کے مانند ہے، جہاں اس کا صحیح اور درست استعمال انسانیت کے تن مردوں میں جوش و لولہ کی روح پھونکتا ہے، وہیں اس کا غلط اور بے جا استعمال انسانی زندگی کے لئے سم قاتل ثابت ہوتا ہے۔

دور حاضر میں ذرائع ابلاغ اور میڈیا کی ترقی اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس طور پر لگایا جاسکتا ہے کہ یہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر چھایا ہوا ہے، اس کے اثر و سونخ اور کار فرمائی کا عالم یہ ہے کہ شہر تو شہر گاؤں اور دیہات کی زندگی میں بھی یہ خون کی طرح دوڑ رہا ہے، اور علم و دانش کے بڑے بڑے اداروں، صنعت و تجارت کی عالمی منظروں، بڑی بڑی سیاسی پارٹیوں کی شہرت کا سارا کھیل میڈیا کے قاہری لئے بیٹھا ہے جس طرح عہد کہنن میں راجح مہاراجہ چوپال میں

کے اندر آئے ہوئے لفظ "بلاغ" کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، اور عصر حاضر میں اس کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، لیکن ان حقائق کے باوجود افسوس اور صد افسوس کے دور حاضر کا علمی میڈیا اسلام اور مسلمانوں کے سلسلہ میں وہی دہراتا ہے جو اسے استاد ازل نے روز اول سے سکھا رکھا ہے، آج کا علمی میڈیا جس پر مغرب کی اجارہ داری ہے، اپنی تمام سرگرمیاں اور اپنے جملہ وسائل کا استعمال اسلام کی شان و شوکت کو کم کرنے، اس کی تہذیب و ثقافت کے روشن چہرے کو ختم کرنے، اس

سائے میں ایک سرزین سے دوسری سرزین تک اپنی روحانی کرنیں بھیست رہا، اور انسانیت کی کشت و بیال کو سیراب کرتا رہا، اور بھٹکے ہوئے آہوں کو بھٹک کھینچ کر سوئے حرم لاتا رہا، یہاں تک کہ پہلی صدی ہجری کے اخیر تک اس کا پرچم دنیا کے اکثر و بیشتر حصہ پر لہرانے لگا، اور بنی نوں انسان کی ایک کثیر آبادی اس کی آغوش میں پناہ لینے لگی۔

ہر صاحب فکر و نظریہ تسلیم کرتا ہے کہ زبان و قلم دونوں افکار و نظریات کی ترویج کا سرچشمہ ہیں، مگر دونوں کے استعمال میں پروپیگنڈا کے ذریعہ اس کی اہنی دیوار میں شکاف ڈالنے کے لئے کر رہا ہے، وہ عالم اسلام اور مسلمانوں کو ہر جگہ سوا بدنام کر کے ان کے عزم و حوصلہ ختم کر دینا چاہتا ہے، اور اس کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے کہ انہیں یاں وقوط کی ایسی لامتناہی کھانی میں ڈھکیل دیا جائے جہاں سے کامیاب اور زندہ قوم کے مستقبل کے امکانات کے تمام دروازے بند ہو جاتے ہیں، اور عظمت رفتہ کی بازیابی کی راہ میں ٹکست خودگی کے احساس کا ایسا بھاری پھر کھدیا جائے کہ اس کے بارے میں سوچنے کے سارے سوتے خشک ہو جائیں، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہ مذموم ذہنیت اور ناپاک سازشیں جن کے بوجھ تلنے عالم اسلام کراہ رہا ہے، مغربی طاقتوں اور اسرائیل کے ظالم حکمرانوں کی ماختی میں انجام دی جا رہی ہیں جنہوں نے آزادی رائے، انصاف پسندی، قوموں کے حقوق کا احترام اور آپسی تعاون اور خیر سماں کا ڈھنڈ رہا پیش رکھا ہے، اور دنیا کو یہ باور کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ امن و سلامتی کا پرچم بردار اگر دنیا میں کوئی ہے تو وہ مغرب اور اسرائیل ہے۔

کس قدر انہیں ہے کہ بھیڑیا اپنے کو بکریوں کا محافظ قرار دے رہا ہے اور دنیا کی حماقت بھی قابل تعریف ہے کہ اس کی دھمیاں

ہر صاحب فکر و نظریہ تسلیم کرتا ہے کہ زبان و قلم افکار و نظریات کی ترویج کا سرچشمہ ہیں، مگر دونوں کے استعمال میں قدرے فرق ہے، تاثیر دونوں کی مسلم ہے، چنانچہ قلم کے ذریعہ واقعات و حادث کی تصویر کشی اور اس کی تفصیل و تشریح اور جہوں کی منتقلی کا کام کیا جاتا ہے۔ البتہ اس کے ذریعہ میں سے امنزینت، ٹیلی ویژن اور ریڈیو ہے، دوسری طرف زبان کے ذریعہ بھی افکار و خیالات، نظریات و رحمات منتقل کئے جاتے ہیں، مگر اس کے لئے بیان و خطابات کو سیلہ بنایا جاتا ہے، اور یہ کام کافر نسوں، جلد و جلوں میں کسی مسئلہ کو پیش کر کے یاقر ارادیں منظور کر کے کیا جاتا ہے، اور قرآن کریم میں جو لفظ بلاغ استعمال کیا گیا ہے، اس کا مفہوم ہی کلام کو دوسروں تک پوری دیانتداری اور سچائی کے ساتھ پہنچانا ہے، اور بلاغ یعنی پہنچانے کا انداز و اسلوب زمانے کی کروڑوں کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ لیکن انداز کے اختلاف کے باوجود ان کا نصب العین ہمیشہ ایک رہا، اور وہ نصب العین ہے افراد قوم کے درمیان اتحاد و سماجیت کا تحفظ، سماج میں محبت اور یگانگت، میں جول، بھائی چارگی اور رواداری کے جنبات کو مشتمل ہیں، اخلاقی انداز کو فروغ دینا اور قوی کردار کی تعمیر کرنا، تحریک کاری، نفرت و عداوت، عصیت و جہالت، غلط بیانی اور پروپیگنڈا سے دور رہنا، یہیں سے قرآن و حدیث

بکھیرنے والوں اور انسانوں کا لہو پینے والے درندوں اور ان کی ذہنیت کی ابتداؤ طلوعِ اسلام سے آج تک قائم ہے، جس کا اظہار قرآن نے چودہ سال پہلے کر دیا تھا اور قوم مسلم کو یوں خطاب کر کے آگاہ کیا تھا۔ (ولن ترضی عنك اليهود ولا النصارى حتى تتبع ملتهم قل إن هدى الله هو الهدى) ”یہودی اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے طریق پر نہ چلنے لگلو۔ صاف کہہ دو کہ راستہ بس وہی ہے جو اللہ نے بتایا ہے۔“ (سورہ بقرہ) لہذا ہمارا خیال ہے کہ موجودہ میڈیا کا جو استعمال ہو رہا ہے یعنی نوع انسانی کے دامن کوتار تار کرنے، امت مسلمہ کے خلاف پروپیگنڈا کرنے، اسے دہشت گرد قوم قرار دینے اور اس کے خلاف رائے عامہ کو ہموار اور نوع انسانی سے اس کو الگ تھلک کرنے کی مذموم حرکتوں کی اتوع جوشی جانوروں سے بھی نہیں کی جاسکتی ہے، چہ جائے کہ مہذب انسانوں سے ان کا صدور ہو، کس قدر عقل کو بہوت کرنے والی بات ہے کہ جانوروں کی سوسائٹیاں اور ان کا سماج اس طرح کے وحشیانہ اعمال سے پاک ہو، مگر انسان کہلانے والی مہذب قوم کا سماج اس طرح کی قبیح لعنتوں میں گلے گلے ڈوبا ہوا ہو، عقل حیران ہے کہ اس نوع کے سماج کو کس عنوان سے یاد کرے۔

میڈیا کا یہ دورخاپن نہ صرف تشویشاں کے ہے، بلکہ پوری نوع انسانی کو تباہی کے دہانے سے قریب تر کرنے کی ایک گھناؤنی کوشش ہے، چنانچہ آج میڈیا پر حن لوگوں کا تسلط ہے ان کا یہ انسانی فرض بنتا ہے کہ وہ اس کو تعمیری اور انسانیت کے دکھ در کامداوا کرنے کے لئے استعمال کریں، وہ دن دو رہیں ہے، جب میڈیا کا یہ زرخوداں کے وجوہ میں سرایت کر جائے گا، اور ان کے وجود کو مٹا کردم لے گا، کیوں کہ یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ”جاہ کن را چاہ در پیش“ اسی لئے مغربی میڈیا کے اجارہ داروں کو ہوش کا ناخن لینا چاہئے اور حکمت دو اتنا تیکی رہا پنا کہ انسانیت کی حفاظت کا سامان کرنا چاہئے۔

بکھیرنے والوں اور انسانوں کا لہو پینے والے درندوں اور ان کی ترقی، سرمی، گلگتی، لاشوں کو دیکھ کر تھر کرنے والوں کو واقعتاً امن و سلامتی کا ضامن تصور کر رہی ہے، ایسا کیوں؟ اس لئے کہ مغربی میڈیا نے اقوام عالم کو ایسی افیوں کی گولی کھلا دی ہے کہ پوری دنیا میڈیا کی افیوں سے مدھوش ہے۔ کیا آج آپ کو عالمی میڈیا کے اندر سچائی و امان تداری کی کوئی خوبی نظر آتی ہے، کیا اس کے اندر عوام کے احساسات و جذبات کے احترام کی کوئی کرن دکھائی دیتی ہے؟ اور مسلمانوں کے تعلق سے واقعہ کی صحیح تصویر کیسی کسی ادنیٰ نمونہ کی کوئی جھلک جو تصویر کے سچے رخ کو پیش کر دے؟ آج کا عالمی میڈیا عالم اسلام کی تمام ترقی علمی اور شفاقتی سرگرمیوں اور نوع انسانی کی تعمیر و ترقی میں ان کی تمام تر کدکوشاں اور جہد یہیم پر اس طرح پر دہلاتا ہے کہ جیسے عالم اسلام پر کبھی تہذیب و ثقافت اور علوم و فنون کی فصل بہار گذری ہی نہیں، حالانکہ پوری دنیا بالخصوص یورپ کے ظلمت کدوں کو علم سے روشناس کرانے والا اسلام اور اس کے ماننے والے ہیں۔

اس کے برعکس کسی غیر اسلامی ملک کے معنوی سے واقع کو پہاڑ بنا کر پیش کرتا ہے، اور اس کو عالمی منظر نامے پر لانے کیلئے اپنی تمام کوشش صرف کر دیتا ہے، اور غیر معنوی اہمیت کے ساتھ اس کو دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے، چاہے پیش کردہ تصویر اور حقیقی تصویر میں واضح تقدار پایا جاتا ہو، لہذا اگر آج ہم انسانی قدروں کی بات کریں اور عالمی میڈیا کے میدان میں اس کو تلاش کریں تو یہ دیوانے کی بڑے کم نہیں، کیونکہ آج اس کا نصب اعین صرف اور صرف مسلمانوں کے مضبوط و مستحکم وجود کو کمزور کرنا، اس کی ثقافت و تہذیب کو ملیا میٹ اور اس کی جزوں کو کھو کھلا کرنا ہے، بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ آج کا مغربی میڈیا عالم اسلام اور پیر و ان اسلام کے خلاف عسکری یلغار کا ایک رمز ہے، اس کی اس طرح کی یورش اور اس کی اس ناپاک

صحافت

اہمیت اور ضرورت

محمد اکبر بارہ بیکوئی ندوی دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

صحافت عجلت میں لکھا گیا ایک ادب ہے۔ اس تعریف سے سے نکلے ہیں۔ لیکن ہمارے یہاں جرنلزم (Journalism) اور جرنلٹ (Journalist) کے ترجیح کے طور پر ہی رائج ہیں۔ صحافت کی اصطلاح اگرچہ موقع الشیوع یعنی وقفہ وقفہ سے شائع ہونے والے اخبارات یا رسائل کے لیے استعمال ہوتی ہے، لیکن اب ریڈیو اور ٹیلویژن سے بھی خبریں اور حالات حاضرہ پر تبصرے، انٹرویوز اور پیچرس نشر ہوتے ہیں، اور ان کی ترتیب و تزیین بھی صحافی ہی کرتا ہے، اور اسے ریڈیوی ای صحافت کہا جاتا ہے۔ اس طرح صحافت کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا ہے۔ اب تو اخبارات و رسائل اور دوسری مطبوعات کے لیے طباعتی ذرائع ابلاغ (Objective Reporting) اور ریڈیو، ٹیلی ویژن، فلم کیسٹ اور دوسرے سمعی و بصری ذرائع کے لئے بر قیاتی ذرائع ابلاغ (Electronic Media) کی اصطلاحات استعمال ہونے لگی ہیں۔ ان تمام ذرائع ابلاغ پر مشتمل مربوط اور ہمہ گیر نظام کو اطلاعات کا نظام کہا جاتا ہے۔

معاصر دنیا کی ترجمانی، ماحول کی عکاسی، رائے عامہ کی نباضی اور مختلف انداز فکر کا تجزیہ صحافت کی اصل روح ہے۔ صحافت کی تعریف مختلف لوگوں نے اپنے اپنے انداز سے کی ہے۔ بعضوں نے تو ایسی تعریف کی ہے جس میں صحافت کی تذمیل کا پہلو لکھتا ہے، مثلاً ایک انگریز ادیب کے بقول "پھر جیسے جیسے میدان طباعت میں عمدگی آتی گئی، اخبارات کی

اشاعت میں خوشنگوار اضافہ ہونے لگا۔ دھیرے دھیرے اخبارات کی اہمیت کا احساس بھی لوگوں کے دلوں میں پیدھ گیا، عالمی سطح پر قائم اور منظم کرنے پر بھرپور توجہ دی ہے، اور اب وہ اس طاقت سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہے ہیں، ان کی قائم کردہ ایجنسیوں سے پوری دنیا میں فائدہ اٹھایا جا رہا ہے، اور معلوم دنیا میں ان کا جال پھیلا ہوا ہے، اطلاعات کے ترقی یافتہ نظام میں ابلاغ کے وہ تمام ذرائع شامل ہیں جن کے توسط سے ہر نوعیت کی قومی اور بین الاقوامی خبر، حالات و کوائف اور اطلاعات و معلومات ایک جگہ سے دوسری جگہ تک اور عالمہ الناس تک پہنچائی جاتی ہیں۔ ان ذرائع میں قومی و بین الاقوامی خبر رسان ادارے، ریڈیو، ٹیلی ویژن، فلمیں، اخبارات، رسائل، جرائد، مصور جرائد، اشتہارات دینے اور تیار کرنے والے ادارے، کیسٹ، کتابیں، پبلیٹ اور ماہرانہ تبصرے فراہم کرنے والے سنڈی کیٹ شاٹل ہیں۔

سامراجی ممالک خواہ امریکہ اور برطانیہ ہوں یا روس و فرانس، وہ اپنے مخصوص مفادات رکھتے ہیں۔ تیسری دنیا کے ممالک کو اپنی منڈیاں اور چڑاگاہیں بنائے رکھنا چاہتے ہیں۔ امریکہ اگر انہیں مغرب کی اخلاق بانٹنے مددانہ تہذیب کے رنگ میں رکننا چاہتا ہے تو روس انہیں کارل مارکس (یہودی) اور لینن کے پیش کردہ اشتراکی شکنچے میں جکڑنے کے لئے پروپیگنڈے کا جال بچانے میں مصروف رہتا ہے۔ ان مذموم کوششوں کی سب سے زیادہ مزاحمت اسلامی ممالک میں ہوئی ہے۔ کیونکہ مسلمان جس دین حق کے علمبردار ہیں، وہ باطل کی طرح دوئی پسند نہیں، بلکہ لاشاریک ہے، چنانچہ اسی لئے یہ ممالک صہیونیوں، سامراجیوں اور کیونسوں کی زد پر ہیں، سامراجی اطلاعاتی نظام اسلام اور مسلمان قوموں کے خلاف ہمیشہ زہر افشا نی کرتا رہتا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے ازلی دشمن یہودی اس صورت حال کا بطور خاص

صحافت اپنے ابتدائی دور میں رکاوٹوں اور پریشانیوں کا سامنا کرتی ہوئی مقبولیت کے درجے کو پہنچ گئی۔ اس کے بعد باکانہ تھروں اور رسوائیں تجزیوں اور باغیانہ رویہ سے حکمراں اور سیاست داں طبقہ کو بڑی تشویش لاحق ہوئی۔ ان اخبارات پر اتنی مقدار میں ٹیکس لاؤ کر دیا گیا جن کی ادائیگی سے یہ قاصرہ جائیں اور اخبارات کی اشاعت کا یہ سلسلہ منقطع ہو جائے۔

انیسویں صدی کے نصف آخر میں صحافت کی دنیا میں خوشنگوار انتقال آیا۔ اخبارات کو ٹیکس سے مستثنی قرار دینے کے لئے عوامی مطالبات زور پکڑنے لگے، جن کے آگے پیشتر ممالک کی حکومتوں کو جھکانا پڑا، تیکمکی ترقیات نے ذرائع ابلاغ کے نظام کو استحکام بخشنا۔

ہندوستان کا سب سے پہلا اخبار ”ہلی بیگال گزٹ“ (Hicky's Bengal Gazette) ۱۸۰۰ء کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے طباعتی امور کے مدیر جیمس آکسٹن ہکی (James Augustus Hicky) نے آنگریزی زبان میں شائع کیا تھا۔

آزاد ہندوستان میں صحافت نے کچھ زیادہ ہی ترقی کی۔ ۱۹۷۴ء کے بعد سے ہندی، آنگریزی، اردو اور دوسری زبانوں کے اخبارات کی اشاعت میں خوش آئندہ اضافہ ہوا۔ سائنس اور تکنالوجی کے میدان میں ترقی یافتہ قوموں نے اس نظام کو درجہ کمال تک

فائدہ اٹھاتے ہیں، وہ سرخ و سفید سامراج کی گود میں بیٹھ کر انتہائی پیشہ و رانہ مہارت اور چاہکدستی کے ساتھ اسلامی قوتوں کو بدنام و کمزور کرنے، ان کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کرنے اور مسلم عوام و خواص کو گراہ کرنے کا عیارانہ حکیلہ رہتے ہیں۔

موجودہ ذرائع ابلاغ کو ہم درج ذیل اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں:

(۱) طباعی ذرائع ابلاغ جن کو Print Media کہا جاتا ہے۔ اس میں اخبارات و رسائل، کتب، پکیٹ اور پوسٹر وغیرہ شامل ہیں۔

(۲) بریقیٰ ذرائع ابلاغ (Electronic Media) اس میں ریڈیو، ٹیلی ویژن، وی.سی. آر. فلمیں، ٹیلی موصلات اور ایٹرنسیٹ شامل ہیں، پھر ان میں دونوں طرح کے ذرائع

ابلاغ کی حسب ذیل علیحدتیں ہیں:

ماقی ذرائع ابلاغ (Local Media) جو قصبہ، شہر اور صوبہ کا سانسی و تہذیبی اور جغرافیائی پس منظر رکھتے ہیں، یا کسی سانسی، نہ بھی اور جغرافیائی گروہ کی نمائندگی کرتے ہیں۔

قومی ذرائع ابلاغ (National Media) جو ملکی تاظر رکھتے ہیں، اور پورے ملک کی خبر سانسی کا کام کرتے ہیں۔

بین الاقوای ذرائع ابلاغ (International Media) جو بہت سے ممالک کے اہم واقعات اور خبروں کی ترییل کا اہتمام کرتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ کی دنیا میں تازہ ترییل کا اہتمام کرتے ہیں۔

ترین اصطلاح Trans National Media رائج ہو چکی ہے، جسے انٹرنیشنل میڈیا کہا جاسکتا ہے۔ اس میں اہم بین الاقوای خبر سان ایکنسیاں شامل ہیں۔

واضح رہے کہ تمام متذکرہ ذرائع ابلاغ پر آج مغرب پوری طرح اپنے شکنچے کے ہوئے ہے، اور اس کے پس پر وہ یہودی ذہن

جائے، اور اگر آج حقیقت پسندی کے ساتھ اس کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت بالکل آشکارا ہو جائے گی کہ وہ اپنے ان مقاصد کی تکمیل میں کافی حد تک کامیاب نظر آ رہے ہیں، لمبڑا ایسے نازک موقع اور گھری میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے اور ان ذرائع ابلاغ کے تین ان کا موقف اور روایہ کیسا ہونا چاہئے؟ اس کا جانا اور اس کو حل کرنے کی ہمکن کوشش کرنا ہر مسلمان کا لازمی فرضیہ ہے۔

اس کے لئے ہمیں اپنے معاشرتی اور اجتماعی رویوں میں

ضروری تبدیلی کرنی ہوگی۔ اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا اور اس کر کے ان کا انسداد کرنا ہوگا۔ ساتھ ہی ساتھ ہمیں اپنے دفاعی نظام کو بھی مضبوط کرنا ہوگا اور اپنے کو پر عزم و پر حوصلہ اور باہم رکھنا ہوگا۔ یہ حقیقت بھی اپنے سامنے رکھنی ہوگی کہ مغرب کے نظریات اور علمی سطح کے جو حملے ہیں ان کا دفاع اور مقابلہ ہمارے لئے مشکل نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کے قائم کردہ ضوابط اور وضع کرده قوانین کو حکملے اور بے بنیاد ہیں، اور اسلام کے قوانین ہوں بنیادوں پر قائم ہیں۔

جس طرح ہر زندہ دل قوم اپنا اثر و سورخ پیدا کرنے کے

لیے صحافت کے میدان میں کوشش کرتی ہے، اور اپنی نسل کو صحافیانہ تربیت دیتی ہے، اسی طرح ہم مسلمانوں کو بھی انہیں

واضح رہے کہ تمام متذکرہ ذرائع ابلاغ پر آج مغرب پوری اسلام کے جائز مفادات میں استعمال کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے، اور اپنی نسل کو صحافیانہ تربیت دینی چاہئے۔

ابوبکر رہبر

ذرائع ابلاغ اور انسانی قدریں

ذرائع ابلاغ اور انسانی قدریں ایک دوسرے سے انسانی قدریں کی ثبت یا منفی پیش کش ذرائع ابلاغ کے کاروں اس طرح پیوستہ ہیں کہ کوئی بھی ابلاغی ذریعہ انسانی قدریں بارگا بہترین ذریعہ ہے۔ اسی لیے انسانی قدریں کے تحفظ، انسانی اقدار کی پامالی اور انسانی حقوق کی جگہ جیسے موضوعات کی ثبت یا منفی پیش کش کے بغیر نہ مقصہ شہود پر آسکتا ہے، اور نہ اس کی نشر و اشاعت و ترسیل ہی انسانی قدریں کے ذکر کے بغیر وقوع پذیر ہو سکتی ہیں۔ یونیورسٹی آف لاس ان اینڈ چینوا کے ذریعہ یونیورسٹی کی تحقیق کے مطابق دنیا کے ۵۰ ممالک میں، جن میں ایشیا کے ۹ ممالک بھی شامل ہیں، مختلف ذرائع ابلاغ میں انسانی قدریں کے ثبت یا منفی تناسب کے یومیہ اعداد و شمار اس طرح ہیں:

ٹیلی ویژن	45%
کمپیوٹر	27%
ریڈیو	11%
پرنٹ میڈیا	9%
ٹیلی فون، فلم، کھیل اور دیگر معلوماتی ذرائع	5%
تعلیم	3%

اگر ان اعداد و شمار کو ہم مفروضہ تصور کر لیں، تب بھی یہ ایک حقیقت ہے کہ ذرائع ابلاغ سے انسانی قدریں کا بہت گہرا رشتہ ہے۔ ذرائع ابلاغ کی عوامی مقبولیت کا انحصار ہی انسانی قدریں کی ثبت یا منفی پیش کش پر ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر البتہ انسان پیدائش سے پہلے ہی کمپیوٹر کے ذریعے جمل

کی تشخیص کرتا ہے، اور لڑکی ہونے کی صورت میں اسقاط کر دیتا ہے۔ رحم مادر میں وجود پانے والے بچے کی جنس کے تشخیصی مرکز کے اشتہارات بھی ذرائعِ ابلاغ میں جگہ پاتے ہیں اور اسقاطِ عمل کی شرح پر تشویش اور انسانی قدروں پر آنسو بھی انہی کے ذریعے بھائے جاتے ہیں۔

بچوں کی پیدائش کے بعد نوزاںیدہ بچوں کی ماں کے دودھ پلانے کی اہمیت پرمایمن اور ماہرین اطفال کے انتہاویز بھی شائع ہوتے ہیں۔ خشک دودھ کے ڈبوں کے اشتہارات بھی انہی ذرائعِ ابلاغ میں پائے جاتے ہیں۔ یہ صورت حال یوں تو تمام زبانوں اور ممالک کے ذرائعِ ابلاغ میں پائی جاتی ہیں، لیکن جن زبانوں سے ہماری جذباتی و روحانی وابستگی ہے، ان زبانوں کے اخبارات و رسائل اور ٹو ولی چینلوں پر بھی عورت کے مستور لباس، مشرقی اقدار اور دینی احکام کے ساتھ ساتھ عورت کی جسمانی فتنس کے لیے مختلف ورزش کی مشینوں کے اشتہارات انہائی چست لباس یا نیم برہنہ خواتین کے عملی مظاہروں سے پاک نہیں ملتے۔

ان مثالوں کے تذکرے کا مقصد صرف یہی ہے کہ رحم مادر میں تنکیلیں پانے والے وجود سے لے کر انسان کی موت اور موت کے بعد اس موت کے اسباب و عمل تک ذرائعِ ابلاغ کا تعلق انسانی زندگی اور اس کی قدروں سے وابستہ ہے، جس کا مظاہرہ ابھی حال ہی میں اسماء بن لاون کی موت پر ساری دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ایسے ہی کئی انسانوں کی موت کے بعد بھی ذرائعِ ابلاغ کا تعلق متوفی کے وجود سے خبروں کی منفی خیزی کے لیے جاری و ساری رہتا ہے۔

ہاؤس دیلی ۲۰۰۸ ص: ۲۲۶۲۱

کو منتش کر دیا گیا ہے۔ مختلف مذاہب کے یہ سنگی نقوش ذرا رئے کندہ کیے جاتے تھے۔ اسے ہم عہد سنگ بھی کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں محمد عقیق صدقی لکھتے ہیں:

”پرانے زمانے کے کتبے اور ستون..... خبر سانی کی ابتدائی تاریخ کی گکشہ کڑیاں ہیں۔ اس زمانے میں ستونوں اور چٹانوں پر عبارتیں کندہ کر کے سرکاری قوانین، عہد قدیم میں قلمی خبرناموں کے بارے میں محمد عقیق صدقی لکھتے ہیں:

”حضرت مسیح سے کوئی ۱۵۷ برس پہلے رومان راج میں روزانہ ایک قلمی خبرنامہ جاری کیا جاتا تھا، جس میں سرکاری اطلاعیں، نیز میدان جنگ کی خبریں بھی ہوتی تھیں۔ اس قلمی خبرنامے کو ”اک ناڈیوری نا“ کہتے تھے۔ یہ لاطینی زبان کا لفظ ہے جو Durna اور Acta سے مرکب ہے۔ اول الذکر کے معنی ہیں کارروائی اور موخرالذکر کے روزانہ۔“

(”اردو صحافت اور حضرت موبہانی“ ڈاکٹر شریف الدین، امجد یکشن پبلیشنگ ہاؤس دہلی، ۲۰۰۵، صفحہ ۲۲)

کتب اور اخبارات و رسائل کی طباعت میں چین کو سبقت حاصل ہے۔ وہاں سے نہ صرف طباعت کا آغاز ہوا بلکہ چینی رسم الخط کو سب سے زیادہ قدیم بھی مانا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر محمد شاہد حسین لکھتے ہیں:

”چین کی تہذیب بھی تحریر کے سلسلے میں پوری دنیا میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔ گوکہ وہاں دستیاب ہونے والی سب سے قدیم کتاب کا زمانہ ۲۱۳ قم بتایا جاتا ہے، جو ریشم پر تحریر ہے، مگر تحقیقیں اس بات پر متفق ہیں کہ چین میں تحریر کا وجود ۳۰۰۰ قم سے ہی تھا۔“

(”ابلاغیات“ محمد شاہد حسین، امجد یکشن پبلیشنگ ہاؤس

ایک زمانے میں مذہبی داستانیں اور اقوال پھرلوں پر کندہ کیے جاتے تھے۔ اسے ہم عہد سنگ بھی کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں محمد عقیق صدقی لکھتے ہیں:

”پرانے زمانے کے کتبے اور ستون..... خبر سانی کی ابتدائی تاریخ کی گکشہ کڑیاں ہیں۔ اس زمانے میں ستونوں اور چٹانوں پر عبارتیں کندہ کر کے سرکاری قوانین، مذہبی احکام اور اخلاقی اصول لوگوں تک پہنچائے جاتے تھے۔ آگے چل کر ستونوں کی جگہ تانبے کی چادریوں نے لے

لی، جن پر عبارتیں گڑھی جاتی تھیں، اور جن کے پڑھنے سے اس وقت کے معاشرتی اور اقتصادی حالات کے بعض اہم پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ چٹانوں اور ستونوں پر عبارتیں کندہ کرنے کی مثالیں ہم کو دوسرے ملکوں کی تاریخ میں بھی ملتی ہیں۔ مثلاً بابل و نینوا کے شہروں میں بھی عبارتیں کندہ کی جاتی تھیں۔ اسی طرح کا ایک قدیم ترین سنگی کتبہ قدس (بیت المقدس) کے جنوب مشرق سرے کی ایک پہاڑی پر ملا ہے۔ اس کی زبان انجیلی عبرانی ہے اور ہر کتبہ کم و بیش سات سو سال قبل مسیح کا ہے۔“

(”ہندوستانی اخبارنویسی کمپنی کے عہد میں“ محمد عقیق صدقی، مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ ۱۹۵۷ء، صفحہ ۲۵)

پہاڑوں اور چٹانوں پر کتبوں کے کندہ کیے جانے کے علاوہ ان پر مصور اساطیری مذہبی داستانیں کندہ اور منتش بھی کی جاتی رہی ہیں۔ اس کی مثالیں اور نگ آباد اور اس کے قرب و جوار میں واقع الیورا اور اجنتا کی پہاڑیوں میں ملتی ہیں۔ الیورا میں اساطیری مذہبی داستانیں پہاڑ کو تراش کر پیش کی گئی ہیں، اور اجنتا میں پہاڑوں میں غارتراش کر اسی طرح کی داستانوں

(دہلی، ۲۰۰۳ء، صفحہ ۳۵)

ہزاروں سال قدیم علمی سرمایہ ہر کس دنکش کے لیے مفید اور
مختصر ہو گیا۔

(”ہندوستانی پریس“ نادر علی خان، اتر پردیش اردو اکادمی،
لکھنؤ، ۱۹۹۰ء، صفحہ ۱۱)

دنیا میں سب سے پہلا اور بڑا غیر انسانی واقعہ پہلے
انسان کا قتل تھا۔ اس واقعے کے بعد سے بالادتی، انا، اقتدار،
زندگی، زر اور زمین کے لیے مسلسل انسانوں کے درمیان خون
خراہ اور جنگیں ہوتی رہی ہیں۔ ایسے ہی واقعات کا نتیجہ تھا کہ
۱۹۲۱ء میں انگلستان میں لگ جان نے ”میکنا کارٹا“ جاری
کیا تھا۔ اس کی حیثیت امراء اور بادشاہوں کے درمیان ایک
قرارداد کی تھی جس میں عام انسانوں کے حقوق اور انسانی
رواداری کی کوئی گنجائش نہیں تھی، لیکن ستر ہو یں صدی میں اس
کی تشریح میں انسانی قدروں کا انکشاف کیا گیا اور بتایا گیا کہ
کسی مجرم پر جب مقدمہ چلے گا تو وہ کسی فرد واحد کے اجلاس پر
نہیں بلکہ ایک جیوری کے رو برو چلے گا۔ جس بیجا کے خلاف ہر
انسان کو دادرسی کا حق حاصل ہوگا اور نیکس لگانے کے
اختیارات پر کنٹرول کے حقوق انگلینڈ کے باشندوں کو حاصل
رہیں گے۔

انسانی قدروں کا جو تصور اسلام نے پیش کیا، وہ کہیں اور
نہیں پایا جاتا۔ اسلام نے انسان کو اشرف الخلقات کے
منصب سے تو نوازا ہی ہے، ساتھ ہی صحیفہ الہی میں یہ بھی ہے
کہ ساری کائنات ہم نے انسان کے لیے مسخر کر دی۔ اس سے
آگے بڑھ کر یہ کہ ”ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا
ہے“، یہ وہ اعزازات ہیں جو غالباً کائنات نے انسان کو عطا
کیے ہیں، اور انسانی اقدار کا جو وسیع تر تصور اور اس کی عملی مثالیں

چین میں طباعت کی اویت کو تاریخ صحافت کے
معروف محقق ڈاکٹر عبد السلام خورشید نے بھی اپنی کتاب فن
صحافت میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

”چین کے صوبے کانسو میں دنیا کی قدیم ترین کتاب
دریافت ہوئی۔ اس میں لکھا تھا کہ اس کتاب کو ”واچنگ پی لا“
نے ۱۸۶۸ء کو مفت تقسیم کرنے کے لیے چھاپا تھا کہ اس
کے والدین کی یاد کو دوام حاصل ہو۔“
(”فن صحافت“ عبد السلام خورشید، مجلس ترقی ادب لاہور،
۱۹۶۳ء صفحہ ۱۰)

ذرائع ابلاغ میں چین کی پیش رفت نے ساری دنیا پر
مطبوعہ ذرائع ابلاغ کے دروازے کھول دیئے۔ سواہویں صدی
کے اوآخر میں فرد اور معاشرہ پر کلیسا کے تسلط کے خلاف جب
پاپائیت اور کلیسا کے خلاف آوازیں بلند ہونی شروع ہوئیں تو
اس دور میں کافی پھیلت بازی چلی۔ اس دور میں یورپ کے
مختلف مقامات سے اخبارات کا اجراء عمل میں آیا، اور اسی دور
میں پہلی مرتبہ انسانی قدروں کی بنیاد پر انسانی حقوق کے تحفظ کی
 ضرورت کو شدت سے محسوس کیا گیا۔ قبل اس کے کہ انسانی
قدروں کی بنیاد پر انسانی حقوق کی تدوین کی تاریخ پر روشنی ڈالی
جائے، نادر علی خان نے لکھا ہے:

”انسانی فتوحات میں رسم الخط کی ایجاد و ارتقاء ایک عظیم
الشان کارنامہ ہے جس کی مدد سے انسان نے اپنے قلبی
احساسات اور ذہنی افکار کے بحر ناپیدا کنار کو کوزہ میں بند کر لیا
ہے، اور فن طباعت کی ایجاد نے تو سونے پر سہاگے کا کام کیا۔
چنانچہ جملہ علوم و فنون صفحہ قرطاس میں سست کر آگئے اور

اسہ حسنے کے ذریعے پیش فرمادی ہیں، اس کی نظیر تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ اندازی کی ممانعت ہے۔ یہ اصول اپنی قوم کے لیے خاص نہیں ہے، بلکہ پوری انسانیت کے ساتھ یہی اصول برداشتے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں بڑی واضح ہدایات دی ہیں۔ خلفائے راشدین کا یہ حال تھا کہ وہ جب دشمنوں سے مقابلہ کے لیے فوجیں روانہ کرتے تھے تو پوری فوج کو یہ صاف ہدایت دیتے تھے کہ دشمن پر حملہ کی صورت میں کسی عورت، بچے، بوڑھے، زخمی اور بیمار پر ہاتھ نہ ڈالا جائے۔

تحفظ ناموسِ خواتین

ایک اور حق جو ہمیں قرآن سے معلوم ہوتا ہے، اور حدیث میں بھی اس کی تفصیلات موجود ہیں، یہ ہے کہ عورت کی عصمت ہر حال میں واجب الاحترام ہے۔ جنگ کے اندر دشمن کی عورتوں سے بھی اگر سابقہ پیش آجائے تو کسی مسلمان سپاہی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ان پر ہاتھ ڈالے۔ قرآن کی رو سے بدکاری مطلقاً حرام ہے۔ خواہ وہ کسی بھی قوم و مذہب کی عورت سے کی جائے۔

معاشری تحفظ

ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ بھوکا آدمی ہر حالت میں اس کا مستحق ہے کہ اسے روٹی دی جائے، نگاہ ہر حالت میں اس کا مستحق ہے کہ اسے کپڑا دیا جائے۔ زخمی اور بیمار آدمی ہر حالت میں اس کا مستحق ہے کہ اسے علاج کی سہولت فراہم کی جائے۔ قطعی نظر اس سے کہ وہ بھوکا، نگاہ، زخمی یا مریض شخص دشمن ہو یا دوست۔ یہ عمومی Universal حقوق میں سے ہے۔ دشمن کے ساتھ بھی ہم یہی سلوک کریں گے۔ اگر دشمن قوم کا کوئی فرد ہمارے پاس آجائے گا تو ہمارا فرض ہو گا کہ اسے بھوکا نگاہ رہنے دیں۔ اور زخمی یا بیمار ہو تو اس کا علاج کرائیں۔

قرآن مجید میں دنیا کے سب سے پہلے واقعہ قتل کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ انسانی تاریخ کا اولین ساختہ تھا جس میں ایک انسان نے دوسرے انسان کی جان لی۔ اس وقت پہلی مرتبہ یہ ضرورت پیش آئی کہ انسان کو انسانی جان کا احترام سکھایا جائے اور اسے بتایا جائے ہر انسان جینے کا حق رکھتا ہے۔ اس واقعے کا ذکر کرنے کے بعد قرآن کہتا ہے: ﴿ من قتل نفساً بغیر نفس او فساد في الأرض فكأنما قتل الناس جميعاً، و من أحياها فأنما أحيا الناس جميعاً ﴾ (ترجمہ) جس نے کسی تنفس کو، بغیر اس کے کہ اس نے قتل نفس کا ارتکاب کیا ہو، یا زمین میں فساد انگیزی کی ہو، قتل کر دیا، اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کیا، اور جس نے اسے زندہ رکھا تو اس نے گویا تمام انسانوں کو زندہ رکھا۔

اس آیت میں قرآن کریم نے ایک انسان کے قتل کو پوری انسانی دنیا کا قتل بتایا ہے، اور اس کے مقابلے میں ایک انسان کی جان بچانے کو پوری انسانیت کی جان بچانے کے متراوف ٹھہرایا ہے۔

معدوروں اور کمزوروں کا تحفظ

دوسری بات جو قرآن سے معلوم ہوتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے واضح ہے، وہ یہ ہے کہ عورت، بچے، بوڑھے، زخمی اور بیمار کے اوپر کسی حال میں بھی دست اندازی جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ اپنی قوم سے تعلق رکھنے ہوں یا دشمن قوم سے۔ الایہ کہ جنگ کی صورت میں یہ افراد خود برسر پیکار ہوں۔ ورنہ دوسری ہر صورت میں ان پر دست

کروار کا نمونہ ہوتا جو صحت مند ہندوستانی سماج کی تعمیر کا ذریعہ

ثابت ہوتا۔“

(”ذرائع ابلاغ اور مسلمان“ پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی،
یوپی رابطہ کمیٹی، علی گڑھ، ۱۹۹۷ء، صفحہ ۱۱)

ساماجی اور معاشرتی براہیوں اور ضعیف الاعتقادی کے
سلسلے میں ذرائع ابلاغ کے رویے کے مطابق یہ اقتباس
ملاحظہ فرمائیں:

”ریڈیو کے مقابلے میں ٹوی وی کی خبریں اب زیادہ عام
ہو رہی ہیں، یہاں تک کہ جھونپڑپیوں کے اوپر بھی ٹوی کے
لبخینما آوزیاں نظر آتے ہیں، ان پروگراموں اور فلموں کو زیادہ
مقبولیت حاصل ہوئی ہے، جو عوامی دلچسپیوں اور ضیافتؤں سے
متعلق ہیں۔ مگر اس کا یہ پہلو بھی کس قدر تاریک ہے کہ عوام
میں ضعیف الاعتقادی، تو ہم پرستی اور بے جار سمات کو اپنانے
میں ٹوی وی کو بھی دخل ہے۔“

متعدد ماہرینِ نفیات و سماجیات نے خبر سان اینجنسن یو
این آئی سے بات چیت کے دوران یہ خیال ظاہر کیا کہ اس دور
میں سماجی و معاشی مسائل میں روز افزون اضافہ اور ذرائع
بلاغ کے غلط استعمال کی وجہ سے لوگوں کا کرامات میں یقین
اور توہم پرستی بڑھ رہی ہے۔“

(”ذرائع ابلاغ اور مسلمان“ پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی،
یوپی رابطہ کمیٹی، علی گڑھ، ۱۹۹۷ء، صفحہ ۲۵)

مجھے یقین ہے کہ میری غیر مریوطی یہ چند سطحیں میڈیا
کی اہمیت اور اس کے موجودہ رویے کو مجھنے میں معاون ثابت
ہوں گی۔ اور ارباب فکر و نظر بھی ان کے پیش نظر ملت کے لیے
کروار ادا کرنے پر متوجہ کرنا وغیرہ اگر ایسا ہوتا تو اعلیٰ صحافیانہ کوئی لا جھ عمل طے کر سکیں گے۔☆☆☆

سماوات کا حق

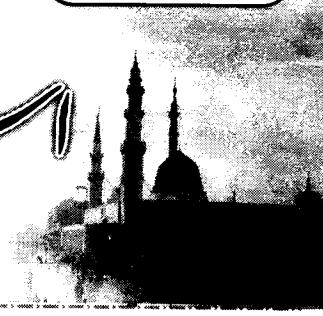
ایک اور اصول جسے قرآن کریم نے بڑے زورو شور کے
ساتھ بیان کیا ہے، وہ یہ ہے کہ تمام انسان یکساں ہیں۔ اگر کسی
کو فضیلت حاصل ہے تو وہ اخلاق کے اعتبار سے ہے۔ اس
معاملے میں قرآن کا ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا
خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكْرٍ وَأُنْثِيٍّ وَجَعَلْنَاكُمْ شَعُوبًا وَ قَبَائِلَ
لِتَعْلَمُوا، إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَنْفَاقَكُمْ﴾۔ (ترجمہ)
اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا
اور تمہیں گروہوں اور قبیلوں میں اس لیے بانٹا کہ تم ایک
دوسرے کو پیچان سکو۔ پیشک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے
جز زیادہ متقی ہے۔

خواتین کے حقوق کے نام پر آئے دن مختلف تنظیموں
اور ذرائع ابلاغ اپنی دکان چکاتے رہتے ہیں، اور خواتین کی
ہمدردی حاصل کرنے کی کوششیں ہوتی رہتی ہیں۔ اس کا
مقصد خواتین کی ہمدردی سے زیادہ کسی شر کو ہوادیا ہوتا ہے۔
ملاحظہ فرمائیں:

”اگر عورتوں کو حق دلانا اور مسلمانوں کو اپنی اصلاح پر
متوجہ کرنا ہوتا تو وہ ان مسائل کو پہلے موضوعِ خحن بناتے جن کو
اسلام بھی اہمیت دیتا ہے۔ مثلاً دراشت میں لڑکوں کو حصہ دینا
، اسلام لڑکوں کو ہر طرح کی جائز داد میں حق دیتا ہے، مگر
حکومت دہلی نے ۱۹۵۳ء اور یوپی سرکار نے ۱۹۵۰ء کے
اصلاح اراضی قانون کے مطابق لڑکوں کو زرعی زمین کے
 حصہ سے محروم کر دیا۔ اسی طرح عورتوں کو شرمن و حیا، شرافت اور
خاندانی وجاہت، اخلاق و اقدار کو فروع دینے میں بنیادی
کروار ادا کرنے پر متوجہ کرنا وغیرہ اگر ایسا ہوتا تو اعلیٰ صحافیانہ کوئی لا جھ عمل طے کر سکیں گے۔☆☆☆

اسلامی ادب میں صحافت کا تصور

اقبال احمدندوی دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ



آخرت کی باتیں اللہ کے بندوں تک پہنچانا ہے، انہیں جنت کی خوشخبری سانا اور جہنم سے ڈرانا ہے، اسی لئے بار بار ”بلاغ“ کا لفظ ارشاد فرمایا گیا ہے، بلکہ البلاغ و ترسیل اتنا ہم فریضہ ہے کہ اس کی ذمہ داری صرف نبی کریم ﷺ پر ہی نہیں بلکہ ساری امت پر ڈالی گئی ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿فَلَوْلَا نَفْرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ ذَلِيلَةٌ هِيَ كَهْنَةٌ يَجْعَلُهُمْ هُوَ كَهْنَةً﴾ کہ یہ دور ہی میڈیا کا دور ہے۔ اس وقت ساری دنیا ایک خاندان کی حیثیت میں آگئی ہے، دنیا کے کسی بھی گوشے میں کوئی واقعہ پیش آتا ہے تو آنا فانا ساری دنیا میں اس کی خبر یہ ہو چکی ہے، یہ سب میڈیا کا ہی کمال ہے۔

قرآن کریم کی مختلف آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے بارے میں ایسے مضامین ارشاد فرمائے ہیں جن سے صحافت پر بھی روشنی پڑتی ہے، چنانچہ اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی شان میں فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَ مُبَشِّرًا وَ نَذِيرًا، وَ دَاعِيًّا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَ سَرَاجًا مُنِيرًا﴾ (سورۃ الأحزاب: ۴۶-۴۵) دوسرا جگہ ارشاد ہے:

﴿مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ﴾ (سورۃ المائدۃ: ۹۹) ایک جگہ اس طرح رسولوں کی ذمہ داری واضح فرمائی: ﴿فَهَلْ عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ﴾ (سورۃ النحل: ۳۵) کافروں کے اعراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿فَإِنْ تَوْلِيتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ﴾ (سورۃ المائدۃ: ۹۲)۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ رسولوں کی اصل ذمہ داری کی ہوتیں ان سے عوام کو بھی ہر کاروں کے ذریعہ آگاہ کرتے تھے

صحافت انسان کی بنیادی ضرورت ہے، اس لئے صحافت اور میڈیا کا یہ ذریعہ ہمیشہ اور ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں انسانوں میں موجود رہا ہے، اس وقت بھی جب فن طباعت شروع نہیں ہوا تھا، اور نہ موجودہ دور کے ترقی یافتہ اخباروں کا اور نہ الکٹرائیک میڈیا کا کوئی تصور تھا، باہم بہان وقت اس مقصد کے لئے اپنے پرچنہ نویں اور وقاری نگار مقرر کرتے تھے، اور ان کی مہیا کی ہوئی اطلاعات کی روشنی میں عملی اقدامات کیا کرتے تھے، اور جو اطلاعات عام دیکھیں اور عوام کے فائدے کی ہوتیں ان سے عوام کو بھی ہر کاروں کے ذریعہ آگاہ کرتے تھے

اسلام چونکہ مکمل دستور حیات اور نظام زندگی ہے، اور انسانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اللہ کا آخری قانون ہے جو رہتی دنیا تک انسانوں کے لئے بھیجا گیا ہے، مسلمانوں کو اسی کی روشنی میں اپنا سفر حیات طے کرنا ہے، اسی لئے اسلام نے زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح اس شعبہ میں بھی انسانوں کی رہنمائی فرمائی ہے، اور صحافت کے اصول و ضوابط مقرر کئے ہیں۔ اسلامی نقطہ نظر سے صحافت کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ تازہ ترین خبروں کی فراہمی اور واقعات و حالات کی تشریح، توجیہ اور تعبیر کے ذریعہ سے رائے عامہ کی اس طرح تشکیل اور رہنمائی کی جائے جس سے خیر اور صداقت کو فروغ حاصل ہو، اور شراور باطل کی قوتیں اور منکرات کی بخشش کنی ہو سکے۔

لیکن آج کے موجودہ دور میں صحافت، میڈیا اور ذرائع ابلاغ پر دشمنان اسلام یعنی یہود یوں کاغذ و سلطہ ہے، اور وہ میڈیا کو اپنے مذبوحی مذموم مقاصد کے لئے استعمال کر رہے ہیں، اور وہ اس ذریعہ سے اسلام اور مسلمانوں کی شبیہ خراب کرنے کا کام لے رہے ہیں، چنانچہ ایسے واقعات کی خبر سے جو مسلمانوں کے مفاد میں ہوتے ہیں، وہ پوری طرح صرف نظر کر لیتے ہیں، اور اسلامی ممالک میں چوری وغیرہ کی سزا میں ہاتھ کاٹے جانے اور قصاص میں قتل کئے جانے کی خبروں کو خوب نہ کمرچ لگا کر بیان کرتے ہیں تاکہ اس سے مسلمانوں کی بدنامی ہو، اور ان کی شبیہ خراب ہو۔ لیکن ان سزاویں سے جو فاؤنڈ مرتب ہوتے ہیں کہ جرائم کی تعداد ہاں بس برائے نام ہوتی ہے، اور لوگ امن و امان کی کھلی فضائیں سانس لیتے ہیں، اس پر ان کی نظر نہیں ہوتی۔

دوسری طرف موجودہ یورپی ذرائع ابلاغ آج کل زمانہ کا ساتھ دیتے ہیں، اور عوام الناس کی خواہشات اور رحمانات وغیرہ کہیں اور کسی قیمت پر بھی ان کی برا بیوں کی تائید اور ان کے جھوٹ کی

تصدیق نہ کریں۔

الرجل لیکذب حتی یکتب عند اللہ کنایا^ھ (متفق علیہ)۔
سچ بولنے اور سچائی کو اپنا شعار بنانے کی اتنی اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مختلف مقامات پر اس کی ترغیب دی ہے، اور سچے لوگوں کی تعریف فرمائی ہے، ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿ یا ایها الذین آمنوا اتقو اللہ و کونوا معا الصادقین ﴾ (سورۃ التوبۃ: ۱۱۹)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿ اولئک الذین صدقوا و اولئک هم المتقون ﴾ (سورۃ البقرۃ: ۱۷۴)۔ ایک دوسری جگہ سچے لوگوں کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ من المؤمنین رجال صدقوا ما عاهدوا اللہ علیہ ﴾ سورۃ الأحزاب: ۲۳)۔ اور فرمایا: ﴿ و الذي جاء بالصدق و صدق به اولئک هم المتقون ﴾ سورۃ الزمر: ۳۳) دوسری جگہ فرمایا: ﴿ ليحزمي الله الصادقين بصدقهم ﴾ سورۃ الأحزاب: ۲۴)۔ دوسری طرف جھوٹوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں عذاب شدید کی وعید سنائی ہے، فرمایا: ﴿ فَمَنْ أَظْلَمُ مِنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ وَ كَذَبَ بِالصَّدْقِ إِذْ جَاءَهُ ﴾ سورۃ الزمر: ۳۲)

صدق کے ایک معنی لغت میں صلابت و قوت کے بھی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ سچا آدمی قوی شخصیت کا مالک ہوتا ہے، طاقتور ایمان والا ہوتا ہے، اور یہ قوت اس کے اندر اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ وہ حقیقت کے علاوہ اور کسی چیز پر اعتقاد نہیں رکھتا ہے، اور اسے جھوٹ بولنے اور جھوٹے حیلے خواہ لے کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔

نیز ادباء کا مقولہ ہے کہ ”إن حبل الكذب قصير“، اور اگر طویل ہوئی بھی تو اس لئے تاکہ اس کی گردن کے گرد مضبوطی سے لپٹ کر اسے زندہ ہی موت کے منہ میں ڈھیل دے، اور یہ حقیقت ہے کہ جھوٹے انسان کی دنیا میں کوئی عزت نہیں ہوتی ہے، جس سے اس کی زندگی اور موت دونوں برآبری ہوتی ہیں۔

ان معروضات کی روشنی میں ضرورت ہے کہ اسلامی اخبارات و رسائل معیاری کا غذ پڑھیں، اور ظاہری شکل و صورت کے لحاظ سے بہت خوب اور عمده ہوں۔ مضامین میں تنوع ہو اور وہ دلچسپ ہوں، صحافی حضرات مغرب کی دسمیس کاریوں کو سمجھیں اور ان کی قلمی کھولیں، یہود کی مکاریوں اور ان کی ریشہ دوائیوں کو سمجھا جائے اور ان کا بر ملا اظہار کیا جائے تاکہ لوگ ان سے واقف ہو سکیں۔ اسی طرح اسلامی شعار کو خوب واضح کریں۔ اسلامی وحدت اور اخوت و مساوات کی دعوت دیں۔ اسلامی مشیج اور طریقے پر کاربنڈ ہوں۔ اپنے عمل سے اسلامی دعوت کا کام کریں۔ اسلامی احکامات و تعلیمات پر عمل کریں، سچائی کو اپنا شعار بنائیں، اور ہمیشہ سچائی کا ساتھ دیں۔ یہاں ہم مختصرًا اسلامی صحافت کی چند بنیادی خصوصیات تحریر کرتے ہیں جن سے اس موضوع پر روشنی پڑتی ہے:

سچ اور سچائی کی اہمیت

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب کافروں نے ان سے حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معراج پر تشریف لیجانے کے واقعہ پر حیرت کا اظہار کیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس کا انکار کرنا چاہا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم تو حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آسمان سے آنے والی وحی کی تصدیق کرتے ہیں تو بھلا اس کی تصدیق کیوں نہ کریں گے، اگر حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ بات فرمائی ہے تو ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں، اسی لئے حدیث شریف میں آتا ہے:

﴿ إِن الصَّدَقَ يَهْدِي إِلَى الْبَرِّ، وَ إِن الْبَرِّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ، وَ إِن الرَّجُلَ لِيُصْدِقَ حَتَّى يَكْبُرَ عِنْدَ اللَّهِ صَدِيقًا، وَ إِنَّ الْكَذَبَ يَهْدِي إِلَى الْفَحْوَرِ، وَ إِنَّ الْفَحْوَرَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، وَ إِنَّ

قرآن کریم نے قیامت کے موقع پر انسان کی پیدائش سے استدلال کیا ہے کہ انسان ایک نطفہ سے پیدا ہوا، پھر مختلف مراحل کے بعد موجودہ شکل میں آیا تو کیا جو اللہ تعالیٰ ایسا کرنے پر قادر ہے، اس کے لئے قیامت کا براپا کرنے کوئی مشکل کام ہے۔

خبروں کی فشر و اشاعت میں حکمت

قرآن کریم میں حکمت کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور ولیوں کی حکمت کے ساتھ تعریف فرمائی ہے، چنانچہ ایک جگہ فرمایا: ﴿فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (سورۃ النساء: ۵۴) دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَمِنْ

بُؤْتُ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۶۹) ایک جگہ حکمت کی ترغیب اس طرح آئی ہے: ﴿وَادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالسُّوْفَهِ الْحَسَنَهِ﴾ (سورۃ النحل: ۱۲۵)۔ حضرت لقمان علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا لِقَمَانَ الْحِكْمَةَ أَنْ اشْكُرْ لِلَّهِ﴾ (سورۃ لقمان: ۱۲)

خبروں کی اشاعت میں فنی اسلوب کی دعایت
خبر اچھی ہوتی بھی ضروری ہے کہ اس کی اشاعت کے لئے مناسب ترین اسلوب اختیار کیا جائے، تاکہ لوگ اس سے متاثر ہوں اور فائدہ اٹھائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے شاہان عالم کے نام جو خطوط ارسال فرمائے، ان میں ان کے حسب حال اور ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق اسلوب اختیار فرمایا۔ جسے حدیث و سیر کی کتابوں میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایک مسلمان صحافی کا فرض ہے کہ وہ صرف اپنی ذاتی زندگی ہی میں اسلام کے احکام و تعلیمات پر عمل نہ کرے، بلکہ اپنے پیشہ و رانہ فرائض میں بھی اس بات کو لٹوڑا کر کے اس کا قلم نمیکری ٹھیک اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشودی کے لئے استعمال ہو۔

حقیقت کی طلب و تلاش

اسلامی صحافی کی ایک خصوصیت حقیقت کی طلب و تلاش اور اس کی تلاش بھی ہے، خواہ وہ صحافی ہو، روئیدیائی ہو، کسی مجلہ میں لکھنے والا ادیب ہو، یاٹی وی پر آنے والا شخص ہو، ہر جگہ اسے حقیقت ہی کی تلاش ہوتی ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَإِنَّمَا يَأْتِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَهُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنَّهُمْ صَابِرُونَ﴾ بجھالت فتصبحوا على ما فعلتم نادمين ﴿۶﴾ (سورۃ الحجرات: ۶)

دلیل کی مضبوطی

اسلامی صحافی کے لئے ضروری ہے کہ اپنی بات کو مدل میان کرے، اور اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لئے قرآنی اسالیب سے مسلح ہو، حضور اکرم ﷺ کو دعویٰ زندگی میں سخت قسم کے معاندین سے سابقہ پڑا، آپ نے سب کو اپنے دلائل و برائین سے مطمئن کیا، بعض مرتبہ دلیل جنگ و قتال سے زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: ﴿فَلَلَّهُ الْحَجَةُ الْبَالِغَةُ، فَلَوْ شَاءَ لَهُ دَكْمٌ أَجْمَعِينَ﴾ (سورۃ الأنعام: ۱۴۹)۔ اور فرمایا: ﴿وَتَلَكَ حَجَتْنَا آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ عَلَى قَوْمِهِ، نَرْفَعُ درجاتَ مِنْ نِشَاءِ﴾ (سورۃ الأنعام: ۸۳)۔

اس کے برعکس جو لوگ بغیر کسی دلیل و جھت و برہان کے اللہ کے سلسلہ میں لڑتے جھگڑتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی ندمت فرمائی ہے، فرمایا: ﴿الَّذِينَ يَحَاجِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ، كَبِرْ مُقْتَنِاً عَنْ اللَّهِ وَعَنْ الَّذِينَ آمَنُوا، كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى كُلِّ قَلْبٍ مُتَكَبِّرٍ جَبَارٍ﴾ (سورۃ غافر: ۳۵)

اس سے معلوم ہوا کہ بغیر کسی دلیل کے کوئی بات کہنی بہت معیوب ہے، بلکہ جھت و برہان سے لیس ہونا چاہئے۔ اسی لئے

ذرائع ابلاغ اور ادبِ اسلامی

مولانا سعود الحسن ندوی
استاد مرد رسمہ دینیہ، غازی پور

جاتی ہے اور اس سے وہ ہر روز تہذیبی و علمی خواراک حاصل کرتے ہیں، اور یہ غذا بھی صرف ایک ہی دن نہیں، کئی کئی روز کے لیے کافی ہوا کرتی ہے۔ اور اس دور میں تو صحافت نے اس قدر ترقی کر لی ہے اور اس کی جڑیں اتنی گھری ہو چکی ہیں کہ سوسائٹی کی تعمیر اور اس کو اپنے منصوبے کے مطابق ڈھالنے میں بہت زیادہ اثر انداز ہو رہی ہے۔” (ص: ۱۹۷)

جناب مولانا نذر الحفیظ ندوی کی یہ تحریر بھی موضوع کے تعارف میں معاون ہے:

”ذرائع ابلاغ یا پروپیگنڈہ کی تعریف میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ دوسروں پر پروپیگنڈہ کے ذریعے قابو پانہ تاکہ ان کے طرز عمل اور سلوک کو تبدیل کیا جاسکے۔ پروپیگنڈہ میں متعین افکار و خیالات کو اس طرح پھیلایا جاتا ہے کہ دوسروں کے آراء یا سلوک یا دونوں کو متاثر کیا جاتا ہے..... بین الاقوامی سٹھ پر جو پروپیگنڈہ ہوتا ہے، اس میں کسی خاص حکومت کی پالیسی اور نظر ثقلی کو ادارے یا افراد اور ملک کے شہریوں تک منتقل کیا جاتا ہے، قطع نظر اس کے کہ پروپیگنڈہ کا کام جو لوگ کرتے ہیں، ان کی قومیت کیا ہے۔“

(مغربی میڈیا اور اس کے اثرات، ص: ۱۵۰)

بُقْسَتَي سے فی زمانہ ذرائع ابلاغ پر مغرب نے بالادستی قائم کر کھی ہے۔ نبیجہ وہ اپنی فکر اور خیالات کو ساری دنیا پر مسلط

ذرائع ابلاغ کا لفظ آج کی تیز رفتار دنیا میں ایک جانا پہچانتا لفظ ہے۔ یہ لفظ ہمارے سامنے آتا ہے تو ابلاغیات کے ذرائع میں اخبارات و رسائل و جرائد، ریڈیو، ٹیلی ویژن، اینٹرنیٹ وغیرہ جیسے ذرائع مراد ہوتے ہیں۔ نشر و اعلام کے یہ وسائل اپنی بات افکار و خیالات، مقاصد اور پروگراموں کو پہنچانے کا اور پروپیگنڈے کے ذریعے دوسروں کو اپنا ہم خیال و ہم نوابانے کا سب سے موثر اور طاقت ور ذریعہ بن چکے ہیں، جن میں رفتار زمانہ کے ساتھ روز بروز ترقیات ہو رہی ہیں۔ اکتشافات کا عمل جاری ہے۔ ان کا دائرہ وسیع تر ہو رہا ہے۔ شاید ہی دنیا کا کوئی خطہ اور عوام کا کوئی طبقہ ایسا ہو جہاں ان کا اثر و نفوذ نہ ہو اور لوگ ان سے متاثر نہ ہوں۔ اس سلسلے میں فن ادب و صحافت سے باخبر اور اس کے رمز شناس حضرت مولانا سید محمد رابع حنفی ندوی مدظلہ نے اپنی کتاب ”امت مسلمہ ایک رہبر اور مثالی امت“ میں اچھی وضاحت فرمائی ہے:

”اور اب صورت حال یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ذرائع ابلاغ کے حلقة اثر سے زندگی کے تمام حلقات متاثر ہو رہے ہیں۔ ان کا عمل دخل گھروں، چائے خانوں اور تعلیمی اداروں اور فکر و ادب کے مرکزوں میں صرف ہوا ہی نہیں بلکہ بڑھتا جا رہا ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں میں تو اس نے ڈھنی غذا کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اخبار بینوں کو یہ غذا صبح ناشستے کے وقت ہی مل

عالیٰ سطح پر انسانی معاشرہ کو جو غیر معمولی اور بھیاں نے نقصانات ہو رہے ہیں اور جس طرح شیطان نے میڈیا کو اپناتر جہان بنالیا ہے اس کے علیین اور دورس اثرات کا تصور کرنے سے روئٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ایک مسلمان کی آنکھوں کی نیند اڑ جاتی ہے، اور وہ ظہر الفساد فی البر والبحر کا منظردیکھ کر بے چین ہو جاتا ہے، لیکن اس کے ساتھ اس کا بھی وہ اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت ارحم الراحمین ہی نے اس دنیا کو کسی بڑی تباہی سے بچا رکھا ہے ورنہ ابليسی نظام نے قرآنی تعبیر میں ایسی زبردست تدبیر اختیار کی ہے کہ پہاڑ بھی اپنی جگہ سے کھلک جائیں۔ و مکروا مکرہم و عتدالله مکرہم و ان کان مکرہم لقزوں منه الجبال۔

(مغربی میڈیا اور اس کے اثرات، ص: ۳۵۸)

آج صورت حال یہ ہے کہ ایسا کوئی اہم ترین واقع جس سے اسلام اور مسلمانوں کی تعریف و ستائش کا پہلو نکلتا ہو، وہ سرے سے غائب کر دیا جاتا ہے، یا زیادہ سے زیادہ دوسروں یا دو جملوں میں ناقص اطلاع دنیا کے سامنے آتی ہے اور وہ واقعہ جس سے کسی بھی طرح کی کمی یا خرابی کا اظہار ہوتا ہو تو اسے خوب آرستہ کر کے نمایاں کیا جاتا ہے اور اس کو بار بار مختلف پیرايوں سے پیش کیا جاتا ہے، اور یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اسلام وہ مذہب ہے اور مسلمان وہ قوم ہے جو امن عالم کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

مغربی ذرائع ابلاغ جس پر یہودیوں کا قبضہ قائم

ہو چکا ہے اس کی پالیسی کو سمجھنے کے لیے حضرت مولانا سید محمد رائع حسنی ندوی کی کتاب ”غبارِ کارواں“ سے یہ اقتباس ملاحظہ

”یہودی دماغ اور عیسائی وسائل کے گھٹ جوڑ کے نتیجہ میں کریں：“

کر رہا ہے۔ کسی بھی مسئلے میں رائے قائم کر لینا اور ساری دنیا کو اپنا ہمتوں بنا لینا اس کا شیوه ہے۔ اس کی جزیں اتنی گھری، اس کی شانخیں اتنی گھنی اور پچھلی ہوئی ہیں کہ وہ جس کو چاہے، آنے واحد میں آسان کی وسعتون تک پہنچا دے، اور جس کا چاہے نام و نشان تک مٹا دے۔ حکومتیں بنانا اور گرانا، کسی سماج اور ملک کی اہم شخصیات کی کردار کشی اس کے لیے نہایت آسان ہے، افسوس کے مغربی ذرائع ابلاغ نے ساری کاؤنٹیوں کا رخ اسلام اور اسلام پسندوں کے خلاف کر رکھا ہے، تمام دہشت گردانہ کارروائیوں کا رشتہ اسلام اور مسلمانوں سے جوڑا جا رہا ہے اور اس سلسلہ میں ساری قوت صرف کی جا رہی ہے، یہودی جو ابتداء سے ہی اسلام اور مسلمانوں کے ازیلی ڈنگ رہے ہیں، اہل اسلام کا وجود نہ کل ان کو گوارا تھا اور نہ آج قبول ہے۔ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی غرض سے انہوں نے تاریخ میں پہلی بار سابقہ تمام مخالفتوں اور نزعات کو بالائے طاق رکھ کر عیسائیوں سے تعلقات استوار کر کے ہیں، وہ اس نسبیات پر عمل پیرا ہیں کہ ”جھوٹ کو اتنی بار دہراو کہ وہ حق بن جائے۔“ لہذا وہ اسلام کو دنیا کے سامنے اپنائی ظلم و تشدد پر مبنی مذہب کے طور پر پیش کر رہے ہیں، انہوں نے مسلمانوں کے خلاف جانب دارانہ رویہ اپنارکھا ہے، ان کی ساری توجہ اس بات پر ہے کہ اسلام کو ایک شدد پسند، رجعت پسند، قدامت پرست، بنیاد پرست اور دہشت گرد مذہب ثابت کر دیں۔ اور اب تو آئے دن ان کی ریشہ دوایوں اور کروفریب کے نتائج بھی سامنے آرہے ہیں۔

مولا ناذر الحفیظ ندوی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

”بادوجو دیکہ یہودیت آج دنیا میں بہت قلیل تعداد میں تحریر کرتے ہیں:

”اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ کاغذ کی ایجاد کا سہرا چین کے سر ہے۔ ایک اندازے کے مطابق چین نے ۲۰۳۵ء میں کاغذ ایجاد کر لیا تھا۔ چین نے سات سو سال تک اس ایجاد کو دنیا کی نظروں سے چھپائے رکھا پھر بھی ترکستانی علاقے والے چینیوں سے یہ راز معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ سب سے پہلا چھاپ خانہ چین میں ایجاد ہوا اور وہاں سب سے پہلے ایک کتاب ۸۲۸ء میں چھپی تھی۔

ڈاکٹر عبدالسلام اپنی کتاب ”داستان صحافت“ میں تحریر کرتے ہیں ”چین کے صوبہ کانسو میں دنیا کی قدیم ترین کتاب دریافت ہوئی۔ اس میں لکھا تھا کہ اس کتاب کو ”وانگ چی“ لائے اُمیٰ ۸۲۸ء کو مفت تقسیم کرنے کے لیے چھاپا تھا تاکہ اس کے والدین کی یاد کو دوام حاصل ہو۔“ چین میں میں تانگ خاندان حکمران تھا۔ اس کے ماتحت ایک گزٹ ٹی پاؤ ”مکل کی خبروں“ کے نام سے جاری ہوا۔ یہ اخبار دنیا کا سب سے پہلا مطبوعہ اخبار تھا۔ لیکن کچھ لوگ چین ہی سے نکلنے والے ”پینگ گزٹ“ کو پہلا اخبار بتاتے ہیں۔“ (ص: ۲۱-۲۰)

دراصل اس سلسلہ میں مختلف آراء ہیں، کسی نے چینیوں کو تو کسی نے جرمنیوں کو اخبار کا موجود قرار دیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے پیش کردی جائے:

”پس اخبار جب ہی سے اخبار ہو سکتا ہے جب سے کہ چھاپ ایجاد ہوا۔ اس اعتبار سے اس چیز کی ایجاد کا سہرا اہل جرم کے سر پاندھنا چاہیے۔ جنہوں نے پندرہویں صدی عیسوی میں پہلا اخبار دنیا میں شائع کیا۔ اور میرے نزدیک پہلے

”بادوجو دیکہ یہودیت آج دنیا میں بہت قلیل تعداد میں پائی جاتی ہے، اس کے باوجود وہ عالمی صحافت اور ذرائع ابلاغ پر پوری طرح قابض ہے۔ دنیا کے تمام ملکوں خصوصاً عالم اسلام میں وہ بارودی سرنگوں کی طرح پھیلے ہوئے ہیں۔ حقائق کو مخف کر کے اور واقعات کو توڑ مرور کر پیش کرنے میں یہودی صحافت کو خاص ملکہ حاصل ہے۔ وہ جس واقعہ کو جس رنگ میں پیش کرنا چاہتے ہیں پیش کرتے ہیں، پوری دنیا میں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے، مگر ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی، اور اگر کہیں اتفاق سے کسی یہودی کے تلوے میں کائنات بھی چھپ جائے تو اسے صفحہ اول میں جلی سرخیوں میں شائع کرتے ہیں۔“ (غبار کارروائی، جس: ۴۲۸)

اپنے ناقص علم اور مطالعے کی روشنی میں اس فن کے دور آغاز سے آج کے ترقی یافتہ دور تک کے مرحلے پر جب ہم طاہر انہ نگاہ ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آج کے موجودہ ترقی یافتہ دور سے قبل جب کہ موجودہ زمانہ جیسی ہمہ لیتیں مفتوح تھیں، اس وقت والیان حکومت پیغام رسانی اور خبروں کی ترسیل کے لیے پرچنولیں اور وقائع نگار متعین کیا کرتے تھے۔ ان سے حاصل شدہ خبروں کی بنیاد پر اقدامات کیا کرتے تھے۔ عوام الناس کو خبروں سے واقف کرنے کے لیے ڈھول پیٹ کر سرکاری فرمان سنائے جانے کا بھی رواج تھا۔ رفتہ رفتہ مرور زمانہ کے ساتھ اس میں تبدیلی آئی، کاغذ ایجاد ہوا، قلمی خبرات کے سلسلے کا آغاز ہوا جو چھاپ خانوں کے دور سے گزرتا ہوا طباعت کے مرحلہ میں داخل ہو گیا اور اس طرح خبروں کے مجموعہ ”خبرات“ کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ اس سلسلے میں جناب عبدالحی صاحب اپنی کتاب ”اردو صحافت اور سرید

یہی اخبار شائع ہوا ہے۔ والعلم عند الله۔

(مولانا آزاد کاظمی صحفت، ص: ۲۶)

آئینوں سے ایک دوسرے کا آئینہ دیکھتے ہیں تو انھیں اپنی شکلیں مسخ شدہ دکھائی دیتی ہیں اور وہ انھیں سچ بھجھنے لگتے ہیں کیونکہ ان کے پاس ان کی تصدیق کا کوئی اور ذریعہ اور پیمانہ نہیں ہوتا۔
(اسلامی صحفت، ص: ۲۶)

فی زمانہ ذرائع البلاغ کے ذریعہ عالمی سطح پر حق کے خلاف جو نیٹ ورک تیار کر لیا گیا ہے اور ہمہ وقت اس میں جدید اسالیب اختیار کیے جا رہے ہیں ان کے سد باب کی سب سے زیادہ ذمہ داری مسلمانوں کی ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اس قوم کے فوقاً کرتے ہی رہتے ہیں لیکن غیر مسلم دانشور بھی کچھ کم فکر مند نہیں چنانچہ ”نوابِ وقت“ ۲۷ دسمبر ۱۹۸۸ء کے حوالہ سے سید عبد السلام زینی صاحب اپنی کتاب ”اسلامی صحفت“ میں یونیسکو کے سابق ڈائریکٹر جزر امدوہمنار ایم۔ یو، کا قول نقل کرتے ہیں جو انہوں نے پانچوں بڑے بین الاقوامی خبرساز اداروں کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا تھا:

”ترقی یافتہ ملکوں کے یہ خبرساز ادارے اپنی اجراء داری کو ہوشیاری سے ایسی خبریں منتسب کرنے میں استعمال کرتے ہیں جن سے ترقی پذیر ممالک میں صرف نفاق، تناک، کشیدگی، پس ماندگی، مار دھاڑ، تشدد اور بد نظری ظاہر ہو، یا ایسی خبریں جن سے اچنچھا ظاہر ہو اور وہاں کے حکمران جبوہ روزگار نظر آئیں۔ وہ ثابت قسم کے واقعات اخبار و احوال اور ترقی کے میدان میں ان کی تگ و دو کو قطعی نظر انداز کر دیتے ہیں اور چونکہ غیر ترقی یافتہ ممالک میں علم و خبر کا رابطہ ان ہی خبرساز اداروں سے قائم ہے اور ایک دوسرے کی سر گرمیوں کے متعلق واقفیت انہی کی ارسال کردہ خبروں سے

”اس ضرورت کو حضور ﷺ کے عہد میں اور بعد میں خلفاء راشدین کے دور سعادت میں بھی محسوس کیا گیا، آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی حالات و واقعات سے باخبر رہنے کا اہتمام فرتے تھے۔ حضرت عمرؓ تو

لیکن اسلامی سے واضح دائرہ عمل اور واضح نقشہ ابھرتا ہے کیونکہ اسلام کی طرف سے جو وضاحت ہے وہ مخفی امر نہیں ہے، قرآن و حدیث اس کے لئے منارہ حیات ہیں۔ (ص: ۷۰)

یہی وجہ ہے کہ جب الٰل قلوب اور اعلیٰ فکر و ذہن کے حامل اسلام پسندوں کے طبقے نے ادب کی اسلام کے ساتھ وابستگی ثابت کی تو ان بعض حلقوں کو حیرت ہوئی جو ادب کو مذہب کے دائے سے باہر کی چیز سمجھتے تھے۔ ان کی جانب سے طنزیہ تبصرہ ہوئے اور یہ آواز آئی کہ ادب کا اسلام سے کیا واسطہ؟ دونوں کے میدان الگ ہیں، ان کا آپس میں جوڑ، نامناسب اور بے محل ہو گا۔ اس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے جناب عبدالغنی اپنے مقالہ ”اسلامی ادب اور اس کے مسائل“ میں تحریر کرتے ہیں:

”بعض مخنوں نے یہ پھیتی کی تھی کہ اسلامی ادب کیا ہے بجز استجواب کلوخ کے مسائل کے؟ یعنی ان کے خیال میں طہارت جسمانی کے فنی آداب کا نام ہی اسلامی ادب ہے۔ مذاق بر طرف، جسم کی پاکیزگی کے بغیر واقعیہ ہے کہ تہذیب و ثقافت کی کسی لطافت و نفاست کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ فنون لطیفہ کے جدید مغربی تخلیل کا سرچشمہ یونان ہے اور وہاں کی تہذیب میں جسم کی چستی ہی کو دماغ کی چستی کی بنیاد بنا یا گیا ہے۔ اسی لیے یونانی سماج میں کھلیوں کو فلفلوں کے برابر اہمیت دی گئی تھی۔ لہذا اس پہلو سے بھی اسلامی فقہ کی کتابوں کے ابواب الطہارت کچھ کم زندگی آموز نہیں۔ لیکن معاملہ فقہ سے آگے کا ہے۔ ہم اس وقت ادب کے مروجہ اصناف کو سامنے رکھ کر سوچ رہے ہیں جیسے شاعری، افسانہ، ڈرامہ، تنقید۔ تو ان سب اصناف میں اسلامی ادب ویسے ہی بروئے تحقیق آسکتا ہے اور آگ الگ ہو سکتے ہیں۔ ان سے متعین وضاحت نہیں ہوتی۔

خود را توں کو گشت کر کے عامۃ المسلمين کا حال جانے کی کوشش کرتے تھے۔ مفتی محمد شفیع صاحب مولانا اشرف علی تھانویؒ کے رسالے ”اخبار بینیؑ“ سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی ایک تحریر ”آداب الاخبار“ میں فرماتے ہیں۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کرام اپنی اسلامی برادری کے اخبار و احوال پر مطلع ہونے، کرنے کا اہتمام اسلئے فرماتے تھے کہ مطلع ہو کر مظلوم کی دادرسی، بیمار کی عیادت، ضعفاء کی اعانت، محتاجوں کی امداد کرنے کے لئے ہر قسم کے مادی اور روحانی ذرائع استعمال کیے جائیں اور اگر کسی مادی امداد پر قدرت نہ ہو تو کم از کم دعاء سے اس کے شریک غم ہو جائیں۔ (اسلامی صحافت، ص: ۲۶)

حضرت مولانا سید محمد راجح حسینی ندوی اپنی کتاب ”غبار کاروال“ میں اسلامی ادب کے خط و خال واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ہم جب ادب کے ساتھ اسلامی کا لفظ وابستہ کرتے ہیں تو ہمارا اشارہ اسی طرف ہوتا ہے کہ ادب کو اس طرح تشكیل دیا گیا ہو کہ وہ انسانیت کے صاف سترے دائے میں رہتے ہوئے کام کرتا ہو اور جس کے نتیجے واٹر سے بگاڑ اور خرابی کا دروازہ نہ کھلتا ہو، بلکہ وہ انسان کو سترے راستے پر چلنے میں معاون بنتا ہو، وہ جائز فکر و احساس کی عکاسی کرنے کی خدمت انجام دیتا ہو، ایسا ادب صرف اسلامی ادب ہی نہیں انسانی قدروں والا بھی ادب ہے، اس کو انسانی ادب کا بھی نام دیا جا سکتا ہے، صالح ادب بھی کہا جا سکتا ہے، لیکن انسانی یا صالح کے لفظ سے اس کو متصف کرنے سے واضح تصور نہیں ابھرتا، کیونکہ انسانی اور صالح لفظ کے ساتھ وابستہ تصورات مختلف اور الگ الگ ہو سکتے ہیں۔ ان سے متعین وضاحت نہیں ہوتی۔

اور نتیجہ واشر کا ہے۔ اگر کسی ادبی تحقیق سے اخلاقی اقدار کو فروغ ہوتا تو، ہی وسیع ترین معنوں میں اسلامی ادب کا نمونہ ہے۔

وہ ایکٹرا اور تاج نہیں ہوتے جو لوگوں میں جوانی جذبات بھڑکا کر دنیا کماتے ہیں۔ نیم عربیاں اور عربیاں فامیں نہیں ہوتیں۔ وہ بے حیائیوں کا مرکز رقص گاہیں نہیں ہوتیں، جہاں ”فن، فن“ پکار کر میریضانہ خواہشوں کی بولی لگائی جاتی ہے، عز توں کا نیلام کیا جاتا ہے اور برہنہ جسموں کا سودا چکایا جاتا ہے۔“

(اسلام اور جدید مادی افکار، ص: ۳۲۸)

آج جب کہ ذرائع البلاغ کے ذریعہ عالمی پیمانے پر اسلام پر نئے سرے سے حملہ ہو رہا ہے، فکری یلغاڑ تیز تر ہو رہی ہے، جس سے سارا عالم اسلام دوچار ہے، انفارمیشن اور نکالوں کے اس دور میں نئے نئے وسائل ذرائع کے ذریعہ ایک طرف تو سارے عالم کو اسلام اور مسلمانوں سے بذریعہ اور بدگمان کیا جا رہا ہے، تو دوسری طرف خود اہل اسلام کو اپنے دین و مذہب سے بیزار اور شک و شبکا شکار بنایا جا رہا ہے، ان کی نسلوں کے لئے ایسا تعلیمی و تربیتی نظام چلایا جا رہا ہے کہ جس سے وہ اپنے مذہب و عقیدہ کی طرف سے شکوک و شبہات میں بتلا ہو جائیں۔ ادب، آرٹ اور پلچھر کے نام پر ایسا مسوم میری میل مہیا کرایا جا رہا ہے جس کی آلوگیوں سے اس دنیا کا ہر حساس آدمی فکر مند اور پریشان ہے۔ علاج اور اس سے نجات پانے کے لئے فکر مند ہے۔ لہذا آج ایسے افراد اور اداروں کی ضرورت ہے جو اس عالمی فتنے سے مقابلہ کے لئے خود کو تیار کرے، اور اجتماعی کوششوں کے ذریعہ اس کا سد باب کرے۔ وہ افراد اس وادی کا رخ کریں جو امر بالمعروف اور نبی عن المنکر کی عظیم ذمہ داری کو نجھانے کا عزم اور ارادہ رکھتے ہوں، اس میدان میں وارد ہو نے والے پہلے نیت و ارادہ کا قبلہ درست کر لیں، وہ اصحاب اول والعزم اس میدان کا رخ کریں جو مادی مفتتوں سے بے پرواہ اور صدقہ و انعام کی آرزوں سے آزاد ہوں۔

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

(ادب کی تعمیری جہت: انجمن فیض، ص: ۸۲)

علوم ہوا کہ ادب وہی معتبر ہے جس کی اسلام کے ساتھ وابستگی ہو۔ وہ اسلامی مزاج و ماحول اور اسلامی اصول و اقدار کا پرتو ہو، وہ اسلام کے دو بنیادی سرچشمہوں، کتاب و سنت سے بھر پور قوت و حرارت حاصل کر کے اسلام کے نظریات اور اس کی صداقت و حقانیت کو عام کرنے والا ہو۔ تبیہ وجہ ہے کہ اگر ادب کی اسلام کے ساتھ وابستگی نہ ہو تو نہایا ادب سطحی مقاصد کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے، جس کو اخلاقی اصول و اقدار سے عاری بلکہ ان کے دشمن اور تخریب پسند ادباء نے اپنایا۔ ایسا ادب تو اصلاح کے بجائے بگاڑ کا داعی ہو سکتا ہے، جس کی ماضی میں مثالیں موجود ہیں کہ جب ”شعر و شاعری، نغمہ و موسیقی“، اور مجسمہ سازی و بت تراثی، تہذیب و تمدن اور دیگر فنی مہارتوں کو پیش کر کے ادب کا نام دیا گیا۔

بلاشہ ادب اسلامی طاقت و قوت کا دو سرچشمہ ہے جس کی ہم گیری مسلم ہے۔ اس میں نفس کی تابعداری نہیں ہوتی۔ جنس زدہ ادب کے لئے اس میں کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ سطحیت سے بالا تر ہو کر اسلام کے آفاقی اور ابدی نظام کا پیامبر ہوتا ہے۔ آسمانی ہدایت و رہنمائی کا پابند ہوتا ہے۔ اس میں قانون الٰہی کی پاسداری ہوتی ہے۔ اس کا ربط و تعلق اللہ رب العالمین کے ساتھ مضبوط اور استوار ہوتا ہے۔ رب کائنات کے حضور جوابدی کا احساس اس کو ان حدود کا پابند رکھتا ہے جن سے نافعیت اور خیر خواہی کا ہی ظہور ہوتا ہے۔ حق کہا ہے پروفیسر محمد قطب نے:

”بیہاں تیکی صحافت نہیں ہوتی، ایسے اخلاق باختہ الہ قلم نہیں ہوتے جو نوجوانوں کا اخلاق تباہ کر کے روزی کماتے ہیں۔

اسلامی ادب اور صحافت

مولانا عبدالرحمن ملی ندوی
اذیتیہ مجلہ "النور" کل کرا

صحافی کے اندر کسی سے فوراً متاثر ہو جانے کی بیماری نہیں ہونی چاہئے۔ اس کو اخلاقی محاسن کا خوگر ہونا چاہئے۔ اس کی زندگی میں انسانیت نوازی کا غرض نمایاں ہونا چاہئے۔ قوتِ ضبط کا مادہ بھر پور ہونا چاہئے۔ ہمت و جرأت و صبر و استقلال کا جذبہ بدرجہ اتم موجود ہونا چاہئے۔

صحافت کی اپنی ایک اندر ورنی طاقت ہوتی ہے۔ صحافت جہاں معاشرہ کی صالح جزوں کو مضبوط کرتی ہے، وہیں سماج و معاشرہ کو بتاہ بھی کر سکتی ہے۔ یہ دور میکنالوجی اور سائنس کا دور کھلاتا ہے، جس نے جغرافیائی دوڑیوں کو سمیت کر رکھ دیا ہے۔ میڈیا نے پوری دنیا کے چہرے کو تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ اینٹرنیٹ نے دنیا کے تمام اخبارات و رسائل کو پکیوڑ کے اسکرین پر آؤزیں کر دیا ہے۔ ٹیلی ویژن کے کمرے نے زمین کی گہرائیوں سے لے کر خلاء کی اونچائیوں اور بلندیوں تک کو محسوس کر دیا ہے۔ مولانا نذر الحفظ ندوی از ہری رقم طراز ہیں:

”ٹیلی ویژن اور اینٹرنیٹ دور جدید کی وہ خطرناک ایجاد ہے جس نے میڈیا کی دنیا میں غیر معمولی انقلاب برپا کر دیا ہے۔ اس ایجاد نے تصویر اور آوازوں کو استعمال کر کے پوری دنیا کے فالصلوں کو سمیت کر ایک بستی میں

اس میں شنبہ نہیں کہ آج سائنس اور میکنالوجی کے ترقی یافتہ دور میں صحافت کا دائرہ بہت وسیع تر ہو گیا ہے اور ہوتا ہی جا رہا ہے۔ صحافت ہماری روزمرہ زندگی کی بنیادی ضرورت بن گئی ہے۔ یہ دورِ صحافت ہے۔ غیر جانب دار اور سچی صحافت کی اہمیت اور اس کے اثرات حکومت کے ایوانوں سے لے کر گاؤں اور دیہات کی گلیوں تک رہتی ہے۔ آزادی کے حصول کے لیے دل و دماغ اور قوتِ فکر کو صحیح نظریہ کے طور پر پیش کرنے میں صحافت کا بہت بڑا کردار رہا ہے۔ صحافی کا میدانِ عمل ساری دنیا ہے اور اس کے تجربات کا محور ساری زندگی ہے۔ صحافی ماحول کا سچا ترجمان ہوتا ہے۔ وہ ذریعہ اظہار کا ماہر ہوتا ہے اور الفاظ کا جادوگر ہوتا ہے۔

صحافت کی اصل روح معاصر دنیا کی صحیح ترجمانی، ماحول کی حقیقت پسندانہ عکاسی، رائے عامہ کی نباضی اور مختلف افکار و خیالات کا صحیح تجزیہ ہے۔ صحافت میں سحر طرازی کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ سچا صحافی بھی پشمیان نہیں ہوتا اور غیر جانب دار اخبار ہمیشہ باوقار رہتا ہے۔ ایک اگریز صحافی لکھتا ہے: ”خبر کی دُرسی کسی بھی صحافی کے لیے ایسی ہی اہم ہے جیسے کسی دو شیرہ کے لیے اس کی عصمت۔“

(من شاہِ جہانِ ص ۲۳)

فریضہ انجام دے سکتے ہیں۔ علماء کی بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ صحافت کو ایک نیارخ دیں۔ علماء مغربی پرنٹ میڈیا کے محروم خار میں خالص اسلامی صحافت کے قطرات کے ذریعے قوم کوئی زندگی عطا کر سکتے ہیں۔

مغرب کی انسانیت سوز اور بے لگام صحافت کے مقابلے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ہم اسٹچ کے آدمی بن جائیں، واویلا کریں اور بس۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ثابت اور تعمیری لائچے عمل تیار کریں، اور غیر اسلامی صحافت کا مقابلہ اسلامی صحافت سے کریں۔

مغربی مادہ پرستانہ صحافت نے ادب کو کہیں جنس و جمال کے نقطے پر مرکوز کیا، اور کہیں جذبات و احساسات کو جمالیات کا البادہ اڑھا کر اس کو ادب کا نام دیا گیا، اور کہیں عقل و فلسفہ کا رخ اختیار کر کے اس کو ادب کا نام دیا گیا۔ لیکن، ہم مغربی صحافتی ادب کی جو ظلم و جور، نفرت و عصیت سے مالا مال ہے، چمک دمک کو خالص اسلامی صحافتی ادب سے ایسا صیقل اور جعلی کر دیں کہ ہماری کتابیں چاہے جس موضوع سے متعلق ہوں، اسلامی ادب کا اعلیٰ نمونہ ہوں۔

مولانا سعید الرحمن عظی مددوی فرماتے ہیں:

”اسلامی صحافت کی بنیاد سچائی و راست بازی پر ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا آغاز صدق و صفا، امانت و دیانت اور حق گوئی و راست بازی سے ہوا ہے۔ اسلامی میڈیا سے ہی یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ حقیقت شناسی اور صدق مقائلی سے کام لے گا۔ اسلامی میڈیا مسائل و مشکلات سے باخبر کرنے کا نام ہے۔ اسلامی ادب نام ہے پاکیزہ خیالات اور با مقصد فکر کا، با اخلاق ذہن و دماغ کا،

تبدیل کر دیا ہے۔“ (مغربی مددوی: ۳۱۳)

حضرت علامہ سید محمد رائع حسنی دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

”آج کل وسائل نشر و اعلام اور ذرائع ابلاغ کو میڈیا و صحافت میں جواہیت حاصل ہو رہی ہے، وہ کسی ذی اثر صاحب نظر سے پوشیدہ و مخفی نہیں ہے۔ موجودہ زمانے کی صحافت ہمہ کیر و عالم کیر ہو چکی ہے۔ آج صحافت اور میڈیا سے وہ کام لیے جا رہے ہیں جو بمباروں اور دور مار میزائلوں سے نہیں لیے جا رہے ہیں۔ محمود کردار سے متصف شخصیات کو صحافی شعبدہ بازی سے نشانہ بنا کر ذلیل کیا جا رہا ہے۔ اور قاتل ظالم کو قوم و ملت کا بھی خواہ تصور کیا جا رہا ہے۔“ (منتخب مضامین حاصل: ص ۵۹)

آج کا انسان وہی سنتا چاہتا ہے جو صحافت، ریڈیو، ویڈیو اور میلی کاست اس کو سنتا چاہتے ہیں۔ ایک معمولی خبر کو صحافتی رنگ دے کر خوش شکل انداز میں بتایا جاتا ہے۔

مغربی صحافت کی خوابیاں

آج صحافت کے میدان پر وہ طبقہ چھایا ہوا ہے یا اس طبقے کی گرفت ہے جس کا ذہن مغربی تعلیم و تربیت میں ڈھلا اور دین خلاف، خدا بیزار اور شریعت ٹکن ماحول میں پروان چڑھا ہے۔ یہی گروہ ذرائع ابلاغ پر حاوی و مسلط ہے۔ علماء کے ہاتھ سے ڈھنی، فکری، قلمی اور عملی قیادت کی بائگ ڈور چھین لینے میں مغربی صحافت کی منصوبہ بندسازش کا بڑا داخل ہے۔ پوری قوم کا رشتہ طبقہ علماء سے کامنے کا فریضہ اسی میڈیا اور مغربی صحافت نے انجام دیا ہے۔ علماء ادب و صحافت کے میدان میں مؤثر و قابل تقلید کردار ادا کر کے ڈھنی قیادت و سیادت کا غیر مترقبہ

اسلامی ادب اپنی تمام فنی خصوصیات کے ساتھ زندگی کی علیہ اپنی کتاب "ما ذا خسر العالم بانحطاط المسلمين" میں تحریر عکاسی، کائنات کی ترجیحی اور انسان کے موقف کی تشریح فرماتے ہیں:

"وَأَصْبَحَ الْمُسْلِمُونَ أَعْوَانًا عَلَى الْحَقِّ، أَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ، يَطْبِعُونَ الْخَلِيفَةَ مَا أَطْعَاهُ اللَّهُ فِيهِمْ، فَإِنْ عَصَىَ اللَّهُ فَلَا طَاعَةَ لَهُ عَلَيْهِمْ، وَأَصْبَحَ شَعَارَ الْحُكْمِ: "لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مُعْصِيَةِ الْخَالِقِ" ، وَ

پر محیط ہے۔ انسانی سیرت کی تعمیر، اسلامی ادب کا اہم و بنیادی مقصد ہے۔"

ماضی کے چند صحافی

ہم پہنچ مایہ ناز صحافیوں کا تذکرہ کرنا مناسب سمجھتے ہیں، جنہوں نے اپنی کامیاب اخباری صحافت کے ذریعے دلوں کو گرمیاں، جن میں مولوی محمد باقر کاظم شمار کیا جاسکتا ہے۔ جنہوں نے "دہلی اخبار" کے نام سے ہفت روزہ جاری کیا اور صحافت کے خدوخال کوسنوار نے میں غظیم روں ادا کیا۔

(ما ذا خسر العالم بانحطاط المسلمين: ص ۱۱۱، مطبوعہ ۱۹۸۰ء)

اس خالص ادبی عبارت میں حضرت کی سحر انگیز اور ادبی جادوگری کو محسوس کیجئے؛ حضرت نے فصاحت و بلاغت و لطافت کے دریا بہاتے ہوئے بے خطر صدائے حق لگائی ہے، اور اسلامی صحافتی ادب کا گراں قدر تکھی پیش کیا ہے۔ علام مندوی کی کتابیں پڑھ کر بعض دفعاء ایسا لگتا ہے کہ وفور جذبات سے سینہ چاک ہو جائے گا۔

اسلامی صحافتی ادب کا نہ تھئے والا کاروان صرف نہ کوہ بالا ہستیوں پر ہی ختم نہیں ہوتا، بلکہ اس بحر یکراں کی موجیں حد نگاہ ہیں، اور اس سمندر کے آبدار موتی اور نگاہ کو خیرہ کر دینے والے مرجان و یاقوت بھی حصہ شمار سے باہر ہیں، جن کے ناموں کی ہم فہرست بھی ذکر کرنا چاہیں تو دفتر کے دفتر بھر جائیں۔



الکٹرائک میڈیا، اردو

اور ادبِ اسلامی

ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی

انجمن ڈگری کالج بھٹکل (کرناٹک)



اردو زبان ہندوستان کی مشترکہ قومی کلچر کی پیداوار، لگگا جنی تہذیب کی علامت اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی علم بردار ہے۔ اردو زبان میں بڑی لپک ہے۔ یہ ہر دور کے تقاضوں اور ضرورتوں کا ساتھ دیتی رہی ہے۔ آج اردو زبان کو جو جیلچ درپیش ہے، وہ ہے الکٹرائک میڈیا میں اردو کا زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے بہتر استعمال۔ اردو زبان کی عوامی مقبولیت اور اسے عوام رس بنانے میں اس کے ادب و صحافت کا، ہم حصہ رہا ہے، لہذا اردو صحافت کو ابھی، خواہ وہ پرنٹ میڈیا ہو یا الکٹرائک میڈیا، اسے جدید لکنالو جی سے مربوط کیا جا رہا ہے، اور ج تو یہ ہے کہ آج یہ زبان ذرائع ابلاغ سے ہم آہنگ ہونے کی وجہ سے ہی زندہ ہے۔

ریڈیو کا آغاز تقریباً ایک سو سال پہلے ہوا تھا۔ جس رفتار سے لکنالو جی نے ترقی کی، اسی مناسبت سے ریڈیو کو بھی فروغ ہوا۔ ریڈیو پر ہر دور میں ادبی، تعلیمی اور تفریحی پروگرام اردو زبان میں بھی نشر ہوتے رہے ہیں۔ ریڈیو کے تقریباً تمام مرکز سے اردو نیوز، حالات حاضرہ پر تبصرے، مشاعرے اور ڈرائے وغیرہ اردو سروں کے تحت نشریات

الکٹرائک میڈیا کی ایجاد نے سب سے پہلے ساری دنیا کو ایک عالمی گاؤں (Global Village) میں تبدیل کر دیا، اور اب اس عالمی گاؤں میں ذرائع ابلاغ (Mass Media) کی حکمرانی قائم ہے۔ اسی لیے میڈیا کو مملکت کا چوتھا ستون کہا جاتا ہے۔ عوامی ذرائع تریسل خصوصاً انفارمیشن لکنالو جی کی بے پناہ ترقی نے تمام عالم انسانیت کو جیرت زدہ کر دیا ہے۔ آج ریڈیو، ٹیلی ویژن، کمپیوٹر، انٹرنیٹ، ای میل، ویب سائٹ، ریڈیو کانفرننس، سٹیلا بٹ چینلوں، فیس اور سیلولر فون کا دور دورہ ہے۔ دنیا بھر کی معلومات محض انگلی کے ایک اشارے پر حاصل کی جاسکتی ہیں۔ آج کے معашرے کو پوری طرح ایک معلوماتی معماشہ (Information Society) میں جدید الکٹرائک وسائل کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ جس تو یہ ہے کہ بقول منور رانا: پوری دنیا ایک چھوٹے سے گاؤں میں نہیں بلکہ موبائل کے ایک چھوٹے سے SIM میں سمٹ گئی ہے:

اب فاصلوں کی کوئی حقیقت نہیں رہی
دنیا سمت کے چھوٹے سے اک سم میں آگئی

ج تو یہ ہے کہ آج ماس میڈیا کا کوئی ذریعہ ایسا نہیں ہے، میں شامل رہے ہیں۔

ہندستان کا قدیم الکٹرائک ماس میڈیا ریڈیو کے ساتھ سینما بھی ہے۔ گزشتہ صدی میں ان دونوں ذرائع عامہ نے بے پناہ ترقی کی ہے۔ آج ہندستان کی مختلف زبانوں میں فلم پروڈکشن کی تعداد دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ ہندستانی فلم انڈسٹری کے ذریعے جو غیر محسوس طور پر اردو زبان و ادب کو فروع حاصل ہوا ہے، وہ بہر حال قابل ذکر ہے۔ اس نے اردو زبان اور کلچر کو عوام کے ذہنوں میں زندہ اور محفوظ رکھا۔ اگرچہ آج یہ فلمیں ہندی کے نام پر ریلیز ہو رہی ہیں مگر ان کے گیت، تائل، مکالے وغیرہ سب نوے فیصد 90% اردو میں ہیں، اور اس کے لکھنے والوں میں تقریباً تمام اردو کے ادیب و شاعر ہیں۔

میں ویژن نیٹ ورک گزشتہ بیس سچپیں برسوں سے بڑی سرعت کے ساتھ وسعت پذیر ہوا ہے۔ دور درشن نے پورے ملک میں اپنے کئی طرح کے ٹرانسمیٹر نصب کر کھے ہیں۔ تنصیبات کا یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ اس طرح ہندوستان کے گاؤں گاؤں میں اور دور دراز کے پہاڑی علاقوں میں بھی دور درشن کے پروگرام دیکھے جا رہے ہیں۔ ریڈیو کی طرح ٹی وی پر بھی مختلف مرکز سے اردو پروگرام نشر کیے جا رہے ہیں۔ مختلف کیبل اور پرائیویٹ ٹی وی جیتلز کے ذریعے اردو نیوز، مشاعرے، ڈرامے اور سیریلز وغیرہ بڑے پیمانے پر میں کاست کیے جا رہے ہیں۔ خصوصاً ای ٹی وی اردو، ڈی ڈی اردو، پیس ٹی وی اور ڈی سلام کے ذریعے سے بھی اردو زبان کی مقبولیت اور فروع میں کافی اضافہ ہوا ہے۔

آج انسان کے پاس فرصت کے لمحات بہت کم ہیں، ضروریات زیادہ ہیں۔ اردو اپنی جامیعت کی وجہ سے اختصار کے ساتھ موثر ہونے پر قادر ہے۔ اس کی ایک مثال ٹی وی پر اشتہارات کی مقبولیت ہے۔ ظاہر ہے ٹی وی کے لیے اشتہارات تیار کرنے اور پھر اسے میں کاست کرنے کی قیمت بہت زیادہ ہے۔ ایسی صورت میں کم وقت میں ضروری مواد پیش کرنا ہوتا ہے۔ اس جامیعت اور اختصار کے لیے اردو زبان بہت کام آتی ہے۔ کسی بھی وقت ٹی وی پر دکھائے جانے والے اشتہارات کو غور سے سن لیجیے، آپ دیکھیں گے کہ استعمال کیے جانے والے لفظوں میں غالب عنصر اردو کا ہے۔ مثال کے طور پر چند اشتہارات دیکھیے: کرلو دیا مٹھی میں (ریلانس فون)، کھولے گا تو بولے گا (کولڈ ڈرکس) سب سے تیز (آن تک نیوز) آپ کو کہے آگے (اسار نیوز)

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
ہندوستان میں دھوم ہماری زبان کی ہے
الکڑا ایک میڈیا کی اہمیت و ضرورت اور اس میں اردو
زبان کے فروع و امکانات پر اس گفتگو کے بعد آخر میں ایک
اہم مسئلے کی جانب آپ حضرات کی توجہ مبذول کرنا ضروری
سمجھتا ہوں۔ دانشوروں کا یہ مانتا ہے کہ میڈیا میں ہماری مادی
ترقی یا مادی وسائل کے ساتھ ساتھ ہماری تہذیبی اقدار اور
فلکری میلانات کو بھی شدت سے متاثر کیا ہے، اور اس کے منفی
اثرات بھی معاشرے پر پڑے ہیں۔ جسے کسی بھی صورت میں
نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ماس میڈیا نے اب علم اور جانکاری
کی اُن بند کھڑکیوں کو بھی تازہ ہوا کے نام پر کھول دیا ہے،
جنہیں ہم نے پہلے منوع مستوں میں کھلنے والی کھڑکیاں سمجھ کر
بند کر دیا تھا۔ کل کے نوآبادیاتی نظام کی گرفت کو مضمون بنا نے
میں جن سیاسی و معاشری عوامل کا ہاتھ رہا تھا، آج کے ذرائع
ابالغ نے ان کی شکل بدل کر رکھ دی ہے۔

آج کامس میڈیا دنیا میں جدید طرز کی نوآبادیات اور
مغربی سیاست کی استعاریت کو مستحکم کرنے کے لیے اپنے پیغام
رسانی کے حربوں کو پوری شدت سے استعمال کر رہا ہے۔
امریکہ و برطانیہ کی جنگ پرستی اور دہشت گردی، نوسامراجی
استھصال و جارحیت، عراق و افغانستان پر غیر قانونی جنگیں لا دکر
ان کی تباہی و بر بادی، ایران کو ہمہ وقت جنگ کے سامنے میں
دہشت زده کرنے کی جاگرانہ کوششیں، مشرقی اقوام کو ہنی طور پر
محکوم بنا کر ان کے آرٹ ٹکچر، زبان اور تہذیب کو مٹانے کی پر
اسرار چالیں، آج ہم مغرب کی اس جارحانہ سیاست و صحافت
کے سامنے تلتے ہانپ رہے ہیں۔ معاشرے میں عربی و فرانشی

دل مانگے مور (پیپری ڈریک) اپنا خیال رکھنا (گارنیر
کاسٹنک) ولیش کی دھڑکن (ہیر و ہونڈا) وغیرہ وغیرہ۔ یہ
ٹھیک ہے کہ اُنی وی کے لیے اشتہار لکھنا ایک پروفیشنل معاملہ
ہے اور بڑی حد تک ٹکنیکی بھی۔ مگر ایسے لوگوں کے لیے جو
خیال کو لفظوں میں ڈھالنے کے ہنر سے واقف ہیں، کوئی
مشکل کام نہیں۔ یہ تو صرف اُنی وی میڈیا میں اردو کی اہمیت
کی ایک مثال تھی، ورنہ اب تو اس کے ہر پروگرام میں اردو کا
استعمال ناگزیر ہو گیا ہے۔

اب تک کی گفتگو میں صرف ریڈیو، سینما اور ٹیلی ویژن
میں اردو زبان کے چلن اور امکانات پر روشنی ڈالی گئی ہے،
باقی رہی بات انتہائی، ویب سائنس اور آن لائن میڈیا کی تو
وہاں بھی محدود دائرے میں ہی سہی کچھ نہ کچھ کوششیں ضرور
ہو رہی ہیں۔ ہندوپاک کے مختلف شہروں سے اردو میں شائع
ہونے والے بڑے بڑے اخباروں کا اپنا ویب سائنس ہے،
جن کی وجہ سے ان اخبارات و وسائل کا ہم گریبیتھے روزانہ
مطالعہ کر سکتے ہیں۔ اردو کے پرنٹ میڈیا میں جہاں
ریڈر شپ کا بازار نہیں سکتا ہوا ہے، وہیں ویب سائٹ پر
یہ اخبارات لاکھوں قارئین کے ذریعے سے پڑھے جا رہے
ہیں۔ پھر اردو کے کئی پبلیشنگ ادارے اور ادبی انجمنوں نے
اپنے ویب سائنس کھول رکھے ہیں، جس کے ذریعے وہ اپنی
ادبی و سانسکریتی سرگرمیوں کی واقفیت ساری دنیا میں پھیلے ہوئے
اردو داں حضرات تک پہنچا رہے ہیں۔ اس طرح ہمارا
الکڑا ایک میڈیا عالمی سطح پر جہاں اردو زبان کے فروع میں
اپنا موثر کردار ادا کر رہا ہے، وہیں داغ دہلوی کے اس شعر کی
عملی تعبیر بھی پیش کر رہا ہے:

کافر دفع، مادی اقدار کی غیر مشروط بالادستی، اور صارفی کلچر کو پھیلانے کے لیے ماس میڈیا کو ایک ایسے اوزار کے طور پر کہیں زیادہ استعمال کیا جا رہا ہے، جس کی براہ راست ضربوں سے انسانی معاشرہ اپنی روایتی، تہذیبی اور معاشرتی پہچان سے محروم ہوتا جا رہا ہے۔

آخر میں ایک بات اور عرض کر دوں کہ حالات کی سُگنی اور مسائل کی پیچیدگی سے ہم کسی طرح مایوس نہیں ہیں۔ اسلام پسندوں نے اس حاذ پر بھی قدم آگے بڑھا دیا ہے۔ جدید ادب و صحافت کا ایک اہم معنویتی کشش رکھنے والا منظر نامہ اسلام پیش کر رہا ہے۔ اسے اب تک جس طرح نظر انداز کیا گیا ہے، یا اس کی تحریر کی گئی ہے، وہ علمی عصیت کی ایک عبرت ناک مثال ہے۔ لیکن خوشی کی بات ہے کہ اب صورت حال بدل رہی ہے۔ اسلام عصر حاضر کا حوالہ بن چکا ہے۔ زندگی کے تمام دائروں اور علوم و فنون کو اسلامیانے (Islamisation) کا عمل جاری ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ہمارے ادب و صحافت اور ذرائع ابلاغ کا شعبہ بھی اس سے الگ نہیں رہ سکتا۔ آج ساری دنیا میں اسلامی انقلاب کا غفلہ بلند ہو چکا ہے۔ ہمیں کسی احساسِ مکتری، مرعوبیت اور تحفظات کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔ جگہ مراد آبادی نے اسے بہت پہلے محسوس کر لیا تھا:

نمودِ صحیح کا ذبب ہی دلیلِ صحیح صادق ہے
افق سے زندگی کی دیکھ ابھری اک کرن ساقی



ان حالات میں اسلامی ادب و صحافت کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ ادب ہی وہ دستاویز ہے، جس کی وجہ سے ان تمام سفاک حقائق کو بے نقاب کیا جاسکتا ہے۔ اس ظلم و جبر، نااصافی، خوزینی اور نسل کشی کے خلاف احتجاج کیا جاسکتا ہے، اور مؤثر احتجاج اپنے آپ میں خود ایک جہاد ہوتا ہے، ایسا ادب نظام باطل کو بدلنے کا نقیب اور انقلاب صاحب کا پیش رو ہو سکتا ہے۔

آج اسلام پسند اہل قلم، ادباء و شعراء اور صحافیوں کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ ضرورت ہے کہ وہ آگے آئیں اور انفارمیشن نکالنے والی کے ماہرین اور پیشہ ورانہ دسترس رکھنے والے نوجوانوں کو منظم کریں۔ تاکہ ان کے ذریعے ادب و صحافت کے اسلامی، اخلاقی اور روحانی اقدار کو عالمی سطح پر روشناس کرایا جاسکے۔ یقیناً ہمارے وسائلِ محدود سے محدود ہیں، لیکن اسلامی ادب کی ترویج و اشاعت کے لیے ماس میڈیا کا استعمال ہماری ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ ہمارے ادبی رسائل، ادباء و شعراء کی اہم ترقیات اور بلند پایہ تحقیقات اردو ویب سائٹ کے ذریعے پل بھر میں ساری دنیا میں پہنچ جائیں گی۔ مجھے معلوم ہے کہ اس طور پر اسلام پسندوں کی چند ویب سائٹس ایٹرنسیٹ پر موجود ہیں، اور یہ کام محدود انداز سے ہی، کسی نہ کسی حد تک ضرور ہو رہا

منڈ بہسی اردو صحافت

ایک جائزہ

ڈاکٹر عبدالرشید ندوی مدنی

طرف شیعہ و سنی علماء اپنے تاریخی اختلافات کو بنیاد بنا کر ایک دوسرے کے مقابل آگئے اور رسائل کے ذریعہ مناظرے اور مبارے کرتے رہے۔ شمالی ہند میں عیسائی مشریوں کے عمل میں پہلا اخبار ۱۸۲۵ء میں ”بیانات گزٹ“ کے نام سے نکلا، جس میں ہندوؤں کی حمایت اور عیسائیوں کے خلاف خوب خوب لکھا گیا لیکن یہ بات مسلم ہے کہ یہ مطبوعہ صحافت آزادی ہند سے قبل وقت طور پر ابھری اور پھر منظر نامہ سے غائب ہو گئی۔ صحیح معنی میں مذہبی صحافت کا باقاعدہ آغاز آزادی ہند کے چند سال پہلے سے ہوتا ہے۔ اس دور میں عقائد کی بنیاد پر رو نما ہونے والے بین المذاہب اخبارات و رسائل کی فہرست ڈاکٹر طاہر مسعود کے مطابق کچھ اس طرح ہے:

۱۸۲۳ء عیسائی
ڈاکٹر طاہر مسعود کے مطابق کچھ اس طرح ہے:
رسائل میں ”خبر خواہ ہند بیانس“ کے ۱۸۲۴ء ماہ نامہ خیر خواہ ہند
مرزاپور ہفت روزہ مفید الانام فتح گڑھ ۱۸۲۰ء پندرہ روزہ
خیر خواہ خلق آگرہ ۱۸۲۲ء پندرہ روزہ ”کوکب ہند“ لکھنؤ،
دینے کے لئے سب سے پہلے ۱۸۲۱ء میں ایک میگزین نکلا
ادھر شمالی ہند نے اردو صحافت کا آغاز ہوتے ہی دو
پادریوں نے ”خبر خواہ ہند“ کے نام سے مرزاپور اور بیانس سے
دو ماہ نامے جاری کیے۔ ادھر دہلی کے مسلمانوں میں نظریاتی و
مسلمکی اختلافات پیدا ہوئے تو انہوں نے ایک دوسرے کے
خلاف اخبارات کے ذریعہ اپنادفاع کرنا ضروری سمجھا۔ دوسری

محمد بن قاسم نے جب سندھ فتح کیا تو اسلام اس خطے کے فرسودہ مذاہب کے درمیان ایک جدید اور روشن خیال دوسرے کے مقابل آگئے اور پندرہویں صدی کے آخری دہائی میں واسکوڈی گامانے ہندوستان تک پہنچنے کا سمندری راستہ تلاش کر لیا تو یہ سر زمین عیسائیت کی تبلیغ سے معمور ہو گئی اور انسیوں صدی میں اسلام، عیسائیت اور ہندو مت یہ تینوں ایک دوسرے کے حریف بن کر سامنے آئے۔ چنانچہ تاریخ کے مطابق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ صدی عقائد کے اعتبار سے مذاہب کی باہمی کشمکش اور تصادم سے عبارت رہی۔ چنانچہ اسی وقت مذہبی صحافت اس سردمبارزت آرائی کا منطقی جواز تھا، جس نے عقائد کے باہم تکرار سے جنم لیا۔

ڈاکٹر طاہر مسعود کی رائے کے مطابق اس خطے میں مذہبی صحافت کی بنیاد عیسائی مشریوں نے رکھی۔ ان کا کہنا ہے کہ راجہ رام موہن رائے نے ان مشریوں کے پر پیکنڈے کا جواب دینے کے لئے سب سے پہلے ۱۸۲۱ء میں ایک میگزین نکلا۔ ادھر شمالی ہند نے اردو صحافت کا آغاز ہوتے ہی دو پادریوں نے ”خبر خواہ ہند“ کے نام سے مرزاپور اور بیانس سے دو ماہ نامے جاری کیے۔ ادھر دہلی کے مسلمانوں میں نظریاتی و مسلمکی اختلافات پیدا ہوئے تو انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف اخبارات کے ذریعہ اپنادفاع کرنا ضروری سمجھا۔ دوسری

۱۸۷۸ء میں ایک احمد کی کتاب "میڈیا، اردو اور جدید روحانیت" میں انگریزی دور حکومت کے ان اخباروں و رسائل کی تعداد ۹۸ بتائی ہے اور ایک کانفرنس میں ان رسائل و اخبارات کو مضامین کے اعتبار سے چھ اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جن میں پہلی قسم میں ادیان باطلہ والے اخبارات و رسائل رکھے گئے ہیں۔ جن کی تعداد ۱۵ ہے۔ دوسری قسم شرک و بدعات کی تردید میں ہے جن کی تعداد ۱۲ ہے۔ اور تیسرا قسم کا تعلق ادب و تاریخ سے ہے جن کی تعداد ۱۶ ہے۔ اور چوتھی قسم ادب و سیاست، اصلاح و اخلاق جو ۱۳ اور پانچویں قسم دینی و اصلی اور اخلاقیات سے ہے جن کی تعداد ۲۰ ہے۔ اور پھٹی قسم جہاد فی سبیل اللہ سے متعلق ہے جو صرف دو ہیں۔ ان تمام اخبارات و ذرائع کا تعلق باقاعدہ کی مدرسے سے نہیں تھا بلکہ یہ نکلتے رہے۔

۱۸۷۸ء میں ایڈیشن سے پہلے کی مذہبی صحافت میں معروف محقق، مصنف اور صحافی مولانا شاء اللہ امرتسری کی بڑی کاؤنسلری ہیں جنہوں نے عیسائیوں کی ریشہ دوائیوں اور والاسب سے پہلا خبر "تحفہ حفیہ ہے" جسے بریلوی مکتب فقر کے معروف عالم دین قاضی عبدالواحد عظیم آبادی نے ۱۸۷۸ء میں مدرسہ حفیہ پٹنہ سے نکالا تھا۔ اس کے بعد اس مکتب فکر میں طویل خاموشی چھائی رہی تا آنکھ ۱۹۲۰ء کے آس پاس کئی رسائل نکلنے شروع ہوئے۔ جن میں ماہ نامہ "الفقیریہ"، "الرضا" بریلی، ہفت روزہ "دبہہ سکندری" رام پور ماہ نامہ "سوا دالا عظم"، ماہنامہ "انوار الصوفیۃ" اور "نوری کرن" بریلی ہیں۔ اس مسلک کے پرچوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ کا مصدق تھا۔ علاوہ ازیں پھر ۱۹۵۲ء میں ماہ نامہ ترجمان جو آج بھی بے پابندی وقت شائع ہو رہا ہے۔ اہل حدیث کے مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے قبل از آزادی ہند تمام جرائد و رسائل کے دفاع میں سرگرم عمل رہ کر صحی سازشوں کو ناکام شروع کیا تھا جو دو سال کے بعد جامنور میں تبدیل ہو کر چوبیں

آزادی ہند سے پہلے کی مذہبی صحافت میں معروف محقق، مصنف اور صحافی مولانا شاء اللہ امرتسری کی بڑی کاؤنسلری ہیں جنہوں نے عیسائیوں کی ریشہ دوائیوں اور آریہ سماج کے قلعوں کو اپنے مدل جملوں سے مسما کر دیا۔ مولانا نے ۱۹۳۲ء میں امرتسر سے اخبار اہل حدیث شروع کیا جو ۱۹۳۸ء تک بلا توقف شائع ہوتا رہا۔ جس میں مذہبی، سماجی، سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور علمی مضامین کے علاوہ مولانا کے بقول جس طرح دستخوان پر ہمہ اقسام کاذائقہ ہوتا ہے، اسی طرح اخبار میں بھی ہمہ اقسام کے مضامین ہونے چاہیے! کام مصدق تھا۔ علاوہ ازیں پھر ۱۹۶۶ء میں ماہ نامہ ترجمان جو آج بھی بے پابندی وقت شائع ہو رہا ہے۔ اہل حدیث کے مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے قبل از آزادی ہند تمام جرائد و رسائل کے دفاع میں سرگرم عمل رہ کر صحی سازشوں کو ناکام

مہینہ کے بعد بند ہو گیا۔ پھر ان کے پوتے خوشنورانی نے ۲۰۰۲ء میں دلی سے اس ماہ نامہ کی نشأۃ ثانیہ کی جو آج بھی برقرار ہے۔ دوسرے طرف شیعہ حضرات نے بھی اپنارسالہ ”نماہنہ اصلاح“ کے نام سے ۱۸۸۱ء میں جاری کیا۔ پھر ”اشمس“ اور ”الکلام“ جاری ہوئے۔ ۷۰ کی دہائی میں لکھنؤ سے ہفروزہ ”سرفاراز“ نکلا جو ۸۰۰ کی دہائی میں بند ہو گیا۔ اس مکپ فکر کے حامل رسائل میں شعاع عمل، تنظیم المکاتب، نظارہ، طبوی، الواقعہ، ذکری، مدینۃ العلم، ناصر، باب العلم اور حکیم الامامت قابل ذکر ہیں۔

دارال Huffain کے ”معارف“ اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ”تعمیر حیات“ کا تذکرہ فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ یہ جرائد نہایت قدیم ہونے کے ساتھ علمی ادبی و ثقافتی اصلاحی تحقیقی اور دیگر اوصاف میں ایک زوالی شان رکھتے ہیں۔ زبان و ادب کے ناجید سے تو ان کے ہمسر بہت کم نظر آتے ہیں جو اردو ادب کے گیسوں کو نہ صرف سلیمانی بلکہ اس کی گھنی چھاؤں سے نہ جانے کتوں کو راحت بخشتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ کچھ اردو اور اچھی زبان لکھنے کے لئے جب تک عربی اور فارسی سے آشنائی نہ ہوتی تک نہ ادبی اردو لکھی جاسکتی ہے اور نہ زبان کی چاشنی کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔ جن کا اعتراف بہت سے اردو داں حضرات نے کیا ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف کرنے میں ذرہ برابر تامل نہیں کہ اردو زبان کے تحفظ اور بقاء میں دینی مدارس کا بہت بڑا ہی نہیں سب سے بڑا روں ہے۔ بفرض حال عصری یونیورسٹیوں اور کالجوں میں اردو کی تعلیم بند بھی ہو جائے تب بھی اردو کی بقاء کے لئے دینی مدارس کے قلعے کافی ہیں۔ اگر دینی مدارس اردو کے قلعے ہیں تو اس سے نکلنے والے رسائل و جرائد اردو کے سپاہی اور فوجی حفاظت کی جائے، شریعتِ محمدی کی پابندی کی جائے اور

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ مذہبی اردو صحفت کی ترقی و ترویج میں دینی مدارس کا بھی بڑا کردار ہے۔ اس وقت ہندوستان میں دینی مدارس کا ایک جال پھیلا ہوا ہے جن کی صحیح تعداد قطعیت کے ساتھ نہیں بتائی جاسکتی۔ البتہ ہزاروں سے مجاہزوں ضرور ہے جن میں دارالعلوم دیوبند کوام المدارس کی حیثیت حاصل ہے۔ جہاں سے ۱۹۱۳ء میں ”الرشید“ اور ”القاسم“ کے نام سے دو ماہنامے جاری ہوئے جن کے مقاصد مسلم معاشرہ کی سماجی برائیوں کا خاتمه اور اسلامی شریعت پر لوگوں کو گامزن کرنا تھا۔ الرشید ہر ماہ کی آخری تاریخوں میں منظر عام پر آتا تھا جبکہ ”القاسم“ ہر ماہ کی ابتدائی تاریخوں میں جلوہ گر ہوتا تھا۔

ماہنامہ ”الرشید“ کے پہلے شمارے میں رسالہ کی غرض و عایت پر سرانجام محمد رشیدی نے اس طرح روشنی ڈالی ہے:

”مک میں بہت سے اخبارات و رسائل جاری ہیں مگر ایسے رسائل کہ جن سے تمدن کی غلط فہمیاں دفع ہوں، مسلمانوں میں دین اور مذہبی استقامت باقی رہے، اسلامی اصولوں کی حفاظت کی جائے، شریعتِ محمدی کی پابندی کی جائے اور

پس جوار دوزبان کے تحفظ و بقاء اور اس کے فروغ میں ناقابل تردید رول ادا کر رہے ہیں۔ مقامِ افسوس یہ ہے کہ ان جرائد کی تعداد اشاعت چند ہزار سے آگئے نہیں بڑھتی۔ جس کی وجہ سے یہ جرائد حالی زار کا شکار ہوتے ہیں اور کمپری کے عالم میں اپنی خدمات کو باقی رکھنے کے لئے کسی طرح سانس لے رہے ہوتے ہیں۔ اس لیے انہیں مستحکم کرنے، قوت بخشنا اور عوای خدمت کرنے کی خاطر ان کی دادرسی کی ضرورت ہے۔ ساتھ ہی ساتھ مدارس ویسٹی ی کے ذمہ داران اور جرائد و رسائل کے مدیران مل بیٹھ کر دینی صحافت کو مستحکم کرنے، اسے خسارے سے بچانے اور ہر صاحب ایمان تک پہنچانے کے وسائل و ذرائع پر غور کرنے کے لئے ایک لائچہ عمل تیار کریں اور اگر اس سمت میں ملکی یا صوبائی سطح پر صحافت کو تقویت پہنچانے والی مراعات سے استفادے کی را ہیں نکلتی ہوں اور وہ اردو زبان و ادب کے دائرہ کارکو وسیع بنانے میں کارگر ثابت ہوتی ہوں تو اس پر بھی غور کیا جانا چاہیے۔

عصرِ حاضر میں الیکٹرانک میڈیا نے جہاں ہر ایک کو اپنے زرخے میں لے رکھا ہے، وہیں اخبارات و رسائل اور جرائد کو بھی ایک عظیم طاقت قرار دیا گیا ہے کیونکہ الیکٹرانک میڈیا ایک ایسا وسیلہ ابلاغ ہے جو زیادہ تر سننے اور دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے جبکہ پرنٹ میڈیا کا تعلق پڑھنے اور سمجھنے سے بھی ہے۔ اس لئے مطبوعہ صحافت کو معلومات سے پر قاری کے تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھنے کے ساتھ ساتھ مدیران اس بات کا بھی لحاظ رکھیں کہ یہ جسمانی اور ذہنی تھکاوٹ کو دور کرنے کے لئے ڈھنی تفریخ کا سامان بھی فراہم کرتا ہے جہاں وہ حقائق کی ترسیل کا فریضہ انجام دیتا ہے، وہیں وہ سنوارنے ہی کا کام لیا جاسکتا ہے۔ ☆☆☆

ذرائع ابلاغ اور اسلام

ڈاکٹر سعید الرحمن خان صدر مسیح آف میں ایسوں انیش - جاپان

ضرورت بن گیا ہے۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد ہے جو روز نامے کا مطالعہ کرتی ہے، یا اپنی وی پر خبریں سنتی ہے، یا اختریت پر خبریں پڑھتی ہے۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ گاؤں اور دیہات کے لوگ بھی مختلف ذرائع ابلاغ کے ذریعے دنیا بھر کی خبروں کا علم رکھتے ہیں۔ ان سب معلومات سے ذرائع ابلاغ کی اہمیت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ہم سب پر ضروری ہے کہ ذرائع ابلاغ کی اہمیت کو بچھ کر اس کو پوری انسانیت اور دینِ اسلام کی خدمت کے لیے استعمال کریں۔ خوب جان لیں کہ اسلامی ذرائع ابلاغ میں تمام تعلیمات کو شریعت حفاظت فرمائے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

رسول اللہ ﷺ نے حدیث شریف میں جیجہ الوداع کے موقع پر فرمایا: اگر ایک آیت تم مجھ سے جانتے ہو تو وہ دوسروں تک پہنچادو۔ (صحیح بخاری: ۳۲۰۲)

اگر ہم غور کریں تو معلوم ہو گا کہ قرآن کریم اور حدیث شریف دونوں میں ابلاغ کا لفظ اور وہ بھی امر کے صیغہ کے ساتھ استعمال ہوا ہے، جس کے معنی ہیں: پہنچادو۔ ذرائع ابلاغ کی بہیش سے اہمیت رہی ہے۔ لیکن موجودہ دور میں اس کی اہمیت بہت نمایاں طور پر سامنے آئی ہے، اور روز بروز اس کی اہمیت زیادہ ہوتی جا رہی ہے۔ خواہ وہ وعظ و نصیحت ہو، یا نشر و اشاعت، یا کتابت و صحافت ہو، یا اختریت، یا اپنی چینل ہو، ذرائع ابلاغ کا کوئی بھی میدان دوسرے میدان سے اہمیت میں کم نہیں ہے۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے ذرائع ابلاغ (ماں میڈیا) کو چھٹی طاقت سے تعبیر کیا ہے۔ موجودہ دور میں روزنامہ انسان کی

قصاص پہنچادو۔ پھر تم کو اپنے کیے پر نادم ہونا پڑے۔

اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت کریمہ میں ذرائع ابلاغ کے اہم اصول بیان فرمائے ہیں۔ جو کہ ہر فرد، ہر سماں، ہر کمیونٹی اور ہر حکومت کے لیے راہ ہدایت بن سکتے ہیں۔ وہ یہ کہ جب بھی کسی

اللہ تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں ایک جھوٹی خبر کی اشاعت کو بھی فاحشہ (بدکاری) سے تعبیر فرمایا ہے، اور اسے دنیا و آخرت میں عذابِ الیم کا باعث قرار دیا ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک جھوٹی خبر کی اشاعت بڑا جرم ہے۔ جو لوگ شب و روز معاشرے میں ذرا بُخ ابلاغ کے ذریعے غلط خبریں اور افواہیں پھیلاتے رہتے ہیں، ایسے لوگ یقیناً اللہ تعالیٰ کی پکڑ اور عذاب کے سخت ہیں۔

مناسب ہے کہ آپ کے سامنے رسول اللہ ﷺ کے اقوال پیش کروں تاکہ ذرا بُخ ابلاغ کی اہمیت مزید ہمارے سامنے آجائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک بندہ (انسان) بات کرتا ہے، وہ نہیں جانتا کہ اس میں کیا ہے، لیکن وہ اس کے ذریعے جہنم میں ڈال دیا جاتا ہے، جس کی مسافت مشرق و مغرب کی مسافت سے بھی زیادہ ہوگی۔ (صحیح مسلم: ۵۲۰۳)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک بندہ بات کرتا ہے، جس میں وہ کوئی حرج نہیں سمجھتا، لیکن وہ اس کے ذریعے جہنم میں ڈال دیا جاتا ہے، جس کی مسافت ستر خریف کے برابر ہوگی۔ (منhadīح: ۲۹۱)۔

مذکورہ احادیث میں بات سے مراد ہے کہ خواہ وہ زبان سے کہی جائے یا تحریری طور پر پیش کی جائے، وہ سب اس میں شامل ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث میں ذرا بُخ ابلاغ کی اہمیت اور اس کے صحیح استعمال نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی پکڑ کو جانے کے بعد ہم سب پر ضروری ہے کہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں اور ذرا بُخ ابلاغ کو پوری انسانیت، قوم و ملت اور ملک و وطن کی خدمت کے لیے استعمال کریں۔

مفتکر اسلام علامہ سید ابو الحسن علی حسینی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

کے پاس کوئی خبر یا اطلاع آئے تو اس کی نشر و اشاعت، یا اس پر کارروائی سے قبل اس خبر یا اطلاع کی تحقیق کر لی جائے۔ تاکہ غلطی سے کسی پر ظلم و زیادتی نہ ہو جائے۔ لیکن موجودہ دور میں مسئلہ اس کے برخلاف ہے۔ اس وقت ذرا بُخ ابلاغ کی کوشش ہوتی ہے کہ سب سے پہلے کون خبر کو شائع کرتا ہے۔ اس میں ہی وہ اپنی جیت سختی ہیں۔ اس خبر پر کیا اثر مرتب ہو گا؟ اس کے نتائج کیا برآمد ہوں گے؟ اس کی اُن کوئی فکر نہیں ہوتی ہے۔ اگر ہم قرآن کریم میں سورۃ النور کی آیات کریمہ ۱۱ سے ۲۰ تک کام مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت فرمائی، اور آپ رضی اللہ عنہا کی عظمت شان و بلند مقام کو نمایاں طور پر بیان فرمایا۔ اس کے ہی ساتھ ساتھ ہم مسلمانوں اور پوری انسانیت کے لیے عبرت و نصیحت کے پہلو بھی پیش کیے گیے ہیں، وہ منحصر ایہ ہیں:

۱۔ تمام مسلمان ایک جان کی طرح ہیں، اس لیے اگر کسی پر بہتان و اتهام لگایا جائے تو اس کو اپنے اوپر قیاس کر کے فوراً اس کی تردید کی جائے، اور حق و حق کا ساتھ دیا جائے۔ بلکہ پوری انسانیت ایک ہے، اور اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ بہتان و اتهام کو رد کرے اور حق کا ساتھ دے۔

۲۔ کسی پر اذرام کو ثابت کرنے کے لیے گواہ کا ہونا ضروری ہے۔ وہ گواہ بھی سچے ہوں۔ بکے ہوئے گواہوں کی کوئی وقعت و قیمت نہیں۔

۳۔ غلط خبر کی افواہ سازی اور اس کی نشر و اشاعت بہتان اور جرم عظیم ہے۔ اور ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب و عقاب کے مسخت ہوں گے۔

۴۔ کسی کی عزت و آہ و پر حملہ کرنا اور کسی کی تذلیل و اہانت کرنا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فاحشہ کو بدکاری قرار دیا ہے۔

وپروں ہند ان ممالک میں خاص پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا، جنہیں سامر ابی شنبے سے آزادی ملی تھی۔ اس مجلہ کو نوجوان ادیب وداعی استاذ محمد الحسنی اور ان کے رفیق و ساتھی ڈاکٹر استاذ سعید الرحمن عظی ندوی نے نکالا جو کہ آج کل دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم ہیں۔ اسی طرح پندرہ روزہ جریدہ ”الرائد“ راقم السطور نے نکالا جس کے اڈیٹر مشہور اسلامی ادیب استاذ محمد واضح رشید حسنی ندوی ہیں، جودارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے معتمد تعلیمات ہیں۔

ان دونوں اخبارات نے مسلمانوں سے متعلق اہم موضوعات پر لکھا اور سید گیری راہ سے اخراج پر بحث تقدیم کی۔ یہ دونوں اخبار اب بھی نکل رہے ہیں، اور عوت و اصلاح کا کام بخوبی انجام دے رہے ہیں، اور اسلامی فکر رکھنے والے حقوقوں میں انہیں ہندستان اور پیروں ہند میں خاص مقبولیت و پسندیدگی حاصل ہے۔

اس وقت پوری دنیا ۷۰ سے ۸۰ فیصد خبریں اسلام دشمن ذرائع ابلاغ سے بغیر کسی تحقیق کے اخذ کرتی ہے۔ آج پوری دنیا میں اسلام دشمن ذرائع ابلاغ ایک پلان کے تحت دین اسلام کی قدریوں کو نشانہ بنائے ہوئے ہیں۔ وہ دین اسلام کو اس طریقے سے پیش کرتے ہیں کہ لوگ اس سے دور بھاگیں، اور اس کے قریب جانے سے اپنے آپ کو خطرے میں محسوس کریں۔ اس وقت وہ اسلامی تعلیمات پر حملہ آور ہیں، جن کو شمار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ وہ مسلمان نوجوانوں خاص طور سے جن کی عمر ۱۶ سے ۲۵ سال کی ہیں، ان کے لیے مختلف پروگرام پیش کرتے ہیں۔ تاکہ وہ ان نوجوانوں کو اسلام کی تعلیمات و افکار سے ناواقف رکھیں۔

ان نوجوانوں کو قرآن کریم اور احادیث شریفہ سے دور رکھیں، اور ان نوجوانوں کے اندر عصت و شدت کی ترغیب پیدا کریں۔ ہم مسلمان یہ سمجھ لیں کہ یہ حق و باطل کی جنگ ہے، جس میں ہم کو ذرائع ابلاغ کا جواب ذرائع ابلاغ سے دینا ہوگا۔ ☆☆

ایک صاحب فکر قلم کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

”مولانا سید محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ مقالات انہیں توی اور آتشیں اسلوب میں شائع ہوتے، جو لکھنے والے کی نفیات اور اندر ورنی جنگ کا نتیجہ تھے۔ اس اسلوب میں بیان کی قوت، قلم کی روائی و سلاست اور لغوی دولت پائی جاتی تھی، اس کا اسلوب نگارش شعور کو بیدار کرنے، عقل نفس کو حرکت دینے، احساس کہتری سے جنگ کرنے اور اسلامی پیغام کی عظمت اور امت اسلامیہ کی صلاحیت کا یقین دلانے والا تھا۔ اس کا اسلوب اعلیٰ اسلامی اقدار اور اسلامی مفہیم پر فخر کرنا سکھلاتا، خاص کر اس وقت یہ احساس فخر بہت توی ہو جاتا جب دلائل و وسائل اور شواہد و تجارب سے ان اقدار و مفہیم کو مزید مسلح کر دیا جاتا۔ یہی اسلوب ہر اصلاح و انقلاب کا پیش خیمہ اور ہر بیداری و ترقی و عروج کا علم بردار ہوتا ہے۔ یہ شرہ و پھل ہے اس پیش اور راہ حق سے اس عشق کا جو اس نوجوان ادیب کے دل میں جوش مارتا ہتا تھا۔“

حضرت مولانا سید محمد رائیح حسنی ندوی ”ہندوستان میں اسلامی صحافت کی تاریخ و ارقاء“ کے مقدمے میں تحریر فرماتے ہیں:

”ان اخبارات و رسائل میں زیادہ تر ایسے تھے جو دینی جوش و جذبے کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ ملک سے غیر ملکی سامر ارج کے اخراج کے لیے عوام کے اندر حوصلہ، عزم و ارادہ اور اعتماد کی نضال پیدا کرتے تھے۔ صحافت کے انہی علم برداروں نے عوام و خواص میں مقابلہ کی روح پھوکی تھی۔“

ایک دوسری جگہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

”بہت سے درمیانہ علماء و فضلاء اور اہل قلم کھڑے ہوئے، اور صحافت کے ذریعے اعلیٰ ترین تعمیری خدمات انجام دیں، اور ان کو ششوں کو فکر اسلامی کے دلدادہ اشخاص کی طرف سے سراہا گیا۔“

ایک جگہ لکھتے ہیں:

”عربی زبان میں مجلہ ”البعث الاسلامی“ بھی نکلا، جسے ہند ذرائع ابلاغ کا جواب ذرائع ابلاغ سے دینا ہوگا۔☆☆

ذراائع الیارث میں ادوبیت اور جاذبیت کی ضرورت

مولانا سید محمود حسن حنفی ندوی

دوسروں تک بات پہنچانے کے ذرائع ادھر جس تیز رفاری

سے سامنے آئے ہیں، ان میں پہلے پر لیں کا مرحلہ تھا، جس نے "اس کام میں مصنف کی شہرت اور کتاب کی ظاہری جاذبیت سے بڑی مدد تھی ہے۔ بعض وقت کتاب کے موضوع کا کسی خاص مناسب وقت یا عمومی احساسات و جذبات سے ربط رکھنا بھی موثر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ہوشیار اہل قلم وقت و موقع دیکھ کر موضوع اختیار کرتے ہیں۔ اور ان کی تصنیف کو اس طرح مقبولیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بعض دارالاشرافت وقت اور تقاضوں کے ظاظ سے تصنیف کرواتے یا تصنیف کو طبع کرتے اور پھیلاتے ہیں۔ اور اس تجارت سے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔ لیکن مذکورہ بالا صورت میں حق و باطل، ضمیر و بے ضمیری، انصاف و بے انصافی پر اتنی نظر نہیں رکھی جاتی جتنی طلب جاہ و مال پر رکھی جاتی ہے، اور اسی کا حصول مقصود ہوتا ہے۔ اسی لیے عام طور پر غیر سمجھیدہ اور لطف پر موضوعات پر کتابیں زیادہ مقبول و راجح ہو جاتی ہیں، اور لوگ اس راہ سے خوب کمائی کرتے ہیں، خواہ مصنف ہوں، خواہ طالع، خواہ ناشر، اور ان کے پڑھنے والوں کی ڈھنی و جذباتی تربیت اسی نامناسب اور مضر خیالات و اخلاق پر ہوتی ہے۔"

البتہ مولانا سید محمد رائح حنفی ندوی مظلہ نے اس کے عکس صحیح مقصدیت کے غیر معمولی اثرات کو اس طرح بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"لیکن ضمیر و حق و مقصدیت کے طالب صحیح نجیمہ اور ٹھوں

جاائزہ لیتے ہوئے لکھا کہ: سے سامنے آئے ہیں، اس کا مرحلہ تھا، جس نے کتابوں، اخبارات اور رسائل و جرائد کے ذریعے ذہن سازی اور تربیت و تعلیم کا کام کیا، اور لوگ گھر بیٹھے ان باتوں سے واقف ہونے لگے جن سے واقف ہونا بغیر ان ذرائع کے ممکن نہ تھا۔ اور اگر ممکن تھا تو اسی طرح جس طرح پر لیں کی ایجاد سے پہلے لوگ اپنی پیاس بھانے کنویں کے پاس جاتے تھے اور پانی لا کر اپنے گھر والوں، محلہ والوں کو سیراب کرتے تھے۔ لیکن کتابوں، رسائل و جرائد اور اخبارات کی اہمیت اسلامی نقطہ نظر اور انسانی کردار سازی کو پہش نظر کھلتے ہوئے اسی وقت ہوتی ہے، جب اس میں صحیح مقصدیت ہو، صرف نام فہمودا اور جذبہ معاش ہی نہ ہو۔"

شہرت طلبی اور تجارتی فائدے کو سامنے رکھ کر جو قدم اٹھایا جاتا ہے، اس میں انسانی کردار سازی کا کام دب کر رہ جاتا ہے، جس کے نتیجے میں لوگوں کے عمومی جذبات کو سامنے رکھ کر اس لیے کتابیں لکھی اور چھاپی جاتی ہیں کہ وہ زیادہ سے زیادہ نکلیں گی۔ اس میں حق و باطل کی تیزی باقی نہیں رہ جاتی۔ انسانی اقدار اور اسلامی مزاج سے ہٹ کر لوگوں کے جذبات کو ترجیح دے کر یہ کام تعمیری کے بجائے تخریبی بن کر رہ گیا، اور مصنفین اور مدیرین رسائل و جرائد جو زمانے کا مزاج اور رُخ بدلنے اور صحیح سمت پر لوگوں کو ڈالنے کا کام کرتے ہیں، خود اسی میں ڈھلتے چلے گے۔"

حضرت مولانا سید محمد رائح حنفی ندوی مظلہ نے اس صورت حال کا

میں جانا چاہتے ہیں، چنانچہ فاشی اور اس کے لیے اشتہار کا سہارا ہمارے اخبارات لیتے ہیں، اس کے نتیجے میں اشتہار کا فائدہ بڑی قیمت کی شکل میں ملتا ہے، اس لیے تعمیر انسانیت کے مقصد کو لے کر اٹھنے والے اخبارات تحریکی ذریعہ بنکر رہ جاتے ہیں۔ اتنی ادبی چاشنی اور جاذبیت ضروری ہے کہ قاری پڑھ کر اکتا نہ، اور اپنا سفرِ مطالعہ جاری رکھے۔ اس لیے کہ یہ انسانی مزاج ہے کہ صرف تلقین و نصیحت موثر نہیں ہوتی، مخاطب کے ذہن و مزاج کا خیال رکھ کر اور اس کی نفیات کو سمجھ کر بات کی جائے تو وہ بات زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ دل سے نگلی ہوئی بات دل کو پارہ پارہ کرتی ہے کہ:

از دل خیزد بر دل ریزد

لیکن ایسا اخلاص بہت دن میں پیدا ہوتا ہے، اور سب میں ہوتا بھی نہیں، اس لیے دوسرے ذرائع سے بات کو طاق توڑ بنا جاتا ہے۔ اسی لیے ہم کو جو تعلیم وی گئی ہے، وہ ہے: ﴿كُلُّمَا النَّاسُ عَلَى قُدْرَةِ عِقْلِهِمْ﴾ اور فرمایا گیا ہے: ﴿وَ جَادَلُهُمْ بِالِّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ اور حکمت و موعظہ حسن سے تین کی تعلیم وی گئی ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو دعوت حق پہنچانے کے لیے سرکش کے سامنے جو طریقہ اختیار کرنے کو کہا گیا، وہ تھا: ﴿وَ قَوْلًا لَهُ قَوْلًا لِيَنَا لِعَلِهِ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى﴾۔

ادب و معلومات اور نفیات کا خیال یہ زیادہ سرعت رفتاری سے بات کو دل میں اتارتا ہے۔ اسی لیے اس نتیجے پر پہنچا گیا کہ کسی نہ کسی حد تک ادبی چاشنی اور جاذبیت ضروری ہے، کیوں کہ وہ اپنے پڑھنے والوں کو اپنے سے وابستہ رکھتی ہے، ورنہ بقول حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مذکور:

”اگر رنگ صرف تعلیم و تلقین و نصیحت کا ہو تو اس کی طرف

ماں ہونے والے کم ہوں گے، اور جو ماں ہوں گے تو وہ بھی زیادہ قائم نہیں رہ سکتے۔“ (سماج کی تعلیم و تربیت صفحہ ۱۳۲)

مقصد ہی کو اختیار کرتے ہیں، خواہ اس راہ سے ان کو منفعت زیادہ نہ ہو، سماجی تربیت کے موضوع میں بھی وہی تصنیفات و مطبوعات آتی ہیں جو قارئین کے علم و ثقافت اور اخلاق و دین کو مدد بہم پہنچاتی ہوں، اور تربیتی مقصد کو پورا کرتی ہوں، وہی کتابیں با مقصد ہوتی ہیں۔ اس لیے کتابوں اور تصنیفات کی اشاعت و ترویج تہاں انفرادی کوششوں سے کمتر حاصل ہوتی ہے، اس کام کو عموماً دارالاشراف قسم کے ادارے زیادہ کامیابی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ (سماج کی تعلیم و تربیت صفحہ ۱۲۹-۱۳۰)

صحافت سے فائدے کو مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مذکور نے زیادہ موثر اور طاقت و ریتایا ہے اور لکھا ہے کہ:

”صحافت کا فائدہ لٹریپر اور کتابوں کی اشاعت کے فائدے سے بڑھا ہوا ہے، اور وہ فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے روز بذلتے ہوئے اور وقت وقت کے موضوعات اور خیالات کو بہ آسانی لوگوں تک پہنچایا جا سکتا ہے، اور بڑی حد تک اتنا لق کا کام لیا جاسکتا ہے، جو خیر و بد کی طرف توجہ دلانے لیکن یہ بات اسی وقت ہوگی جب صحافت سے کام لینے والے کا مقصد تیری ہو، ورنہ اس موثر ذریعہ اثر سے لوگوں کو بگاڑنے کا کام لیا جاسکتا ہے، کیوں کہ جیسی غذا اور رہنمائی ملے گی، ویسی نشوونما اور تربیت ہوگی۔“ (سماج کی تعلیم و تربیت صفحہ ۱۳۸)

صحافت کو موثر بنانے کے لیے ادبی چاشنی، مذہبی اور اجتماعی و سائنسی رنگ دینے کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ اور اب کھیل کا بڑا حصہ بھی اخبارات کی زینت بنتا جا رہا ہے۔ اخبار والوں کے سامنے یہ بات زیادہ پیش نظر رہتی ہے کہ اخبار کیسے اور کتنا اور کس صورت میں نکلے گا۔ اسی لیے جرائم کی خبریں زیادہ دی جاتی ہیں۔ اور بعض رسائل جرائم اور کھیل کی خبروں کے ساتھ خاص ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ چیز مضر ہو رہی ہے۔ اور چونکہ عوام کا مزاج پست ہوتا ہے، وہ اسی پر اکتفا نہیں کرتے اور زیادہ چاشنی

تخیریب پسند عناصر

اور

ذرائع ابلاغ

مولانا حضرت علی فاسی ندوی بارہ بگوئی (کویت)

ہزار سال تک کوئی ایسا نظام ایجاد نہیں ہوا تھا، جو کہی ہوئی بات کو قلم
بند کر کے پڑھنے کے لئے محفوظ کر سکے۔ انسانی ثقافت ہمہ وقت
فروغ پذیری کے ساتھ ترقی پذیر رہی، لیکن ایسے ذرائع وضع کرنے
میں ناکام رہی جو وقت اور فاصلے کی تنخیر کر سکتے۔ لوگ خیالات و
جدبات کو محفوظ کرنے اور زمانے کے نقش منتقل کرنے میں ذاتی
حافظے اور یادداشت تک محدود تھے۔ ایسے معاشرے میں ماہر تصدیق
گوئی کسی انسانی گروہ کی تاریخ کو محفوظ کرنے کے لئے نئی نسلوں
کی تربیت دیومالائی قصے کہانیوں کے ذریعہ کر سکتا تھا۔ اور قافلوں
کے ذریعے بھی ترسیل کا عمل ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک
شہر سے دوسرے شہر تک جاری تھا۔

پھر ایک طویل عرصہ کے بعد تحریر کی ایجاد نے انقلاب پیدا
کر دیا۔ زبان و تقریر کے بعد یہ دوسرا ابلاغی انقلاب تھا۔ اب کیا
تھا، قدیم معاشروں نے اپنے خیالات و جذبات اور افکار و
تجربات کو تحریری صورت میں جمع کرنا شروع کر دیا، اور اس کے
لیے انہوں نے چھپی پیپوں (Scrolls) تختوں اور پتھروں کا
استعمال کیا۔ لیکن یہ بڑا پریشان کن ذریعہ تھا، سنگی دستاویزات
(Stone Documents) کو ادھر ادھر منتقل کرنا مشکل امر
تھا۔ تاہم چند صد یوں کے بعد منتقل پذیر ذرائع ابلاغ زیر استعمال
آگئے۔ اطلاعات و معلومات کو دور دراز فاصلوں تک بھیجا ممکن

ہو گیا، انتظام و انصرام میں آسانیاں پیدا ہوئیں اور عظیم ترین

عربی زبان میں ابلاغ و تبلیغ کے معنی پہنچانے اور ارسال
کرنے کے ہیں۔ انگریزی زبان میں اس کا مترادف لفظ
Communication ہے، جو کہ میل جوں، آمد و رفت اور خط و
کتابت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جارج اے ہلر اپنی کتاب
Language and Communication میں رقم طراز ہے:
”ابلاغ کا مطلب ایک اطلاع یا پیغام کو ایک جگہ سے دوسری جگہ
 منتقل کرنا اور پہنچانا ہے“۔ What is communication
میں ماہن سکر کے مطابق نظریات و خیالات اور اطلاعات کو ایک
جگہ سے دوسری جگہ لے جانا یا ایک فرد سے دوسرے فرد کو منتقل
کرنے کا عمل ابلاغ ہے۔ روں ایلی یارے کے خیال میں کسی
دوسری چیز کے بارے میں اپنا عمل، رو عمل یا احساسات و جذبات
دوسرے تک پہنچانا تاکہ وہ اس سے متاثر ہو کر متحرک
ہو جائے، ابلاغ کہلاتا ہے۔

ایلن ایم لیسبرگ نے اپنی کتاب Living
Communication میں ابلاغ کی تعریف اس طرح کی ہے:
”ابلاغ زبان کا محتاج نہیں، بلکہ دو اشیاء کا ایک دوسرے
کے نقطہ نظر کو سمجھ لینا ابلاغ ہے۔ اس عمل میں جاندار، پودے اور
بیجان اشیاء بھی شامل ہیں“۔

ذرائع ابلاغ عہد قدیم میں

جب سے انسان نے بولنا سیکھا ہے، اس وقت سے لکھ پائی

سلطنتیں قائم ہو گئیں۔ تحریر کے ان اثرات نے ثقافتوں کو مالا مال کیا، اور سماجی تبدیلی کی رفتار بڑھادی اور پھر کتابوں کے آغاز و اجراء نے اس امکان میں مزید اضافہ کر دیا۔ لیکن جہاں ایک طرف کتابیں زیادہ کارآمد تھیں، ویسی دوسری طرف اعداد و ترتیب میں کلفت و مشقت کچھ کم نہ تھی، چنانچہ پرندرے کے پر سے بنائے ہوئے فلم اور روشنائی کی مدد سے کوئی ماہر کتاب ایک کتاب کا نسخہ تیار کرنے میں ایک سال کا عرصہ لگاتا تھا، انجام کارکتابوں کی فرائی بہت محدود تھی، محدودے چند اشخاص کتابیں خرید پاتے۔

اس طرح آبادی کا بڑا حصہ ناخواندگی اور جہالت کا شکار ہو جاتا تھا، اس کے بعد چھپائی میشین Printing Press کی ایجاد و دریافت نے ابلاغ کے عمل میں نیا انقلاب برپا کر دیا۔ اس دریافت کے بعد لاکھوں کی تعداد میں کتابوں کے نسخے آنے شروع ہوئے، جس سے تہذیب و ثقافت کو جلا اور فروغ حاصل ہوا۔

مود حاضر کے ذریعہ ابلاغ

چونکہ آج انسان نے اپنے جذبات و خیالات اور احساسات و تفکرات کو منتقل کرنے کے لیے نئے ذرائع ایجاد کر لئے ہیں کہ قدیم زمانے میں جن کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا تھا، چنانچہ آج اس کے متعدد اقسام موجود ہیں۔ بعض وہ ہیں جن کا تعلق پرنٹ میڈیا سے ہے، جن میں اخبارات و رسائل وغیرہ آتے ہیں، اور بعض الکٹریک میڈیا میں شمار کئے جاتے ہیں، اور اس میں بھی بعض سماجی، بعض بصری اور بعض دفعوں کا مجموعہ ہیں، ان تمام کے ذیل میں ریڈیو، ٹیلی ویژن، فلم، ریڈیو نیوزریل، آڈیو کیسٹ، کمپیوٹر، ٹیلی پرنسپر، ٹیلی فیکس، ٹیلی کانفرننسنگ، فیکس، اٹرنسنٹس، کیبل ٹیلی ویژن، موبائل وغیرہ آتے ہیں۔ اس کے علاوہ موافقانی سیارے ہیں جنہوں نے دنیا کو مکمل طور سے ان آئیوں کے حوالہ جات پیش نظر ہیں:

۱۲	سورة التغابن	۲۳
۲۵	سورة الرعد	۲۲

مسئلے کا حل

میڈیا کو تحریک پسند عناصر سے پاک رکھنے کے لیے ان کے منصوبے اور اغراض و عزم سے واقفیت اہمیت کی حامل ہے۔ چنانچہ یہودیوں کے منصوبے کا تاریخی پس منظر کچھ اس طرح ہے کہ ۱۸۹۱ء میں سوئزر لینڈ کے شہر ”بال“ میں تین سو یہودی دانشوروں، مفکروں، فلسفیوں نے ہر ہزار کی قیادت میں جمع ہو کر پوری دنیا پر حکمرانی کا منصوبہ تیار کیا تھا، یہ منصوبے ۱۹ پر ڈنکول کی صورت میں پوری دنیا کے سامنے آچا ہے، اس کو یہودی دانشوروں کی دستاویز بھی کہتے ہیں۔ اس پلان کی تیاری میں پوری دنیا میں پھیلی ہوئی تیس یہودی انجمنوں کے ذہین ترین ارکان نے حصہ لیا تھا۔ انہوں نے چہاں تمام دنیا پر حکومت کے لئے سونے کے ذخیرے پر قبضہ کرنے کی قرارداد پیش کی تھی، وہیں بارہویں دستاویز میں میڈیا کی غیر معمولی اہمیت، اس کی تاثیر و افادیت کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ”اگر ہم یہودی پوری دنیا پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے سونے کے ذخیرے پر قبضہ کو مرکزی اور بنیادی اہمیت دیتے ہیں تو ذرا لئے ابلاغ بھی ہمارے مقصد کے حصول کے لئے دوسرا اہم درجہ رکھتا ہے۔ ہم میڈیا کے سرکش گھوڑے پر سوار ہو کر اس کی باگ کو اپنے قبضے میں رکھیں گے۔ ہم اپنے دشمنوں کے قبضے میں کوئی ایسا موثر اور طاقتور ذریعہ ابلاغ غنیمیں رہنے دیں گے کہ وہ اپنی رائے موثر ڈھنک سے ظاہر کر سکیں۔ اس طرح کوئی چیز سماج تک ہماری تصدیق کے بغیر نہیں پہنچ سکے گی۔ اور ہم اسے کچھ جھوٹ سے مزین کر کے قوموں اور حکومتوں کے سامنے اس طرح پیش کریں گے کہ وہ بقول کرنے پر مجبور ہوں گے۔“

آیت نمبر	نام سورہ	نمبر شمار
۲۲	سورة الأعراف	۱
۲۸	سورة الأعراف	۲
۷۹	سورة الأعراف	۳
۹۳	سورة الأعراف	۴
۲۳	سورة الأحقاف	۵
۳۵	سورة الأحقاف	۶
۲۳	سورة الجن	۷
۲۸	سورة الجن	۸
۹۲	سورة المائدۃ	۹
۹۹	سورة المائدۃ	۱۰
۳۵	سورة النحل	۱۱
۸۲	سورة النحل	۱۲
۵۷	سورة الہود	۱۳
۱۸	سورة العنكبوت	۱۴
۲۰	سورة آل عمران	۱۵
۲۳	سورة النساء	۱۶
۵۳	سورة النور	۱۷
۳۰	سورة النجم	۱۸
۵۲	سورة إبراهیم	۱۹
۳۸	سورة الشوری	۲۰
۱۷-۱۶	سورة یسین	۲۱
۳۹	سورة الأحزاب	۲۲

یہودی منصوبے کے اس مختصر تذکرے کے بعد جب ہم اختیار کئے:

(۱) عیسائیت کی تبلیغ (۲) استشراق کی تحریک (۳)

مخالف تحریکات کا قیام اور تعاون (۴) لہو و لعب کے وسائل کو عام کرنا اور ذرا رائج ابلاغ کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنا۔

(۱) عیسائیت کی تبلیغ

تربيت یافتہ عیسائی مبلغوں اور پادریوں نے عیسائیت کی تبلیغ شروع کی، مختلف اسالیب میں لوگوں کو اپنا نہب تبدیل کرنے کی ترغیب دی، لیکن جب انہیں مکمل کامیابی حاصل نہ ہو سکی تو انہوں نے مذہبی لٹریچر اور مذہبی شخصیات کے متعلق بحثوں و شبہات پیدا کرنے کی بناًہ الی، تاکہ انسان کا اپنے مذہب پر اعتماد متبرزل ہو جائے، اور وہ مغربی تہذیب و ثقافت کو اپنی تہذیب پر ترجیح دے۔

(۲) استشراق کی تحریک

استشراق کی غیر مشرقی کا مشرق کی تہذیب، زبان و ادب، مذاہب، روحانیات اور ان تمام چیزوں کے تہذیبی ارتقاء پر اثرات کے مطالعہ میں اشتغال سے عبارت ہے۔ محققین کا خیال ہے کہ اس تحریک کے پیچھے مسلمانوں کے تینیں وہ دشمنانہ عزم ہیں جو مغرب کی ایک جماعت کے سینوں میں صلیبی جنگ سے پروش پا رہے ہیں۔

مشرق و مغرب کے اختلاط کا آغاز ساتویں صدی عیسوی میں ہوا، اور استشراق کی تحریک ابتداءً یورپ کے پادریوں اور مبلغوں کے ساتھ مشرق میں آئی، اس طور پر کہ کچھ پادری مغرب سے اندرس گئے اور وہاں انہوں نے علماء اسلام سے اسلامی علوم یکھے، لیکن منظم طور پر اس تحریک کا آغاز اس دور کے بعد ہوا جس کو یورپ کی تاریخ میں عہد صلاح الدین کہا جاتا ہے۔ چنانچہ عام طور

عیسائیوں کا جائزہ لیتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ صلیبی جنگ کے دوران جب انہیں یقین ہو جلا کہ ہم میدان جنگ میں عالم اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتے تب انہوں نے اپنی حکمت عملی تبدیل کی، اور اپنے مقاصد کے حصول کے تین اڑہاں و افکار اور قلب و ضمیر پر اپنا

سلط و اقتدار قائم کرنا شروع کر دیا۔ فوجی یلغار میں تھیا را اور افراد استعمال کئے جاتے ہیں، لیکن فکری یلغار میں تعلیم و تربیت، ذہن سازی اور پروپیگنڈے کا سہارا لیا جاتا ہے، فکری یلغار عسکری یلغار کے مقابلہ میں زیادہ خطرناک ہے، اس یلغار میں سامراج کو کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا، یلغار زدہ قوم خود بخود اسی راستے پر چل پڑتی ہے جس پر سامراج اسے لیجانا چاہتا ہے۔ اس طرح بآسانی وہ اپنا مقصد حاصل کر لیتا ہے، لیکن ہاں یاد رکھئے کہ یہ خود ساز با تین نہیں، بلکہ صلیبی جنگ میں شکست کے بعد مغرب نے اسلامی دنیا کے خلاف جنگ کی جو منصوبہ بندی کی تھی، اور جو مقاصد پیش نظر رکھتے تھے، اس کی صراحت خود امر یکن یک چھوٹ چرچ کی ایک انجمن کے صدر مارشل بولڈاؤن نے اپنی تقریر میں انجمن کے دوسرے سالانہ اجلاس ۱۹۲۱ء میں کی تھی، جس میں کہا گیا تھا کہ ”مغرب اسلام کو صرف موجودہ تمدن کے لئے ہی خطرناک تصور نہیں کرتا ہے، بلکہ عالم میسیحیت اور مختلف عیسائی فرقوں کی کم از کم ہزار سال سے اس کے ساتھ نہردا آزمائی چلی آرہی ہے، اور یہ جنگ برابر جاری رہے گی“، تو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہ جنگ پہلے علم و ادب کے راستے سے لڑی جا رہی تھی، اور اب ایک صدی سے اس جنگ کو فلموں کے ذریعہ گھر گھر پر ہو چکا گیا ہے۔

اس طرح سے مغرب نے اس یلغار میں مندرجہ ذیل طریقے

ان کے اساتذہ دشمن عناصر یا مغرب سے متاثر، اور جو لٹرپچر ان کے نصاب میں داخل ہے، وہ بھی دشمن عناصر کا تیار کردہ، ماحول اور فضا بھی مسوم اور زہریلی، گویا ان پر لا دینیت کا جادو چالایا جا رہا ہے، دہریت کی شراب پلائی جا رہی ہے، تاکہ انہیں پوری طرح مست و محور کر کے اسلامی اقدار و روایات کو ان کی نظر میں مبغوض بنادیا جائے، تاکہ ان کے رگ و ریشه میں اسلامیت کی رمق تک باقی نہ رہ جائے۔

ان تمام طرق سے ہمارے اخلاق کو بگاڑا جا رہا ہے، معاشرے کو مغرب پسند اور کرپٹ بنایا جا رہا ہے۔ ہم کو ہماری روایات و تخلیمات سے دور کیا جا رہا ہے، جس کا نتیجہ سماجی فساد، آپسی اختلافات و خانہ جنگی اور سیاسی ناکامی کی صورت میں ہمارے سامنے ظاہر ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہود و نصاری اپنی باہمی چیقلش اور آپسی معادنہ روش کے باوجود جب بات اسلام اور مسلمانوں کی آئتی ہے تو دونوں ایک دوسرے کے حلیف و رفیق، اور معین و مددگار بن جاتے ہیں۔ مذہب اسلام اور اس کے تبعین کو ضرر پہنچانے اور ان کو صفحہ ہستی سے منادیں، اور ان کے وجود کو نیست و نابود کر دینے میں کوئی دیققہ فروگزاشت نہیں کرتے، بلکہ ایسے موقع پر مانند دو پنچھے ایک کاج کے ہوجاتے ہیں، اور اپنے مقصد میں مصروف عمل نظر آتے ہیں، لہذا ان نازک حالات میں ذاتی ملکوسوں میں تصریح بازیوں اور اظہار افسوس اور خلوت میں اسلام پر کئے جانے والے اشکالات و اعتراضات کا سوگ منانا، نیز ہمارے بلند بالگ نفرے کے ذرائع اعلیٰ اور صحفت پر گندگی کا دیزپرڈہ پڑا ہوا ہے، جراند وسائل ابلاغ اور صحفت پر ایسا ملے گا جو انگلش میڈیم اسکولوں میں میں ہوائے کی میثیوں کی عربیاں اور نیم عربیاں تصویریں ہوتی ہیں، آج کی صحافت بے حیائی کو فروع دے رہی ہے، اس لئے ناجائز

پر مستشرقین نے اسلام اور غیر براہ اسلام (عَلِيَّة) کے متعلق حقائق مسخ کر کے پیش کئے، اسلامی لٹرپچر کو بے اعتماد بنانے کی کوشش کی، اسلامی شخصیات بالخصوص رہبر انسانیت (عَلِيَّة) پر بے پناہ افزاں پردازی اور ہرزہ سرائی کی، الغرض اس تحریک نے اسلامی لٹرپچر کے حوالے سے امت مسلمہ کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا۔

(۳) مخالف تحریکات

یہ تحریکات اپنے اہداف و مقاصد کے لئے رشت، مال، عورت کا لائق، دہشت گردی اور تشدد کا استعمال کرتی ہیں، غرض کہ یہ قوم و ملت کے لئے بہت ہی خطرناک ہیں، قوم و ملت کے بااثر کام کرنے والے افراد کو خرید کر ان سے اپنے مطابق کام لیتی ہیں۔

(۴) وسائل اپہو لعب کی ترویج

سمی و بصری ذرائع ابلاغ میں فاشی اور شرمناک کردار کا سیلا ب، اجنبی مردوں عورت کا آخری حد تک اختلاط، نیز تقریبات میں بے حیائی و بے شری میں مقابلے اور ناجائز کاموں کا ترقی کے نام پر ارتکاب، یہ سب فکری یلخارو یورش کے مظاہر ہیں، جو درحقیقت ایک دورس پلانگ و پروپیگنڈے کا پیش خیمه ہیں، اس طور پر کہ اسلام میں جیا کو ایمان کا ایک شعبہ قرار دیا گیا ہے، اور حیا ہی انسانوں اور جانوروں کے درمیان حدفاصل اور ذریعہ امتیاز ہے، جب انسان بے حیا ہو جاتا ہے تو اسے جرام سے روکنے اور منع کرنے والی کوئی چیز باقی نہیں رہ جاتی، اور محضیت کا ارتکاب اسے شیریں معلوم ہونے لگتا ہے، اس طرح تحریک بپسند عناصر کی ایک برائی کی تعلیم سینکڑوں اور ہزاروں کے مقابلہ ہو جاتی ہے، اور اگر ہم خارجی ماحول کا جائزہ لیں تو ہمیں مسلمانوں کا ایک براطبق ایسا ملے گا جو انگلش میڈیم اسکولوں میں زیر تعلیم ہے، انہیں کلمہ تک کا پتہ نہیں، اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ

تالیف کرتی تھی۔

ہمارا ماضی اگر روشن ہے، منور و تابناک ہے تو اس وجہ سے کلماء نے زمانے کے تقاضوں کو نظر انداز نہیں کیا، بلکہ زمانے سے مقابلہ کیا، اور اسلام کا دفاع عصری تقاضوں سے ہم آہنگ اسلامی اسلوب میں کیا، اسلام و شن عناصر جس ہتھیار سے مسلح ہو کر اسلام پر حملہ آور ہوئے، علماء نے اس کا دفاع اسی انداز سے کیا، جب فلسفہ سے اسلام پر یلغار ہوئی تو علماء متكلمین یہ کہہ کر خاموش نہیں بیٹھ گئے کہ فلسفہ باطل ہے، یہ لا دینیت اور دہربیت پر مشتمل ہے، بلکہ فلسفہ کا جواب فلسفہ سے دیا، اور صرف جواب پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ فلسفہ و منطق کو اسلامی رنگ و آہنگ سے آشنا کر کے اسے مسلمان بھی بنادیا۔ اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ عصر حاضر کے تقاضوں کو سمجھیں، اپنے فنی و مادی وسائل کو بروئے کار لائکر ذرائع پر اپنا تسلط جما کیں، پرنسٹ میڈیا اور الکٹریک میڈیا کی غیر معمولی طاقت کو اپنے حق میں استعمال کرنے کی مکمل سی وجد و جہد کے لئے تیار ہو جائیں، اور ہر ہر فرد اس شعر کو اپنا شعار بنائے کہ۔

کوئی بزم ہو، کوئی انجمن، یہ شعار اپنا قدم یہ

جہاں روشنی کی طی، وہیں اک چراغ جلا دیا

(خامساً) نئی نسلوں کے سامنے اسلام کے آفاقی اور ہمہ

گیر نظریہ ابلاغ اور اس کی خصوصیات پیش کریں، اور ان کو آگاہ کریں کہ انسان کے بناءٰ ہوئے مختلف نظریہ ہائے ابلاغ خواہ و مقتدرانہ نظریہ ابلاغ ہو یا آزادی پسندانہ کیونٹ نظریہ ابلاغ ہو، یا سماجی ذمہ داری کا نظریہ، اسلامی نظریہ سے ان کا موازنہ بالکل نہیں کیا جاسکتا، انسانوں کے تخلیق کردہ نظریات ذاتی منفعت پر مبنی، عارضی اور تغیر پر یہ ہوتے ہیں، اور اسلام کے پیش

اور حرام ہے، محض نفرت اور کنارہ کشی اس کا علاج قطعاً نہیں، بلکہ ذرائع ابلاغ کو تحریک پسند عناصر سے پاک رکھنے کے لیے (اولاً)

(ان مکاریوں، دیسیس کاریوں، فتنہ پر دازیوں سے تمام امت مسلمہ اور خاص طور پر نوجوان نسل کو آگاہ کرنا ہوگا۔

(ثانیاً) اپنے گھروں کا ماحول اسلامی رنگ سے ہم

آہنگ کرنا ہوگا تاکہ بچوں کی ابتدائی پرورش و پرداخت ایسی اسلامی ماڈل کی گود میں ہوجن کا دودھ ایسے ہوا اور روح میں تبدیل ہو جائے جو انہیں امام غزالی اور حضرت عبد القادر جیلانی رحمہما اللہ جیسے اصحاب دعوت و عزیت بن جانے پر برائیگفتہ کرے، جو باطل سے مرعوب ہونا تو کیا، باطل پرست طاقتوں کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر مقابلہ کریں، اور ان متأثر اشخاص اور خود ان کی ہدایت و ارشاد کا ذریعہ بنیں۔

(ثالثاً) ایسے کاچھ اور اسکوں قائم کئے جائیں جن کا

نصاب تعلیم اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ اور جنم ہو، اور ساتھ ساتھ مدارس میں بھی ایسے علوم پڑھائے جائیں جن کا تعلق عصر حاضر سے ہے، اور ان کے مطالعہ پر آمادہ کیا جائے، مثال کے طور پر سائنس، دفعات و قوانین وغیرہ۔

(رابعاً) ہم ان کا متبادل پیش کریں اور بجائے اس کے

کہ تاریکی کو گالی دیں، قدمی اور چراغ روشن کرویں، اور ماضی کو یاد کر کے سبق حاصل کریں کہ ایک زمانہ تھا جب ہر چیز پر اسلامی چھاپ تھی، ہر فن میں اسلام سرایت کر چکا تھا، سیاست، معیشت، طب و تاریخ، سیاست و سیادت، ادب و فلسفہ، کیمیاء و منطق کے قلب و چہرے میں اسلام نے اپنا نیشن بنالیا تھا۔ ہر علم و فن پر مسلم اسکارلوں اور محققوں کی بالادستی قائم تھی، پوری دنیا اسی کی روشنی میں سوچتی تھی، اور اسی کی زبان میں لکھتی پڑھتی، بولتی اور تصنیف و

ہے، افراتفری ملک کی فضا پر چھائی ہوئی ہے، نشیات کی عادت نے عالمی زندگی کو پارہ پارہ کر دیا ہے، پبلک مقامات نشہ خروں اور ٹھکوں کے اڈے بن گئے ہیں، صنف نازک کی دھجیاں اڑائی جائی ہیں، بچے والدین سے بیزار ہیں، ماں میں ازدواجی زندگی سے چھکارہ حاصل کرنا چاہتی ہیں، ذاتی حرکات، جنسی خصوصیات کا ابھار بڑے پیانہ پر ہو رہا ہے، ذرائع ابلاغ خصوصاً ٹی وی، فجش گانے ان کے جذبات کو برا بھینٹتے کر رہے ہیں، تشدد، حرام کاری، شراب نوشی، معاشرہ کا مزاج بن چکا ہے، اخلاق حسنہ، دین و ایمان اور عالمی زندگی کا احترام ختم ہو چکا ہے، سرمایہ داری اور تاجر انہیں ذہانت نے پڑو سیوں سے میل جوں اور اتحاد عمل کو عنقا بنا دیا ہے۔“

یہ تو بطور مثال ایک اقتباس پیش کیا گیا، ورنہ مغربی میڈیا کے جو غلط اور منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں، اس کا اعتراض بہت سے مغربی دانشوروں نے کیا ہے، اور بہت ہیں جنہوں نے اسلام ہی کو اپنا مداراوسا سمجھا، اور اسی کے سایہ عاطفت میں پناہ لی، اور اس کے گن گانے پر مجبور ہوئے۔ حسین عبد اللہ باسلامہ کی کتاب ”الاسلام فی نظر أعلام الغرب“ اس کا بہترین شاہد ہے، اور بہت ہیں جو ایسے نظریہ ہائے حیات کی ملاش و جستجو میں سرگردال ہیں، جو ثابت اور تعمیری ہوں، ظاہر ہے کہ وہ اسلامی دستور حیات ہی ہے۔

ایسے ماحول میں ہمارا دینی فریضہ بنتا ہے کہ ہم پوری دنیا کے سامنے اسلامی نظریہ ابلاغ پیش کر کے ان کو مطمئن کریں۔ انشاء اللہ ہمارا عمل میڈیا کو تحریک پسند عنصر سے پاک کرنے کا بہترین ذریعہ ثابت ہو گا۔

کردہ نظریہ کی حیثیت مستقل اور دائیٰ ہے، اس کی بنیاد سچائی اور راست بازی پر ہے۔ ہمارے نبی کریم (علیہ السلام) کا آغاز ہی صدق و امانت اور راست گوئی سے ہوا ہے، اسی کو دلیل بنا کر آپ علیہ السلام نے قبائل کو خطاب کیا، اور اس کا مقصد بھی خیر کو پھیلانا، شر کو مٹانا اور حق کی شہادت و گواہی دینا اور صحیح تعمیری خبروں، معلومات اور اطلاعات کی اذاعت و اشاعت ہے۔

جہاں تک حریت فکر اور اظہار رائے کا تعلق ہے تو اسلام انسانیت کو اس کا بھی حق عطا کرتا ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ اس کو تسلی اور سچائی کی تبلیغ کے لئے استعمال کیا جائے، نہ کہ برائی اور بے حیائی کے طور پر، ساتھ ہی ساتھ ایک دوسرے کو بدنام کرنے، آپسی تحریک، خلوت کی جا سوی، جھوٹ بولنے اور جھوٹی شہادت دینے سے سختی سے منع کرتا ہے۔ غرض کہ اسلام کے تمام تر اقدامات ثابت اور تعمیری ہیں۔ جب کہ دوسری طرف عالمی ذرائع ابلاغ نے جن امور کے فروع اور نشر و اشاعت کو اپنا نصب لعین بنایا ہے، وہ منفی اور تحریکی ہیں، وہ معاشرہ کے شیرازہ کو سکھیر نے اور اس کو انتشار و انا رکی کی راہ پر ڈالنے میں سرگرم رہا ادا کرتے ہیں، انسان ایک لمحہ میں ایمان کا سودا کر بیٹھتا ہے، ناچ خوزیری، کردار کشی، حقائق کو منع کرنے حتیٰ کہ عقائد تک سے دستبردار ہو جانے کے لئے آسانی تیار ہو جاتا ہے، چنانچہ خود مشہور امریکی جریدہ US News کے چیف ایڈٹریٹر مارٹیم بری (Martimer-B) نے ۱۸ اگست ۱۹۹۵ء کے شمارہ میں امریکی معاشرہ کے بکھر تے ہوئے شیرازے اور پوری ریاست ہائے متحدہ امریکہ پر چھائی ہوئی افراتفری کی عکاسی کی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے:

”امریکی سماج کا اخلاقی اور روحانی پیانہ بہت نیچے گر چکا



رفتارِ ادب

رپورٹ نوادر کرہ علیٰ رابطہ ادب اسلامی عالمی

بعشوں انہ: شیر صغیر و بلال در عربیہ کے معاصر شعر اعریٰ کا تقابلی مطالعہ

بیان: ۱۲ ارتا ۲۰۱۲ ربمبارہ (جمعہ تائیشنبہ)

زیر احتمام: جبریل انٹرنیشنل اسکول، کلکتہ بمقام سائنس شی و حجاوس کلکتہ

رپورٹ تیار کردہ: مولانا اقبال احمد ندوی

”آدمی کی زبان اس کی ترجمان ہوتی ہے۔ وہ اپنی زبان کا جس طرح چاہے استعمال کرے، اسے اختیار ہے۔ لیکن اگر اسے اچھے کاموں میں استعمال کرے گا تو اس کا اچھا اثر ہو گا اور عقل کو اپیل کرے گا۔ اسے اچھا اور با مقصد ادب کہیں گے۔“ (حضرت مولانا سید محمد راجح حنفی ندوی)

اسلامی کے ۳۱ رویں سالانہ سر روزہ سینئار کے افتتاحی پروگرام کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا۔ یہ سینئار مغربی بنگال کے دارالسلطنت کلکتہ کے مشہور ادارے ”جبریل انٹرنیشنل اسکول (شعبہ باب العلوم) کلکتہ“ کی میزبانی میں ۱۲ ارتا ۲۰۱۲ ربمبارہ کو منعقد ہوا۔ افتتاحی پروگرام کلکتہ کے مشہور آڈیووریکم ”سائنس شی“ میں منعقد ہوا۔ اور مقالات کی نشستیں کلکتہ کے بیت الحجاج (حج ہاؤس) میں منعقد ہوئیں۔

حضرت مولانا نے رابطہ ادب اسلامی کے قیام کے پس منظر پر رoshni ڈالتے ہوئے فرمایا کہ رابطہ ادب اسلامی کے بانی صدر حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات محسوس کی کہ ادب سے مذہب کا رشتہ توڑا جا رہا ہے اور لوگ ادب کو دین و اسلام سے نہیں جوڑ رہے ہیں، بلکہ ادب اور مذہب کو ایک دوسرے کی ضد بجھ رہے ہیں تو اس وقت حضرت مولانا نے

”ادب کا دائرہ بہت وسیع ہے، اس کا تعلق دین سے بھی ہے اور دنیا سے بھی۔ زبان سے بھی ہے اور عقل سے بھی۔ اس میں نہ بھی آتی ہے اور نظم بھی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت ساری خصوصیات سے نوازا ہے، وہ کبھی سوچتا ہے، غور کرتا ہے، فکر میں ڈوب رہتا ہے، کبھی خوشی محسوس کرتا ہے، اور کبھی رنج و غم، اور خوشی و غم دونوں کے آثار اس کے چہرے سے عیاں ہوتے ہیں۔ آدمی کی زبان اس کی ترجمان ہوتی ہے، اس کا وہ جس طرح چاہے استعمال کرے اسے اختیار ہے، لیکن اگر اسے اچھے کاموں میں استعمال کرے تو اس کا اچھا اثر ہو گا اور عقل کو اپیل کرے گا، اسے اچھا اور با مقصد ادب کہیں گے۔“

ان کلمات کا اظہار حضرت مولانا سید محمد راجح حنفی ندوی۔ مدظلہ العالی۔ صدر رابطہ ادب اسلامی شعبہ بر صغیر نے رابطہ ادب

تحریری شکل میں عالم اسلام کے مختلف ادباء و اہل قلم کو مکتب روانہ کئے جس کا سب نے ثابت جواب دیا۔ اس کے بعد ۱۹۸۴ء میں ندوۃ العلماء میں ادب کے موضوع پر حضرت مولانا کی ہی سرپرستی ورہنمائی میں ایک سیمینار منعقد ہوا جس میں عالم عرب بیانی مقصود اخلاق، مذہب اور ادب، علم اور ادب، اور فکر و فن کے مختلف شعبوں میں کام کرنے والوں کے درمیان رابطہ اور تعلق پیدا کرتا ہے، اس کا مقصد بہت بلند اور اعلیٰ وارفع ہے، اور وہ ہے ۱۹۸۶ء میں رابطہ ادب اسلامی کا قیام عمل میں آیا۔

حضرت مولانا نے مزید فرمایا کہ ادب پہلے محض تفریحی مقصد سے بلکہ الحاد کے لئے استعمال ہو رہا تھا، کچھ پیشہ ورودی پوش ادیبوں کی ادب پر اجارہ داری تھی، اس وقت ضرورت تھی کہ اس کا مقابلہ کیا جائے اور حقیقت اور قرآنی ادب پیش کیا جائے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور اس کے نتیجہ میں یہ تنظیم وجود میں آئی۔ اس وقت سے برادر صاحب لٹریچر کی نشر و اشاعت اور سیمیناروں کے انعقاد کا سلسہ جاری ہے، اور آج یہ ہمارے رابطہ ادب اسلامی کا ۳۱ واں سالانہ سیمینار ہے۔ اس کے علاوہ علاقائی سٹھ پر بھی دسیوں سیمینار منعقد کئے جا چکے ہیں۔

ہمارا یہ سیمینار صرف اقلیٰ نہیں بلکہ پورے بر صفحہ کا ہے۔

حضرت مولانا نے بچوں سے متعلق لٹریچر کی فراہمی پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ ضرورت ہے کہ بچوں کے لئے بھی مختلف زبانوں میں آسان ادب پیش کیا جائے، خاص طور سے اس وقت ہندوستان میں اس کی شدید ضرورت ہے۔ بچوں کا مزاج ایسا ہوتا ہے کہ ان کے سامنے جو چیز پیش کرو دی جاتی ہے، وہ اس کو زندگی بھریا دی رکھتے ہیں۔

سکریٹری دپوڈت

اس سے قبل رابطہ ادب اسلامی کے جزوی سکریٹری مولانا مرح کے طور پر ذکر فرمایا ہے: «خلق الانسان، علمہ

متعدد کتابیں دونوں دفاتر سے منظر عام پر آچکی ہیں۔ ریاض سے "مجلہ الأدب الإسلامي" اور مراکش سے "المشکاة" نامی سہ ماہی رسانے عربی میں نکل رہے ہیں، اسی طرح بگلہ دیش سے "الحق" اور "منار الشرق" کے نام سے بنکالی اور عربی میں، اور استنبول ترکی سے ترکی زبان میں بھی رسانے نکل رہے ہیں۔ لکھنؤ کے مرکزی دفتر سے "کاروان ادب" کے نام سے ایک سماںی مجلہ پابندی سے نکل رہا ہے۔ نیز قاہرہ، عمان، مدینہ منورہ، استنبول، لندن، نیویارک اور ڈربن میں متعدد سیمینار اور کانفرنس ادب کے موضوع پر منعقد ہو چکی ہیں۔

ہندوستان کے مرکزی دفتر کے تحت اور اس کی نگرانی میں دہلی، حیدر آباد، اورنگ آباد، بھوپال، بھٹکل، بونگلور، پونہ، پٹنہ، راجپتی، کلکتہ اور غازی پور وغیرہ میں شاخیں قائم ہیں اور کام کر رہی ہیں، اور ان تمام شہروں میں مختلف سیمینار منعقد ہو چکے ہیں۔

خطبہ استقبالیہ

مجلس استقبالیہ کے صدر قاری اسماعیل ظفر صاحب نے خطبہ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے معزز مہماںوں کا استقبال کیا اور صوبہ مغربی بنگال کی تاریخی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ کلکتہ ایک قدیم اور تاریخی شہر ہے، برسوں یہ ہندوستان کی راجدھانی بھی رہا ہے اور اس نے علم و ادب کے قافلوں کی نہ صرف بار بار ضیافت و میزبانی کی ہے بلکہ علم و عمل کے راستوں پر وہ سفر بھی کیا ہے، جس کے اثرات و نقوش آج بھی زندہ و تابندہ ہیں۔ اس شہر کو نہ صرف حضرت سید احمد شہیدؒ کے قافلہ حج کی میزبانی اور ان سے استفادہ کی سعادت حاصل ہوئی ہے بلکہ یہ مولانا ابوالکلام آزاد جیسے دیدہ و رواہ بے باک رہنمائی کی بے مثال خطیبانہ، داعیانہ، مجہدناہ اور منصفانہ کا وشوں کا مرکز بھی رہا

البیانؑ) (سورہ حم: ۳-۴) اور حدیث میں اس کی اثر انگلیزی اور خوبی کی بنا پر اسے جادو سے تعبیر کیا گیا ہے: ﴿ وَ إِنْ مِنَ الْبَيْانِ لِسُحْرٍ ﴾ اور اگر ہم موجودہ ماحول اور اس میں در آنے والی خرافیوں، بگاڑ اور اخلاقی اتار کی کا جائزہ لیں تو صاف معلوم ہو گا کہ اس قدر پستی، بگاڑ اور انہاتی خرابی کا اولین ذمہ دار ہبھی ادبی صلاحیت کا غلط استعمال ہے، اس لیے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ادبی صلاحیت اور طاقت کو جس کے دائرہ کار اور اڑا انگلیزی کو موجودہ ذرائع ابلاغ نے بہت وسیع کر دیا ہے، اس کے فطری رخ کی طرف واپس لایا جائے اور اس سے انسانی زندگی کی تعمیر و تکمیل اور اس کی عزت و حرمت بحال کرنے کا کام لیا جائے۔

ذکورہ بالا اغراض و مقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے اس رابطہ کا قیام جنوری ۱۹۸۶ء میں عمل میں آیا، اس کے لیے دارالعلوم ندوہ العلماء میں ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد کی گئی، جس میں ہندو ہیرون ہند سے اور خاص طور پر عالم عربی کے مختلف گوشوں سے چوتھی کے علماء، ادباء اور شعراء حضرات بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔

رابطہ ادب کے دو مرکزی دفتر ہیں، ایک عالم عربی کے لیے جو سعودی عرب کے دارالسلطنت ریاض میں ہے، اور دوسرا بر صغیر و ممالک مشرقیہ کے لیے جو لکھنؤ میں ہے۔ پھر ان دونوں کی ان کے علاقوں میں مختلف شاخیں اور فروع قائم ہیں، اور ہر فرع سیمیناروں اور کانفرنسوں کا انعقاد، کتابوں اور ماہنامے اور سماںی مجلات و رسائل کی نشر و اشتاعت اور اسلامی ادب پر مضامین و مقالات کے ذریعہ ادبی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہے، اور افغان، ناول، تقدیم، ادبی تاریخ اور لکش ادبی انتخابات پر مشتمل

اسلام فاؤنڈیشن کے صدر مولانا عیسیٰ منصوری نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

صدر اجلاس حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی دعا پر افتتاحی پروگرام کا اختتام ہوا۔ دعاء سے قبل صدر اجلاس نے پروفیسر منال شاہ قادری کی گزارشات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ہمارا رابطہ ادب اسلامی اپنے قیام کے شروع دن سے ہی اسلامی و انسانی و اخلاقی ادب کو عام کرنے کے لیے کوشش ہے، اور اس کا مقصد ہی انسانی بھائی چارہ اور الفت و محبت کو فروغ دینا ہے۔

افتتاحی پروگرام کی صدارت صدر رابطہ ادب اسلامی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مد نظرle العالی نے فرمائی۔ نظامت کے فرائض مولانا نذر الحفیظ ندوی نے انجام دیے۔ قاری محمد عارف نے تلاوت کلام اللہ سے پروگرام کا آغاز کیا جب کہ مولانا امیں پر خاصوی اور ڈاکٹر تابش مہدی نے بارگاہ رسالت میں نعت شریف کا نذر رانہ پیش کیا۔ افتتاحی نشست کے علاوہ سیمینار کی دیگر نشستوں میں بھی ان دونوں شعراء نے اپنا کلام سنایا۔

افتتاحی پروگرام سے قبل، بعد نماز عصر، جریل انٹریشل اسکول میں معزز مہمانوں کو استقبالیہ دیا گیا۔

نشست ہائے مقالات

افتتاحی پروگرام کے بعد سیمینار کے دوسرے اور تیسرے روز ۱۵-۱۶ ارديسبير ۲۰۱۳ء کو مقالات کی کل پانچ نشستیں رج ہاؤس میں چلتی رہیں، جن میں مجموعی طور پر تقریباً پہنچن (۵۵) مقالے پیش ہوئے۔ ان میں آٹھ مقالے عربی میں، دو مقالے بنگالی میں اور ایک انگریزی میں اور بقیہ سارے مقالات اردو میں پڑھے گئے۔

سیمینار کی پانچوں نشستوں کی صدارت بالترتیب مندرجہ

ہے۔ الہمال اور البلاغ جریدوں کا یہ مخرج آج ایک مرتبہ پھر سے اپنی قسم پر نازل و فرحاں ہے کہ اسے پھر سے وہی خوشی محسوس ہو رہی ہے جو اسے زمان آزادی سے محسوس ہوا کرتی ہے۔

كلمة الوقفود

مندویین کی طرف سے نمائندگی کرتے ہوئے مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند جلیل ڈاکٹر سید سلمان ندوی صدر شعبۃ عربی و فارسی ڈربن یونیورسٹی (ساوچھ افریقہ) نے کہا کہ ادب کا تعلق ابتدائے آفریقہ سے ہے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے، اسی وقت سے ادب کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، چنانچہ بچوں کی شروع سے ہی تعمیری ادبیات کی طرف رہنمائی کرنی چاہئے۔ مولانا عزیز الحسن صدیقی مہتمم مدرسہ دینیہ غازی پور نے اپنی مختصر گفتگو میں رابطہ کی افادیت اور اس کی خدمات پر روشنی ڈالی۔ مولانا امیں الرحمن قائمی ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹشہ نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہ مولانا ابو الحسن علی ندویؒ کا ہم پر بڑا احسان ہے کہ انہوں نے رفقار زمانہ کی بخشش نشانی کی اور رابطہ ادب اسلامی کی شکل میں اس کا نسخہ متعین کیا جو آج تک ادب کی خدمات انجام دے رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ادب کا رشتہ زندگی سے ہمیشہ رہا ہے، ادب صوفیہ کے یہاں بھی ملتا ہے، اور بزرگوں کی کتابوں میں ادب کے شاہکار ملتے ہیں، ان میں نثری ادب کا اعلیٰ نمونہ موجود ہے۔ انہوں نے فقہ حنفی کی مشہور کتاب ”الہدایہ“ کو ادبی نشر کے نمونہ کے طور پر پیش کیا۔ پروفیسر منال شاہ قادری و اس چیرین اردو اکیڈمی مغربی بنگال نے اپنے خطاب میں رابطہ ادب اسلامی پر زور دیا کہ وہ انسانی اخوت و مساوات اور الفت و محبت والے لشیخ پر کو عالم کرتے تاکہ مسلمان اس وقت جس نازک دور سے گزر رہے ہے

ہیں، ان کو اس سے راحت ملے۔ لندن سے تشریف لائے ہوئے

چھار کھا ہے، اس طرف بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ

العلماء نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ موجودہ دور میں علم و دانش اور فکر و فن میں وسعت آگئی ہے، علم و فن کے ہر پہلو میں اصحاب فن ترقی کر رہے ہیں، خواہ علوم شرعیہ ہوں یا سائنس و تکنالوجی کا علم ہو، سب میں تنوع پیدا ہو چکا ہے۔ علم میں آگے بڑھنے کے لیے اس کے وسائل اختیار کرنا ضروری ہے۔ جس قدر انسان آگے بڑھتا جائے گا، اس کی ادب کی ضرورت بھی بڑھتی جائے گی۔ علم کو شمر بنانے اور دوسروں کو فائدہ ہو نچانے کے لیے ادب سے آراستہ ہونا ضروری ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ﴿أَدْبُنِي رَبِّي فَأَحْسِنْ تَأْدِيبِي﴾۔ ہم اپنے علم سے کیسے فائدہ اٹھائیں اور دوسروں کو فائدہ کیسے ہوں چاہیں؟ اس کے لیے ادب کا سیکھنا ضروری ہے۔ کس شخص کے لیے کون سا طریقہ اپنائیں؟ طالب علم کو درس کیسے دیں؟ اور اس کے لیے کون کون سے وسائل اختیار کریں؟ ان سب کے لیے ادب سے آراستہ ہونا بہت ضروری ہے۔

مولانا عزیز احسن صدیقی مہتمم مدرسہ دینیہ غازی پور نے

صدر رابط ادب اسلامی حضرت مولانا سید محمد راجح حنفی ندوی کے حوالے سے فرمایا کہ انسانیت کی فلاخ و بہبود کی خاطر ادب اسلامی کو فروغ دینا ضروری ہے۔ ایسے زمانے میں جب کہ ادب کے نام پر بے ادبی کو فروغ دیا جا رہا ہو، بے حیائی اور غاشی پھیل رہی ہو، کفر و الحاد کا بازار گرم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہو، اور ادب کا رشتہ مذہب سے اور اعلیٰ انسانی قدروں سے کاٹا جا رہا ہو، ادب اسلامی کی ترویج بہت ضروری ہو جاتی ہے۔ اسی طرح خاص طور سے بچوں کے سامنے تعمیری ادب پیش کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ تیزی دو مرید یا کاہے، میدی یا نے ہر طرف اپنا جال پروفیسر عبد الباری اور مولانا انس الرحمن صاحب قاسمی نے بھی

ذیل حضرات نے کی:

(۱) ڈاکٹر مولانا سید سلمان ندوی صدر شعبہ عربی و فارسی ڈر بن یونیورسٹی، ساوتھ افریقہ (۲) پروفیسر عبد الباری سابق صدر شعبہ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (۳) مولانا عزیز احسن صدیقی مہتمم مدرسہ دینیہ غازی پور (۴) مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور (۵) مولانا انس الرحمن قاسمی ناظم امارت شرعیہ، پھلواری شریف پٹنہ۔ جب کہ نظمت کے فرائض بالترتیب (۱) مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (۲) ڈاکٹر سمیح اختر شعبہ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (۳) مولانا محمد انعام اللہ قاسمی استاذ المعهد الاسلامی، ماک مکو، سہارنپور (۴) ڈاکٹر جشید احمد ندوی استاذ شعبہ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ اور (۵) مولانا عبد الباسط ندوی استاذ المعهد العالی تدریب الافتاء والقضاء پھلواری شریف پٹنہ نے انجام دیئے۔

نشتوں کے اختتام پر صدر حضرات نے مقالات پر اپنے گرائیوری خاص طور پر ڈاکٹر سید سلمان ندوی نے فرمایا کہ مختلف اداروں میں مختلف غیر اسلامی عناصر اسلام میں داخل ہوتے رہے ہیں۔ ایک دور تھا جب اسلام میں یہ عناصر فلسفہ اور علم کلام کے راستے سے داخل ہوئے، اس وقت امام غزالی اور دیگر علماء نے ان کا مقابلہ کیا۔ اب یہ عناصر ادب کی راہ سے داخل ہونے لگے ہیں، لہذا رابطہ ادب اسلامی کو اس طرف توجہ دینی چاہئے، اور الحمد للہ یہ سینما وغیرہ اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ ہم تو اب بوڑھے ہو چکے ہیں لیکن نوجوان نسل اور خاص طور سے بچوں کے سامنے تعمیری ادب پیش کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ تیزی دو مرید یا کاہے، میدی یا نے ہر طرف اپنا جال

اپنے اپنے خیالات کا اٹھا کر کیا۔

فہرست مقالہ نگاران

سینئنار میں جن حضرات نے مقائلہ پیش کئے ان میں

چند اہم حضرات کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

حضرت مولانا سید محمد رابع حسني ندوی (فارسی اور اردو پر عربی زبان کے اثرات) مولانا سید محمد واصح رشید حسني ندوی (مسلم شعراء کی نعت گوئی کی خصوصیات) مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن صاحب اعظمی ندوی (شاعر حمد و نعت اور منقبت: مولانا محمد علی حسني ندوی، میزاب رحمت کے حوالے سے) پروفیسر عبد الباری، علی گڑھ (اقبال اور احمد شوقي: فکر و فون کے شعری پیاناوں کا تقابی مطالعہ) پروفیسر ابوسفیان اصلحی، علی گڑھ ("ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، تقدیدی جائزہ)، ڈاکٹر سمیع اختر، علی گڑھ (حافظ ابراہیم اور حالی کی شعری: فکر و فون کا ایک تقابی مطالعہ)، ڈاکٹر محمد غیاث الدین ندوی، لکھنؤ (مولانا آزاد کا ہفتہ دار پیغام اور مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی)، جناب سید علی صاحب کلکتہ (ادب اسلامی کا منہاج اور کردار کیسا ہو؟)، ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی، میری ماہنامہ "اعتدال، علی گڑھ (لمحات مع الشاعر البنغالی و افکارہ الثوریة و شعره الإسلامی)، مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری، لکھنؤ (علامہ جیل مظہری کے کلام میں شعری جمالیات)، ڈاکٹر محمد عتیق الرحمن، پٹنس (شاہنامہ اسلام کی شعری وادی خصوصیات)، پروفیسر محسن عثمانی ندوی، حیدر آباد (کلام اقبال کی گونج عرب دنیا میں)، ڈاکٹر تابش مہدی، وہلی (مولانا محمد علی حسني کی نعتیہ شعری)، مولانا محمد ناظم ندوی، بانی و رئیس المعهد الاسلامی، مانک عبد الباسط ندوی، پٹنس (امیر شریعت حضرت مولانا سید نظام الدین سعید، سہارنپور) (شاہنامہ اسلام کی شعری وادی خصوصیات)، مولانا عبد الباسط ندوی، پٹنس (شاہنامہ اسلام کی شعری وادی خصوصیات)

معلم عالیہ ثالثہ شریعہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (اقبال کی شاعری میں اسلامی تلمیحات)، مولانا مظہر احسان، معلم عالیہ رابعہ شریعہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (الصحافة العربية والأردية في الهند، دراسة مقارنة)، مولانا محمد صفوان کلتوی، معلم عالیہ ثالثہ شریعہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (اقبال کی شاعری میں قرآن مجید سے استفادہ)، مولانا محمد تنوری ذکی، معاون ناظم خدیجہ الکبری للبنات، آنسو (اردو شعراء کی شاعری میں قرآن مجید سے استفادہ)، مولانا محمد زاہد حسین ندوی جشید پوری (اقبال کی شاعری میں فکر و فتن کا امتران)، مولانا ایم شہاب الدین ندوی، استاذ آکڑہ سینیر مدرسہ، کلکتہ (قاضی نذر الاسلام کی شاعری میں پیام امن (بزبان بگھے)، مولانا محسن خاں ندوی، دارالقرم این اسلامک انسٹی ٹیوٹ، ہاؤڑہ (اردو شعراء کا اپنی شاعری میں قرآن مجید سے استفادہ)، مولانا عبد الرحمن، معلم مولانا ابوالکلام آزاد کانچ، کلکتہ (بگلہ زبان پر عربی ادب کے اثرات)۔

شعری نشست

۱۵ اردو سبک ۲۰۱۲ کو بعد نمازِ عشاء مہمانانِ کرام کی ضیافت طبع

کے لئے ایک شعری نشست کا بھی اہتمام کیا گیا، جس میں مقامی و پیرونی شعراء نے اپنے کلام سے سامنیں کو خوب خوب محظوظ کیا۔ نشست کی صدارت کلکتہ کے مشہور شاعر جناب قیصر شیم صاحب کو کرنی تھی، لیکن طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے وہ زیادہ دیر بیٹھنیں سکے، اور انہوں نے اپنا کلام سنانے پر ہی التفا کیا۔ ان کے چلے جانے کے بعد نشست کی صدارت ڈاکٹر تابش مہدی کے حصہ میں آئی۔ اور نظمات کا فریضہ جناب عاصم شاہنواز صاحب نے انجام دیا۔ جن شعراء نے اپنا کلام سنایا ان کے نام اس طرح ہیں:

کی شعری خصوصیات)، مولانا سعید الرحمن، استمنٹ پروفیسر شعبہ عربی، جامعہ عالیہ کلکتہ (تأثیر الفکر الصوی فی قرا بن الأغا نی لطا غور)، ڈاکٹر محمد شیم اختر قاسمی، استمنٹ پروفیسر شعبہ دینیات، عالیہ یونیورسٹی کلکتہ (اقبال کی شاعری میں شرق و مغرب کا امتران)، ڈاکٹر محمد شمس الدین، شعبہ عربی وفارسی کلکتہ یونیورسٹی (نعت) a Qazi Nazrul Islam; Poet of Sulagy (خنساء کے کلام اور کلیم عاجز کی شاعری میں تصویر درد)، ڈاکٹر ائیش الرحمن، شعبہ عربی، عالیہ یونیورسٹی کلکتہ (فلسفہ محمد اقبال وأصداؤها فی البلاد العربية)، ڈاکٹر اشارت علی ملا، صدر شعبہ عربی وفارسی کلکتہ یونیورسٹی، کلکتہ (بغلہ شاعری پر عربی زبان کا اثر)، مولانا عبد المصور ندوی، استاذ جامعہ اصحاب الصفة، امراءٰ قتی، مہاراشر (جگہ مرآبادی کی شاعری عصری آگھی اور ملی شعور کا سرقع)، ڈاکٹر معراج احمد، شعبہ عربی، عالیہ یونیورسٹی کلکتہ (حب الرسول فی شعر اقبال)، ڈاکٹر سعید الرحمن، شعبہ عربی، عالیہ یونیورسٹی کلکتہ (الفکر الاسلامی فی شعر القاضی نذر الاسلام)، ڈاکٹر محمد انظر ندوی حیدر آباد (اقبال اور شوقي، ایک موازنا، انگلی ادب کے آئینہ میں)، مولانا محمد ڈاکٹر ندوی بارہ بیکوی معلم علیا خانیہ شریعہ (فقہ) دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (ہندوستانی شعراء کی نقیۃ شاعری کی خصوصیات)، مولانا محمد ڈاکٹر سہار پوری، معلم عالیہ ثالثہ شریعہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (مسدس حالی کی خصوصیات، مقدمہ شعروشاعری کی روشنی میں)، مولانا شیخ محمد اسلم مہاراشری (جالنه)، معلم عالیہ ثالثہ شریعہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (مسدس حالی کی خصوصیات، مقدمہ شعروشاعری کی روشنی میں)، مولانا خورشید عالم میرٹھی،

عالیٰ رابطہ ادب اسلامی ایک عالیٰ ادبی تحریک کی حیثیت سے اس بات پر تأسف کا اظہار کرتا ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں مغربی علوم و افکار کو فروغ دینے کی کوششیں ہو رہی ہیں اور ہر پہلو سے باطل افکار و نظریات کو پھیلایا جا رہا ہے، لیکن ملت کا بڑا طبقہ خاموش بیٹھا ہے۔ اس کا احساس تک نہیں ہے۔

یہ بات بھی سامنے آئی کہ ملک کی تمام علاقائی زبانوں خصوصاً بُنگلز زبان میں اسلامی، ادبی لٹریچر شائع کئے جائیں، متعلقہ زبان میں نئی نسل کی ایسی تربیت کی جائے کہ وہ جنوبی تقریری و تحریری طور پر اپنے افکار و خیالات کو پیش کر سکیں اور اس کے ذریعہ سے اسلامی تعمیری ادب و تہذیب کو فروغ دے سکیں۔

عالیٰ رابطہ ادب اسلامی ایک عالیٰ تحریک کی حیثیت سے عالم اسلام کے بعض ممالک میں آنے والی انقلابی و عملی انقلاب پر خوشی کا اظہار کرتا ہے کہ وہاں ایسے صالح عناصر ابھر کر سامنے آرہے ہیں جنہوں نے گمراہ اور محرب اخلاق افکار و خیالات کو پسپا کیا ہے، اور ان کی یہ کوشش جاری ہے، یقیناً ان کا یہ روایہ پوری دنیا میں اسلامی افکار و خیالات کے غلبے کا باعث ہو گا۔

تأثیرات مندوبین

تجاویز کے بعد صدر محترم کے اختتامی خطاب سے قبل پروفیسر حسن عثمانی ندوی، مولانا مفتی احمد دیلوی ناظم جامعہ علوم القرآن، جبوسر، گجرات اور ڈاکٹر سید سلمان ندوی صدر شعبۃ العربی و فارسی ڈرین یونیورسٹی، جنوبی افریقہ نے اپنے تاثرات پیش کئے ہیں میں سب نے سینیار اور اس میں پڑھے گئے مقالات کو سراہا اور اس طرح کے مزید سینیار کی ضرورت ظاہر کی۔

صدر انتقیل خطاب

آخر میں صدر جلسہ حضرت مولانا سید محمد راجح حنفی ندوی

قیرشیم، احمد معراج، ہدم نعماںی، مشتاق ہاشمی، اسلم لکھنؤی، مرشد عالم ندوی، احمد کمال حسی، سحر مجیدی، سرور عالم ندوی، مظہر کبریا، اشرف یعقوبی، طالب صدیقی، نیم فائق، جیل حیدر شاہ، ڈاکٹر غیاث ندوی، ضمیر یوسف، انیس پر خاصوی، جاوید ہمایوں، ارشاد آرزو، فرانگ روچی، محمود رامی، نیم عزیزی، امام اعظم، قاری اسماعیل ظفر، خالد غازی پوری اور ڈاکٹر تابش مہدی۔ مشاعرہ کے اختتام پر ڈاکٹر صباح اسماعیل ندوی نے شعراء کا شکریہ ادا کیا۔

اختتامی نشست

اختتامی اجلاس اور مقالات کی پانچ نشتوں کے بعد ۱۶ نومبر ۲۰۱۲ء کو صدر رابطہ ادب اسلامی حضرت مولانا سید محمد راجح حنفی ندوی مدظلہ العالی کی صدارت میں سینیار کی اختتامی نشست منعقد ہوئی۔ جس میں سینیار میں پڑھے گئے مقالات کی روشنی میں تجاویز پیش کی گئیں۔ بعض مندوبین نے اپنے تاثرات پیش کئے۔ اور آخر میں صدر اجلاس کا اختتامی خطاب ہوا۔

تجاویز

تجاویز کمیٹی کی مرتب کردہ تجویز مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی نے پیش کیں، تجویز میں یہ بات سامنے آئی کہ چون کہ اسلامی لٹریچر اور ادب و تہذیب کا بڑا حصہ اردو زبان میں ہے، اس لئے عالیٰ رابطہ ادب اسلامی کا یہ اجلاس ملت اسلامیہ ہند سے اس بات کی امید کرتا ہے کہ اس کے گھروں میں اردو خوانی کا اضافہ ہو گا، بچوں کو دوسری تعلیم کے ساتھ ساتھ اردو نوشت و خواندن کی طرف بھی متوجہ کیا جائے گا اور انہیں ایسے جرائد و رسائل اور کتابوں سے آشنا کیا جائے گا جن میں تعمیری و اسلامی ادب پیش کیا گیا ہو، اور ان سب کے ساتھ نئی نسل کو ثبت اور تعمیری سوچ ملتی ہو۔

۲۰۱۲ء کو دوپہر تین بجے سے ”اصلاح معاشرہ کانفرنس“ کے عنوان سے ایک عظیم الشان اجلاس بھی حضرت مولانا سید محمد رابع حنفی ندوی مدظلہ العالی ناظم ندوۃ العلماء و صدر آل انڈیا مسلم پرنسل لا بورڈ کی زیر صدارت منعقد کیا گیا، جو ۳ بجے دوپہر سے لیکر تقریباً ۹ بجے رات تک مسلسل چلتا رہا، درمیان میں عصر و مغرب اور عشاء کی نمازیں بھی جلسہ گاہ ہی میں ادا کی گئیں۔ اس کانفرنس میں صدر اجلاس حضرت مولانا سید محمد رابع حنفی ندوی مدظلہ العالی کے علاوہ مولانا ڈاکٹر سید سلمان حسینی ندوی، مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی، مولانا سید سلمان حسینی ندوی، مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری، مولانا سر ارائع حق قاسمی، مولانا امیں الرحمن قاسمی، مولانا مفتی محمد راشد قاسمی، مولانا طاطھ صدقی، مولانا قاری فضل الرحمن، مولانا اطہر عباس رضوی اور دوسرے مقامی و یروني علماء کرام کی تقاریب ہوئیں۔

رابطہ ادب اسلامی سیمینار اور اصلاح معاشرہ کانفرنس اور دیگر سبھی پروگرامس ماشاء اللہ بہت کامیاب رہے، اور ان میں اہلیان کلکتہ کا بھرپور تعاون رہا۔ خاص طور سے سیمینار کے سرپرست جناب سلطان احمد صاحب (سابق وزیر مملکت برائے سیاحت) اور جناب جمیل منظر صاحب رکن آل انڈیا مسلم پرنسل لا بورڈ کا ہر نوع کا تعاون شامل حال رہا۔ رابطہ ادب اسلامی ان کا خصوصی طور پر شکرگزار ہے۔



دامت برکاتہم نے اپنی صدارتی تقریب میں فرمایا کہ اس رابطہ کا اصل مقصد یہ ہے کہ عالمی طور پر علمی و شعری و فنی ذوق لوگوں میں باقی رہے۔ پہلے دنیا میں یہ مشہور تھا کہ ادب کامنہ ہب سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ غلط خیال تھا۔ جب اسلام دنیا میں آیا تو اس نے ادب کی سرپرستی کی، اور قرآن کے بلاغتی و ادبی کلام کے سامنے ساری دنیا سنبھوج ہو گئی اور ادب کا تعلق مذہب سے تسلیم کر لیا گیا۔ پھر ایک دور آیا جب ادب کو مذہب کی سرپرستی سے پھر زکال دیا گیا اور اس کو الحاد و دہربیت کا چردہ قرار دیا گیا، ہمارے رابطہ ادب اسلامی نے اسی نظریہ کا مقابلہ کرنے کا پیڑا اٹھایا ہے، اور الحمد للہ ادب تک وہ اپنی کوششوں میں بڑی حد تک کامیاب ہے۔

مولانا نے مزید فرمایا کہ ذوق ایک ایسی نعمت ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کو عطا کیا ہے، جس سے انسان اچھی بُری چیزوں میں تمیز کرتا ہے، اور صحیح راستہ اپناتا ہے۔ ادب مذہب سے الگ اور دور کوئی شے نہیں ہے، بلکہ مذہب ادب کے لیے ضروری ہے، ادب اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی، اور اس کی یا اچھائی اور برا بھیں مذہب ہی کے ذریعہ معلوم ہو سکتی ہے۔

کلمات تشکر

آخر میں دائی و میزبان ادارے جبریل انٹرنشنل اسکول کے ڈاکٹر اور سیمینار کے کوئیز مولانا ڈاکٹر صباح اسماعیل ندوی علیگ کے اپنی طرف سے، مجلس استقبالیہ کی طرف سے اور تمام معاونین اور رفقاء کی طرف سے مندویین، حاضرین اور شرکاء کا شکریہ ادا کیا۔ اور صدر جلسہ کی دعاء پر اس سہ روزہ سیمینار کا اختتام ہوا۔

جلسة اصلاح معاشرہ

رابطہ ادب اسلامی کے سیمینار کے اختتام پر ۱۶ دسمبر

راہبطہ ادب اسلامی کے ۲۲ ویں سیمینار کا دعوت نامہ

مکرمی و محترمی جناب زید لطفہ

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ، امید ہے کہ مراجع گرائی بخیر ہو گا۔

عالیٰ رابطہ ادب اسلامی شعبہ بر صغیر کی طرف سے اس کاسہ روزہ سالانہ (۲۲ واں) مذکورہ علمی علی گڑھ میں علامہ ابو الحسن علی ندوی انجویشل اینڈ ویلفر فاؤنڈیشن کے عنوان سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی موقر شاخ مردستہ العلوم الاسلامیہ کے زیر انتظام مورخ ۲۸-۶ اریاضی ۱۴۳۲ھ مطابق ۹-۱۰ افریور ۲۰۱۳ء بروز شنبہ و یکشنبہ منعقد کیا جاتا ہے، جس کا موضوع ہے:

”بیسویں صدی میں اردو کا سوانحی ادب اور تغیری قدر ہیں“

مذکورہ علمی کی صدارت عالیٰ رابطہ ادب اسلامی کے نائب صدر اور اس کے شعبہ بر صغیر کے صدر محترم جناب حضرت مولانا سید محمد رائع صاحب حسنی ندوی مدظلہ العالی فرمائیں گے۔ مجلس استقبالیہ کے صدر جناب ڈاکٹر محمد غیاث الدین صاحب ندوی سکریٹری علامہ ابو الحسن علی ندوی انجویشل اینڈ ویلفر فاؤنڈیشن، علی گڑھ ہوں گے۔ مذکورہ علمی میں آپ کی شرکت ہمارے لیے باعث سرت ہو گی۔

مقالہ نگار حضرات اپنی شرکت کے ارادے اور مقالے کے عنوان سے صدر دفتر اور مقام انتقاد دونوں کو رجنوری ۱۴۳۱ھ تک مطلع کرنے کی زحمت کریں تاکہ مقالات کی ترتیب ترتیب میں ہم لوگ ہو۔ مذکورہ علمی کے دوران قیام وظایم کی ذمدادی منتظمین کی ہو گی۔

قوٹ: ☆ مندوب حضرات اپنی آمد کی تفصیل سے مقامی منتظمین کو پہلے سے مطلع کر دیں تاکہ منتظمین اشیش پر استقبال کے لئے موجود رہیں۔

رابطہ کا مستقل پتہ

دفتر رابطہ ادب اسلامی، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳

ندوۃ العلماء، لکھنؤ-۷ (یونی)

فون فیکس: ۰۵۲۲-۲۷۴۱۲۲۱، موبائل: 9450644216

ای میل: rabitaadabelislami@gmail.com

ای میل: iqbalnadwi@gmail.com

مقام اعتماد کا پتہ

۱- ڈاکٹر محمد غیاث الدین ندوی

سکریٹری علامہ ابو الحسن علی ندوی انجویشل اینڈ ویلفر فاؤنڈیشن، علی گڑھ

ای میل: alimiyan_nadwifoundation@rediffmail.com

موباک: Mob. 9837989431

۲- ڈاکٹر طارق ایوبی ندوی، کوئیز سیمینار

مدیر مردستہ العلوم الاسلامیہ، ہمدرد گرگ، D جمال پور، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲

فون: 9026544546-9897776652 - موبائل: 0571-2905011: alimiyan_nadwifoundation@rediffmail.com

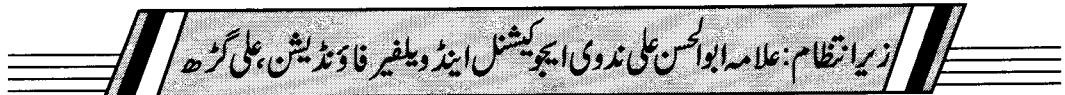
ای میل: nidaeaetidal@gmail.com

ای میل: tariqnadwialig@yahoo.co.in

رپورٹ ۳۲ واں مذاکرہ علی رابطہ ادب اسلامی عالی

بعنوان: دو نیسویں صدی میں اردو کا سوانحی ادب اور تعمیری قدر ہیں ۶۵

تاریخ: ۹-۱۰ افروری ۲۰۱۳ء (شنبہ و یکشنبہ)



رپورٹ تیار کردہ: مولانا قبائل احمد ندوی

گڑھ، ماحقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی ضیافت میں مدرسہ ہی کیمپس میں ۹-۱۰ افروری ۲۰۱۳ کو منعقد ہوا۔

واضح ہو کہ سب معمول سیمینار کی صدارت صدر رابطہ ہے۔ یہ انسان کی گوناگون انسانی صفات و شخصی خصوصیات کا آئینہ ہوتا ہے۔ اس میں صاحب سوانح اور کاتب سوانح دونوں کے ذوقی و نظری انداز خیال و خصوصیات دونوں باہم ہو جاتے ہیں۔ اس میں تذکرہ نگار اپنے انداز فکر اور مشاہدہ اور اپنے ذوق کے لحاظ سے اپنی اختیار کردہ یا شہرت رکھنے والی شخصیت کے احوال و امتیازات کو پیش کرتا ہے۔ یہ مختلف اصحاب نظر و اصحاب ذوق کے فرق کے لحاظ سے سامنے آتا ہے، اس میں قاری صرف صاحب سوانح ہی کوئی پڑھتا، بلکہ اس کے ساتھ رقم سوانح کو بھی پڑھ لیتا ہے۔

(حضرت مولانا سید محمد رائح حنی ندوی)

ان خیالات کا اظہار حضرت مولانا سید عبد اللہ حنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے سانحہ ارتھاں کا واقعہ پیش آگیا، جونہ صرف حضرت والا مظلہ العالی۔ صدر رابطہ ادب اسلامی شعبہ بر صغیر نے رابطہ ادب اسلامی کے ۳۲ رویں سالانہ دروزہ سیمینار کے افتتاحی پروگرام میں پیش کردہ اپنے خطبہ صدارت میں کیا۔ یہ سیمینار شہر علم و فتن علی گڑھ میں ”علامہ ابو الحسن علی ندوی ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر فاؤنڈیشن، علی گڑھ“ کے صدر بھی تھے۔ ان کے انتقال سے پورا خاندان بلکہ

مقصد سے کیا جاتا ہے، اول الذکر صورت میں مصنف اگر پوری احتیاط اور قلمی دیانت سے کام نہ لے، تو سوانح مدح وستاش کے بعض غلو والے پہلوؤں کی حامل بن جاتی ہے، چنانچہ بزرگ شخصیتوں کے بعض تذکروں میں اس طرح کاغلو متا ہے، ان کے تذکرہ میں بعض بعض تصنیفیں کرامات اور غیر معمولی اوصاف کے ذکر کی حامل ملتی ہیں، اور بعض میں تو یہ فرق بھی ملنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ انسان کی واقعی سوانح ہے یا انسان سے ما فوق النظرت کسی دوسری ذات کی۔ لیکن علمی انداز کی پابندی رکھنے کی صورت میں سوانح اپنے قارئین کے لیے کسی ایک شخصیت کا آئینہ زندگی بن جاتی ہے۔ جب شخصیت بڑی ہو، اپنی صفات میں ممتاز ہو، اور اس کی زندگی کی تصویر کشی اس کو انسان رکھتے ہوئے ہو، تو وہ سوانح ایک مؤثر اور طاق تو قدر علمی تھنہ ہو جاتی ہے، اور لکھنے والا اگر بیان و زبان کی علمی و ادبی رعایتوں کا لاحاظ رکھتا ہے تو تذکرہ علمی خوبیوں کے ساتھ ادبی خوبیوں کا بھی حامل بن جاتا ہے۔

حضرت مولانا نے مزید فرمایا کہ سوانح نگاری ایک بڑی ذمہ دار صنف ادب ہے، جن شخصیتوں کے سوانح ماڈل یا نمونہ بنا کر دنیا کے سامنے پیش کئے جائیں، ان میں واقعی کوئی بات بھی ایسی ہوئی چاہئے کہ پڑھنے والے کو احساس ہو کہ اس شخصیت کے مطالعے سے اس کی زندگی کی اہم خصوصیات سے واقفیت ہوئی ہے، یہی شخصیتیں ہمارے سماج میں ہیر و بن کر ابھرتی ہیں، ان کا میدان عمل خواہ سیاسی ہو، یا روحانی یا ادبی، سوانح نگاری کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جن شخصیات کی سوانح پیش کی جائیں، ان کی محض مدح سرائی ہی نہ ہو، کیوں کہ سوانح نگاری کوئی قصیدہ نگاری نہیں ہے، انسانی زندگی میں غلطیاں اور کوتاہیاں بھی ہوتی ہیں، جو سماں عبرت و بصیرت ہوتی ہیں، یہ کوتاہیاں اگر ظاہرہ کی جائیں اور معروف شخصیتوں کو ہیر و بنا

پوری دنیا سو گوارہ ہو گئی، اور حضرت مولانا مدظلہ العالی پر اس کا بہت زیادہ اثر ہوا۔ اور پھر تحریت کرنے والوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا جواب تک جاری ہے۔ ان حالات کے پیش نظر حضرت والا اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ سیمینار میں شرکت کرتے لیکن منظہمین سیمینار اور خاص طور سے ڈاکٹر محمد غیاث صدیقی سکریٹری علامہ ابو الحسن فاؤنڈیشن کا اصرار اور خلوص غالب آکر رہا اور حضرت والا کی شرکت ممکن ہو سکی، لیکن پھر بھی پہلے روز کے افتتاحی پروگرام اور مقالات کی نشتوں میں شرکت نہ کر سکے۔ بلکہ سیمینار کے پہلے روز عشاء کے قریب آپ کی تشریف آوری ہوئی۔ اس طرح دوسرے روز کے پروگرام اور سیرت کانفرنس میں حضرت والا شریک ہو سکے۔ حضرت کے برادر اصغر سکریٹری رابطہ ادب اسلامی مولانا سید محمد واضح رشید حسni ندوی مدظلہ العالی بھی حضرت کے ساتھ ہی تشریف لائے۔ حضرت کی عدم موجودگی میں ان کی نیابت کرتے ہوئے سیمینار کے افتتاحی پروگرام کی صدارت حضرت والا کے ایماء پر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مہتمم جناب مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن عظمی ندوی نے فرمائی۔ حضرت مولانا سید محمد راجح حسni ندوی مدظلہ العالی کاظمیہ صدارت رابطہ ادب اسلامی بر صغیر کے دفتر کے ذمہ دار مولانا اقبال احمد ندوی نے پڑھا، جب کہ سکریٹری روپرٹ رابطہ ادب اسلامی بر صغیر کی مجلس منظمہ کے رکن مولانا نذرالحکیم ندوی از ہری نے پڑھ کر سنائی۔

حضرت مولانا مدظلہ العالی نے اپنے خطبہ صدارت میں موضوع سے متعلق فرمایا کہ تذکرہ نویسی کا داعیہ بعض وقت اپنی کسی پسندیدہ شخصیت کی زندگی اور اس کی خصوصیات کو دوسروں کے سامنے لانے کا ہوتا ہے، اور بعض وقت یہ کام صرف علمی اور تحقیقی

ہوئے فرمایا کہ سوانح نگاری ادب کی اہم قسموں میں سے ہے، اور ہر در اور ہر زبان میں اس کو اہمیت دی گئی ہے، اور اس کے مختلف نمونے ملتے ہیں، اس میں ادباء، علماء، مصلحین اور سیاسی قائدین اور ملوك و حکام اور قائدین کے تذکرے آتے ہیں۔ بعض اہم شخصیات نے اپنے تجربات اور مشاہدات زندگی کے شیب و فراز کو قلم بند کیا ہے، میسوسی صدی میں اردو زبان میں اس کا اچھا خاصہ سرہمایہ پایا جاتا ہے۔

مولانا نے اخیر میں فرمایا کہ اردو میں سوانحی ادب کی مختلف جگہیں ہیں، مذہبی، سیاسی، سماجی اور ادبی، ہر طرح کا مواد اس کا موضوع بن سکتا ہے، اس کی شکلیں بھی مختلف ہیں، اس کی ایک قسم خود نوشت میں مکمل نامکمل، مختصر، طویل، مکتوبائی، افسانوی، ناول، تذکراتی اور منظوم شکلیں ملتی ہیں، مگر ایک چیز جو سب میں مشترک ہے وہ ہے صاحب سوانح اور مصنف کی ذات، ایک طرح سے یہ اظہار ذات کا ایک وسیلہ ہے، اور یہی اظہار ذات بعض صورتوں میں خودشائی سے شروع ہو کر خداشناکی تک جا پہنچتا ہے۔

خطبۃ استقبالیہ

مجلہ استقبالیہ کے صدر اور علامہ ابو الحسن علی ندوی ایجوک کشنل یونڈ ولیفیر سوسائٹی کے سکریٹری ڈاکٹر محمد غیاث صدیقی نے فاؤنڈیشن کے صدر مولانا سید عبد اللہ حسني ندوی کی رحلت پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا کہ علی گڑھ میں پہلی بار رابطہ ادب اسلامی کا سینیار ہوا ہے، ایسے میں حضرت مولانا سید عبد اللہ حسني کا نہ ہونا ایک صدمہ کی طرح ہے۔ ڈاکٹر غیاث صدیقی نے کہا کہ پھر بھی ہماری کوشش ہے کہ ایسے علمی سینیار کے مقاصد کو ایسا بھی تک پہنچایا جائے، یہی اس کے صدر اور بانی کو پچار خارج عقیدت ہوگا۔ انہوں نے مزید کہا کہ شہر علم فہن علی گڑھ کی علمی و تاریخی حیثیت آپ سب پر مخفی نہیں، سرید مرحم کے علمی و قومی

کر محض ان کو ناقابل تقليد مقام پر پہنچایا جائے، تو یہ فہن سوانح نگاری کے ساتھ انصاف کرنا نہ ہوگا۔ لیکن صاحب سوانح کی کوتا ہیوں کا ذکر ناصحانہ اور تعمیری انداز کا ہوتا تو اس سے سوانح کی افادیت بڑھتی، ورنہ وہ ادب و تہذیب کا حق ادا نہیں کرتی۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ صاحب سوانح کی عظمت کے خصوصی پہلو کو سمجھا جائے اور اس کو مناسب انداز میں ظاہر کیا جائے۔ کسی بڑے آدمی میں وہ کوئی امتیازی خوبی تھی جس نے ان کو بڑا بنا لیا، جب تک یہ معلوم نہ ہو اور سوانح نگاری کے ذریعہ اسے عام قارئین تک نہ پہنچایا جاسکے، قارئین کو پورا فائدہ نہیں پہنچتا۔

سکریٹوی روپورٹ

اس سے قبل رابطہ ادب اسلامی کے جزل سکریٹری مولانا سید محمد واضح رشید حسني ندوی کی سکریٹری روپورٹ مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری نے پڑھ کر سنائی۔ مولانا نے اپنی روپورٹ میں رابطہ ادب اسلامی علمی کے قیام کا پس منظر بیان کرنے کے بعد موضوع سینیار "میسوسی صدی میں سوانحی ادب اور تعمیری قدریں" پر روشنی ڈالتے ہوئے سوانح نگاری کے اصول اور شرائط بیان کیے۔ اور خاص طور پر ندوی مکتبہ فکر کی سوانح نگاری کی بنیادی خصوصیات پر تاریخی تذکروں اور سیرت کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں کے حوالے سے روشنی ڈالی۔ انہوں نے فرمایا کہ اسلامی ادب کی دعوت اور فکر یہ ہے کہ ادب صرف تفریح یا وقت گزاری کا ذریعہ نہیں، بلکہ ادب ذہن سازی اور تاثیری تلقینی کا ذریعہ ہے۔ وہ تعمیری ہے اگر اس کی رعایت کی جائے۔ اور تحریکی ہے اگر اس کا اسلوب بیان یا موضوع کا انتخاب صرف اظہار رائے یا پڑھنے والے کی تفریح کے لیے، یا مقبولیت حاصل کرنے کے لیے کیا جائے۔

انہوں نے سیرت و سوانح نگاری کی اہمیت بیان کرتے

کارنا مے کافیض پوری دنیا میں جاری ہے، لیکن اسی کے ساتھ اس تاریخی ہوئے کہا کہ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسني ندویؒ نے مختارات من ادب العرب لکھ کر اس کے مقدمے میں اپنا نظریہ ادب پیش کیا ہے، جسے عرب ادباء نے بھی سراہا، اور اسی کے نتیجے میں رابطہ ادب اسلامی کا قیام عمل میں آیا۔ ادب کی تعریف لوگوں نے مختلف کی ہے، اور وردی پوش ادیبوں نے ادب کو حص تفریح و تسلی کا ذریعہ بنارکھا ہے، حتیٰ کہ وہ بے حیائی والی اور فتح چیزوں کو بھی ادب میں شمار کرتے ہیں، ان کے بیہاں جو حضرات دین سے وابستے ہیں، ان کا ادب ادب نہیں ہے۔ یہ انتہائی غلط بات ہے۔ بلکہ جو ادب مخرب اخلاق ہو، وہ ادب نہیں ہے۔

اس موقع پر مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکی نے کہا کہ آج کے دور میں جب اخلاقی قدریں ختم ہوتی جا رہی ہیں، ایسے میں ادب اسلامی کا فروغ بہت ضروری ہو گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ معاشرہ میں آرہے زوال کوہی دیکھتے ہوئے گذشتہ ۳۰ سال پہلے علامہ ابو الحسن علی ندوی نے اس کی ابتداء کی تھی۔ مولانا بھٹکی نے کہا کہ آج جب کے نصابِ تعلیم میں اسلام دشمن طاقتیں اسلام کی غلط شبیہ پیش کر رہی ہیں، ایسے میں رابطہ ادب اسلامی کے ذریعہ بیداری ضروری ہے۔ یہ سیمینار اس میں اہم روپ ادا کر رہے ہیں۔

آخر میں افتتاحی پروگرام کی صدارتی تقریر کرتے ہوئے ندوۃ العلماء کے مہتمم مولانا ذاکر سعید الرحمن عظی ندوی نے کہا کہ ادب کی ضرورت زندگی کے تمام گوشوں اور پہلوؤں میں ہی ہوتا ہے کیونکہ لوگ آپس میں بات کرتے وقت ادب ہی کا استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح ادب کے اقدار کا تصور ادب سے ہیں۔ ہمیں بزرگوں کے علاوہ غیر مذہبی شخصیات خواہ وہ کسی بھی طبقے اور مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، ان کے ادب میں بھی تیری عناصر تلاش کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

پروفیسر ظفر احمد صدیقی نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ضرور ملتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آج کا سیمینار وقت کی اہم

حقیقت سے بھی واقعیت ہوئی چاہئے کہ علی گڑھ اور ندوۃ العلماء کا رشنہ بہت قدیم ہے۔ یہ مدرسہ اور فاؤنڈیشن ندوۃ العلماء کی فکر اس کے پیغام اور اس کے منتج سے وابستہ ہے۔

كلمة المؤفود

عالیٰ رابطہ ادب اسلامی سیمینار کے افتتاحی پروگرام میں مندویین کی طرف سے نمائندگی کرتے ہوئے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پرووسائنس چانسلر سید احمد علی نے کہا کہ دینی اور عصری تعلیم دونوں کی اپنی معنویت ہے۔ دور حاضر میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری علوم کا حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ہندوستانی مدارس، قوم و ملت کی ترقی اور ملک کی عظمت میں اضافہ کر رہے ہیں۔ مسٹر احمد علی نے کہا کہ عصری علوم اور دینی علوم کا تعلق بہت گہرا ہے، دونوں علوم سائیکل کے دو پہلوں کی طرح ہیں، اگر ایک میں بھی کمی رہ گئی تو زندگی کی رفتار تھم جائے گی۔

پروفیسر ابوالکلام قاسمی نے اپنے خطاب میں حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسني ندویؒ کے حوالے سے کہا کہ ادب اور ذرائع ایجاد غ کی تردید کے بجائے ان کے ذریعے ہم ثبت قدریں کو عام کریں۔ علم میں آرٹ اور سائنس بھی ہیں، سو شش اور سماجی علوم بھی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ادب میں بھی اقدار کا تصور ادب سے ہی ہوتا ہے کیونکہ لوگ آپس میں بات کرتے وقت ادب ہی کا استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح ادب کے اقدار بہت وسیع ہوتے ہیں۔ ہمیں بزرگوں کے علاوہ غیر مذہبی شخصیات خواہ وہ کسی بھی طبقے اور مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، ان کے ادب میں بھی تیری عناصر تلاش کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

تالش مہدی، پروفیسر سید احتشام احمد ندوی اور ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی وغیرہ ہیں۔

نشست ہائے مقالات

افتتاحی پروگرام کے بعد مقالات کی کل پانچ نشستیں ہوئیں جن میں مجموعی طور پر تقریباً چالیس (۴۰) مقالے پیش ہوئے۔ سمینار کی پانچوں نشستوں کی صدارت بالترتیب مندرجہ ذیل حضرات نے کی:

- (۱) پروفیسر سید احتشام احمد ندوی سابق صدر شعبہ عربی کالیکٹ یونیورسٹی، کالی کٹ (کیرالہ) (۲) پروفیسر شفیق احمد خاں ندوی سابق صدر شعبہ عربی جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی (۳) مولانا عسیر الصدیق ندوی دریابادی سینئر فیض وار مصنفوں اعظم گڑھ (۴) پروفیسر عبد الباری سابق صدر شعبہ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ اور (۵) مولانا اشتیاق احمد علی ناظم وار مصنفوں و مدیر مجلہ معارف اعظم گڑھ۔ جب کہ نظمت کے فرائض بالترتیب (۱) مولانا کمال اختر ندوی صدر مدرس جامعہ سید احمد شہید کوٹلی ملیح آباد (۲) ڈاکٹر جشید احمد ندوی استاد شعبہ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (۳) مولانا آدم علی ندوی استاد مدرسہ العلوم الاسلامیہ علی گڑھ (۴) مولانا محمد علاء الدین ندوی استاد دارالعلوم ندوہ العلوم لکھنؤ اور (۵) مولانا نجیب الحسن صدیقی ندوی سکریٹری جامعہ المؤمنات الاسلامیہ لکھنؤ نے انجام دیئے۔ نشتوں کے اختتام پر صدر حضرات نے مقالات پر اپنے گراں قدر خیالات کا اظہار بھی کیا۔ اور مقالات کی علمی و ادبی حیثیت پر روشنی ڈالی۔

عصر افہم اور مدرسہ العلوم کے بچوں کا

تمثیلی پروگرام

سمینار کے پہلے روز ۹ فروری ۲۰۱۳ء کو بعد نماز عصر مہمانوں

ضرورت ہے، کیونکہ اسلام میں سوانح نگاری کا آغاز حکیمان انسانیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے ملتا ہے۔ اور سیرت نبوی کی تصنیف کا آغاز مغازی کی احادیث سے ملتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اس کی مثال ہمیں اردو زبان سے بھی ملتی ہے۔ ہماری اردو زبان بھی اس سے مالا مال ہے، اور علامہ بشیلی کی سیرت الہبی، الفاروق، علامہ سید سلیمان ندوی کی تصنیفات اور مولانا علی میاں کا بھی اس موضوع پر اچھا اور مفید کام ہے۔

مولانا نے کہا کہ علمی زندگی کی پابندی رکھنے کی صورت میں سوانح اپنے قارئین کے لئے کسی شخصیت کا آئینہ زندگی بنتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ایک عام آدمی کی سوانح وہ ہوتی ہے جو کسی عزیز کے انتقال پر چند قطروں سے ہوتی ہے۔ اور ایک سوانح وہ ہوتی ہے جو کسی عظیم شخصیت کے انتقال پر قلم کے قطرے سے ادا ہوتی ہے۔ اس موقع پر مدرسہ کے مہتمم وندائے اعتدال کے مدیر ڈاکٹر طارق ایوبی ندوی کی تصنیف ”اسلامی افسانوی ادب“ اور ”ندائے اعتدال کا ادب اسلامی نمبر“ کا ڈاکٹر سعید الرحمن عظی ندوی کے دست مبارک سے اجراء بھی عمل میں آیا۔

سمینار کا آغاز محمد شاہدیکی تلاوت سے ہوا۔ ڈاکٹر تابش مہدی نے بارگاہِ رسالت میں نعت پیش کی۔ نظمت کے فرائض مولانا نذر الحفیظ ندوی اور ڈاکٹر طارق ایوبی ندوی نے انجام دیئے۔ افتتاحی پروگرام میں مندویین اور مختلف مدارس کے اساتذہ و ذمہ داران کے علاوہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مختلف شعبہ جات کے صدور، پروفیسران اور اساتذہ کرام بھی موجود تھے، ان میں قابل ذکر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پرووسائیلر سید احمد علی، پروفیسر سعود عالم قاسمی، پروفیسر ابوالکلام قاسمی، پروفیسر اشتیاق احمد علی، مولانا عسیر صدیق ندوی، پروفیسر شفیق احمد خاں ندوی، ڈاکٹر

کو مدرسے کی طرف سے عصرانہ دیا گیا، جس میں مدرسے کے بچوں نے متعدد تمثیلی پروگرام پیش کیے۔ اس کی صدارت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن صاحب عظی ندوی مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء نے فرمائی۔ نظامت کے فرائض مدرسے کے ایک طالب علم محمد شعیب نے انجام دیے اور انہم کی طرف سے استقبالیہ پیش کیا۔ طالب علم محمد شاہد نے تلاوت کلام اللہ سے پروگرام کا آغاز کیا۔ عالیہ ثانیہ کے طالب علم محمد انتخاب نے مامون فریز جرار کی عربی نظم "تحیۃ لندوۃ العلماء" پیش کی۔ عالیہ اوپی کے طالب علم محمد منذر نے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسینی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عربی تقریب اپنی کے لمحے میں پیش کی۔ عالیہ اوپی کے دوسرا طالب علم محمد فرحان نے محمد ان ایجوکشن کا فرنٹ اس علی گڑھ میں ندوۃ العلماء کی تاسیس میں ہونے والے اجلاس میں نواب حسن الملک کی ایک پرزور اردو تقریب کی تمثیل پیش کی۔ عالیہ اوپی کے ایک اور طالب علم عقیل احمد نے تحریک ندوہ پر علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک پر جوش خطاب کی تمثیل پیش کی۔ خصوصی ثالث کے طالب علم محمد جاوید نے پیش میں رابطہ ادب اسلامی کے اجلاس کے موقع پر حضرت مولانا علی میان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے صدارتی خطبے کی تمثیل پیش کی۔

فہرست مقالہ نگاران
سینیما میں جن حضرات نے موضوع سے متعلق مختلف عنوانات کے تحت مقالے پیش کئے، ان میں چند اہم حضرات کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

حضرت مولانا سید محمد رابع حسینی ندوی، مولانا سید محمد واضح رشید حسینی ندوی، مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن صاحب عظی ندوی، مولانا سید سلمان الحسینی ندوی لکھنؤ، پروفیسر عبدالباری، علی گڑھ، پروفیسر ابوسفیان اصلاحی، علی گڑھ، پروفیسر شفیق احمد خاں ندوی، دہلی، پروفیسر سید اخشم احمد ندوی، علی گڑھ، پروفیسر عبد العلیم قدوالی، پروفیسر سعد عالم قاسمی، علی گڑھ، ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی دہلی، ڈاکٹر تابش مہدی، دہلی، مولانا عمیر الصدقی ندوی دریابادی عظیم گڑھ، مولانا محمد شعیب کوئی قاسمی ممبئی، مولانا محمد انعام اللہ قادری، سہارنپور، مولانا نجیب الحسن صدیقی ندوی لکھنؤ، ڈاکٹر سید راشد نیم ندوی حیدر آباد، ڈاکٹر جمشید احمد ندوی، علی گڑھ، ہو جاتی ہے۔

ظاہر ہے کہ مدرسے کے سرپرست ڈاکٹر محمد غیاث اور اس کے مدیر ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی کی ہدایت اور ان کے اشراف میں ڈاکٹر عبید اقبال عاصم علی گڑھ، مولانا اقبال احمد ندوی عاز پوری،

مولانا ڈاکٹر صباح اسماعیل ندوی علیگ، مکلتہ، مولانا سعود الحسن ندوی عاز پور، مولانا علاء الدین ندوی استاد ندوۃ العلماء لکھنؤ، ڈاکٹر عبید اقبال عاصم علی گڑھ، مولانا اقبال احمد ندوی عاز پوری،

موجودہ عالمی صورتِ حال پر اظہارِ تشویش کرتے ہوئے یہ بات بھی کہی گئی کہ اس وقت پوری دنیا میں اسلام کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں، اسلام کی صاف و شفاف تصویر کو بگاڑنے کی کوششیں ہو رہی ہیں، پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مقدس کو داغدار کرنے کی چالیں چلی جا رہی ہیں اور جلوگ دین حق کے داعی ہیں اور تمام انسانوں تک اسلام کا پیغام پہنچانے کا کام کر رہے ہیں، انھیں طرح طرح سے بدنام کیا جا رہا ہے، یہ اجلاس اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں دعا گو ہے کہ ان ساری سازشوں، کوششوں اور چالوں کو ناکام کرے اور دین اسلام کو تمام ادیان پر بالا تری اور خادمین دین اسلام کو سرخروئی و کامیابی عطا کرے۔

اس وقت دنیا میں اباحت کے رو جان کو فروغ دیا جا رہا ہے، ایک طرف غلط کاریوں کا دور دورہ ہے تو دوسری طرف ان قلم کاروں کے افکار کو پھیلایا جا رہا ہے اور ان کے یوم منائے جا رہے ہیں اور ان کی خدمات پر بڑے بڑے سینما کیے جا رہے ہیں، جنہوں نے ہمیشہ اپنے قلم سے فواحش کفر و غدیا ہے، اور ذہنوں کو بگاڑنے والے افسانے، مضامین اور اشعار لکھے ہیں۔ ایسی صورت میں ضروری ہے کہ ادب اسلامی کی فکر کو عام کیا جائے اور نئی نسل کی صحیح فکری رہنمائی کی جائے۔ اس کے پیغام کو عام کرنے کے لیے عالمی مذاکرے اور جلسے منعقد کیے جائیں۔ اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی گئی کہ امت مسلمہ کی مختلف جماعتوں اور مسلکوں کے درمیان تنگی کو بڑھانے کا رو جان بڑھ گیا ہے جس سے دینی فکر و عمل میں تنفر و کواراہ مل رہی ہے اور امت مسلمہ انتشار کا شکار رہو ہی ہے، ہمارے اہل قلم اس رو جان کی اصلاح کی طرف توجہ دیں۔

اس دو روزہ سینما میں جو مقابلے پڑھے گئے وہ اپنے لواز میں اور پیش کش کے اعتبار سے کامیاب تھے، لکھنؤ والوں

استادندوہ العلماء لکھنؤ، مولانا مشہود السلام ندوی استادندوہ العلماء لکھنؤ، مولانا شاکر فرج ندوی از ہری، سہارنپور، مولانا محمد ذاکر ندوی بارہ بنکوی، ندوہ العلماء لکھنؤ، مولانا محمد ذاکر سہارنپوری، ندوہ العلماء لکھنؤ، مولانا شیخ محمد مہاراشٹری، ندوہ العلماء لکھنؤ، مولانا خورشید عالم میرٹھی، دارالعلوم ندوہ العلماء لکھنؤ، مولانا مظہر احسان، ندوہ العلماء لکھنؤ، مولانا محمد صفویان فلکتوی مولانا ممتاز احمد آسنولی، لکھنؤ، مولانا محمد ناصر ایوب ندوی بوڑیہ (ینا گنگر)، ڈاکٹر محمد علی جوہر، مولانا قمر الزماں ندوی، محمد ثاقب ندوی علی گڑھ، غیاث الاسلام صدیقی ندوی دہلی، ڈاکٹر عبدالخالق ندوی علی گڑھ، مولانا محمد جرجیس کریمی، ڈاکٹر سفیان حسان بھوپال، مولانا سراج الہدی ندوی حیدر آباد، ڈاکٹر شہاب الدین علی گڑھ اور مولانا محمد شاہد۔

اختتامی نشست

افتتاحی اجلاس اور مقالات کی پانچ نشتوں کے بعد ۲۰۱۳ء فروری کو صدر رابط ادب اسلامی حضرت مولانا سید محمد رابع حنفی ندوی مدظلہ العالی کی صدارت میں سینما کی اختتامی نشست منعقد ہوئی۔ جس میں سینما میں پڑھے گئے مقالات کی روشنی میں تجاویز پیش کی گئیں۔ بعض مندویین نے اپنے تأثرات پیش کئے۔ اور آخر میں صدر اجلاس کا اختتامی خطاب ہوا۔

تجاویز

تجاویز کمیٹی کی مرتب کردہ تجویز مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی نے پیش کیں، تجویز میں سینما کی کامیابی پر اللہ رب العزت کا شکردا کیا گیا۔ اور ہندوستان کے ماہیہ ناز عالم دین، داعی اسلام، خانوادہ حلم للہی کے لائق و فائق فرزند اور اپنے سر برہ حضرت مولانا سید محمد رابع حنفی ندوی مدظلہ العالی کے خویش حضرت مولانا سید عبد اللہ حنفی ندوی کی وفات پر اظہارت اسف اور دعائے مغفرت کی گئی۔

سید ابو الحسن علی ندوی ایجوشنل اینڈ ویلفیر فاؤنڈیشن علی گڑھ اور اس کے محترم ذمہ دارڈ آئر محمد غیاث صدیقی ندوی اور ان کے رفیق ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی کا بھی ممنون و مُتکبر ہے کہ انہوں نے دو روزہ سیمینار منعقد کیا اور اسے کامیاب بنانے کی ہر ممکن کوشش کی اور شرکاء و مندوبین کو کسی قسم کی زحمت نہیں ہونے دی۔

علمی رابطہ ادب اسلامی کا یہ اجلاس عہد حاضر کی عظیم دانش گاہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے تعاون کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ اس سے وابستہ متعدد اہل علم نے ہمارے پروگراموں میں شرکت کی، خصوصاً پرو اوس چانسلر جانب پروفیسر سید احمد علی صاحب۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو ہمتر سے بہتر انداز میں علمی خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔

تأثیرات مندوبین

تجاویز کے بعد صدر محترم کے اختتامی خطاب سے قبل پروفیسر محمد راشد ندوی اور مولانا سید سلمان حسینی ندوی صدر جمیعت شباب اسلام لکھنؤ و صدر کلیت الدعوة والاعلام نے اپنے تاثرات پیش کئے۔ پروفیسر محمد راشد ندوی نے رابطہ ادب اسلامی کے قیام کا تذکرہ کرتے ہوئے منظہمین کو اس کامیاب سیمینار کے انعقاد پر مبارکبادی۔ مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے اپنے خطاب میں کہا کہ ندوۃ العلماء نے ملت اسلامیہ کو جو تحفے دیئے ہیں، ان میں ایک عظیم تحفہ ادب بھی ہے۔ نصاب تعلیم کی اصلاح، اتحاد ملت اور دارالمحضنین کا قیام بھی ہے۔ علامہ شبلی نے سیرۃ النبی کو آپ زہر میں دھوکر پیش کیا تو کوئی شبہ نہیں کہ پہلے کا ادب بھی اسلامی تھا، لیکن اب اس میں چار چاند لگ گئے اور ملک کو سیرت کا تخفیف ادب کی زبان میں دیا۔ پھر سید سلمان ندوی نے اسے عروج

نے کافی محنت اور مطالعے کے بعد انھیں لکھا ہے۔ بلاشبہ وہ اس قابل ہیں کہ انھیں کتابی صورت میں شائع کر کے عالم علمی دنیا تک پہنچایا جائے۔

علمی رابطہ ادب اسلامی کی خواہش ہے کہ علی گڑھ علم و دانش کا مرکز ہے، یہاں رابطہ کی مستقل ذیلی شاخ کا قیام ہو۔

عربی شاخ سے جس طرح مجتمع الادباء الاسلامیین المعاصرین تین اجزاء میں شائع ہوئی ہے، اسی طرح یہاں باشین کے ذریعہ بر صغیر کے اسلامی ادباء کی سوائخ اور ان کی ادبیات کو بیکجا کیا جائے اور یہ کام رابطہ کی علی گڑھ کی ذیلی شاخ کے ذمہ کیا جائے۔

اسی طرح رابطہ کی جانب سے ڈاکٹر عبد الباسط بدر کی تیار کردہ دلیل مکتبۃ الادب الاسلامی کی طرح بر صغیر کی اسلامی ادبیات کی بائیوگرافی شائع کی جائے۔

ان سیمیناروں کو اس طور پر وسعت دی جائے کہ مدارس کے

تعاون سے ان کو اس طرح اور ایسی جگہ منعقد کیا جائے کہ ادب اسلامی سے دوری اختیار کرنے والے بھی اس سے مریب ہوں۔

یہ اجلاس علمی رابطہ کے نائب صدر اور بر صغیر و ممالک مشرقیہ کے صدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسینی ندوی مدظلہ العالی کا بیحد شگر گذار ہے کہ انہوں نے اجلاس کے انعقاد کی اجازت مرحت فرمائی اور اپنی صحت کی خرابی اور گھر میں ایک بڑا سانح پیش آنے کے باوجود تشریف لا کر تمام شرکاء کو استفادے کا موقع دیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ انھیں تادریج سخت مندوہ تدریست رکھے۔ یہ اجلاس بر صغیر و ممالک مشرقیہ کے محترم سکریٹری حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسینی ندوی کا بھی ممنون ہے کہ انہوں نے شرکت فرمائی اور اپنی رہنمائیوں سے کارکنان کو نوازتے رہے۔

علمی رابطہ ادب اسلامی کا شعبۂ بر صغیر و ممالک مشرقیہ علامہ

مولانا نے مزید فرمایا کہ آج ادب کو اغوا کر لیا گیا ہے، اور اسے تحریک کے لیے استعمال کیا جانے لگا ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم ادب کو تعمیر بنائیں، اسے صحیح راستے پر لیجانے کا ذریعہ بنائیں، کیونکہ ادب چاقو کی طرح ہے، ہم چاہیں تو اس چاقو سے پھل کا میں یا کسی کی گردن کا میں، اسی طرح ادب سے بھی خیر و شر دنون کام لیے جاسکتے ہیں، لیکن ہمیں اس سے صرف خیر کا کام لینا چاہئے۔ یہی حقیقی اور اصلیٰ اسلامی بلکہ انسانی ادب ہے۔ اخیر میں مولانا نے رابطہ کے قیام اور اس کے اغراض و مقاصد پر بھی روشنی ڈالی۔

كلمات تشکر

اخیر میں داعی و میزبان ادارے مدرستہ العلوم الاسلامیہ کے مدیر اور سیمینار کے کوئیز ڈاکٹر طارق ایوبی ندوی علیگ نے اپنی طرف سے، مجلس استقبالیہ کی طرف سے اور تمام معاونین اور رفقاء کی طرف سے مندو بین، حاضرین اور شرکاء کا شکریہ یاد کیا۔ اور صدر جلسہ کی دعاء پر اس سہ روزہ سیمینار کا اختتام ہوا۔

جلسة عام لعنوان "سرت کا پیغام انسانیت کے نام"

رابطہ ادب اسلامی کے سیمینار کے اختتام پر اور فروری ۲۰۱۴ء کو مغرب بعد "سرت کا پیغام انسانیت کے نام" عنوان سے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کنیڈی ہال میں ایک عظیم الشان اجلاس حضرت مولانا سید محمد رائح حنی ندوی مدظلہ العالی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جس میں مسلم یونیورسٹی کے پرو ڈائس چانسلر سید احمد علی، وائل چانسلر سیری الدین شاہ بھی شروع سے آخر تک شریک رہے۔ اس میں مولانا سید سلمان حسینی ندوی، داعی الی اللہ مولانا عمر گومت صاحب، ممبر پارلیامنٹ محمد ادیب صاحب اور اخیر میں صدر اجلاس حضرت مولانا مدظلہ العالی کی پر اثر تقاریر ہوئیں اور سماں میں پرانا کا چھا اپڑا۔ ☆☆☆

بخشش۔ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے پوری کہشاں سجادی اور ملت اسلامیہ کو عربی ادب اور اردو ادب سے مالا مال کیا۔ بلکہ پوری دنیا میں ادب کی صدائگادی اور اس طرح رابطہ ادب اسلامی کا قیام عمل میں آیا۔ انہوں نے کہا کہ اس دور میں ادب کا اغوا کر لیا گیا ہے بد کرداری کے لیے اور فخش کاری کے لیے۔ اس اغوا سے اسے آزاد کرنا ہے۔

صادرتی خطاب

آخر میں صدر جلسہ حضرت مولانا سید محمد رائح حنی ندوی دامت برکاتہم نے اپنی صادرتی تقریر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے تو قرآن سے متعلق ہر چیز کی حفاظت کا وعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ساری اعلیٰ قدریں رکھ دی ہیں۔ اس میں مضامین و معانی کے ساتھ ساتھ خود الفاظ و کلمات کے بھی اثرات ہیں۔ کیونکہ الفاظ میں طاقت ہوتی ہے، ان کا پتپر پچھہ ہوتا ہے۔ ادب کا جو آخری اور بلند معیار ہو سکتا ہے، وہ سب قرآن میں موجود ہے۔ حضور اکرم ﷺ امی تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن جیسا مجیدہ عطا فرمایا اور اس میں ساری اعلیٰ اخلاقی و اصلاحی قدریں شامل فرمادیں۔ آپ افسح العرب ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو سمجھانے کے لیے جزو بان اختیار کی وہ ساری زبانوں سے بہتر ہے۔ اور اس میں بڑی اثر آفرینی اور طاقت و قوت ہے، اسی لیے دور اول میں جو بھی قرآن سنتا بدل جاتا، اس کے اندر کی دنیا بدل جاتی۔ اب بھی جو لوگ قرآن کو تدبر کے ساتھ پڑھتے ہیں، ان کے جذبات بدل جاتے ہیں، ان پر اثر ہوتا ہے، اور وہ بسا اوقات رونے لگتے ہیں۔ حرم کی اور حرم مدنی کے ائمہ بعض اوقات اپنی قراءت سے خود بھی رونے لگتے ہیں اور سارے مصلیوں کو بھی رلا دیتے ہیں، یہ سب قرآن کی اثر انگیزی اور اس کی تاثیر ہے۔

رپورٹ مذاکرہ علمی رابطہ ادب اسلامی عالمی

مروضوں نے بچوں کے لادب میں حکیم شرافت حسین رحیم آبادی کی خدمات

تاریخ ۲۹ ربیعہ مطابق ۹ جون ۲۰۱۳ء بروز یکشنبہ

بمقام عباسیہ ہال، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

رپورٹ تیار کردہ: مولانا قبائل احمدندوی

”نصف صدی پیشتر عربی اور اردو دونوں زبانوں میں ۹ جون ۲۰۱۳ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے تاریخی عباسیہ ہال میں بچوں کے ذہن اور ضرورت کی رعایت کرتے ہوئے ان کے لیے لٹرپیچر تیار کرنے کی طرف توجہ بہت کم تھی، اردو میں کچھ لٹرپیچر تیار کیا گیا تھا، جس کو بڑھانے کی ضرورت تھی۔ عربی زبان میں مصر کے بعض مصنفوں نے بچوں کے لیے بعض کتابیں تیار کی تھیں، لیکن ان میں معلومات عموماً علاقائی انداز کی تھیں، اور مسلمانوں کے اسلامی روحان سے خالی تھیں۔ اس بات کو ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں نے محسوس کیا اور عربی زبان کی تعلیم میں اسلامی روحان کی حامل اور بچوں کی صلاحیت و ترقی کے اعتبار سے کتابیں تیار کرنے کی ضرورت محسوس کی، اور عربی کی طرف خصوصی توجہ کی ضرورت محسوس کی۔ عربی میں اس کام کے انجام دینے کی ضرورت حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسني ندوی نے خاص طور پر محسوس کی، اور کتابیں تیار کیں، ان کے ہم عصر دوست اور ہم مذاق خصیت حکیم شرافت حسین صاحب رحیم آبادی نے اردو میں اس ضرورت کی طرف توجہ دی۔ ہمارا آج کا یہ سیمینار خاص طور پر اسی موضوع پر ہوا ہے تاکہ حکیم صاحب کے کام کی قدر دانی کو رحمۃ اللہ علیہ اور رابطہ ادب اسلامی کی کوششوں کو سراہت ہوئے سامنے لایا جاسکے۔“ ان خیالات کا اظہار حضرت مولانا سید محمد راجح حسني ندوی مدظلہ العالی صدر عالمی رابطہ ادب اسلامی نے آج

حضرت مولانا سید محمد راجح حسني ندوی مدظلہ العالی نے مزید فرمایا
حضرت مولانا سید حکیم شرافت حسین رحیم آبادی کی کوششوں کو سراہت ہوئے
رحمۃ اللہ علیہ اور رابطہ ادب اسلامی کی کوششوں کو سراہت ہوئے
اس سلسلے میں حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسني ندوی
رجیم آبادی نے ابتدائی سطح کے بچوں کے لیے کتابیں تیار کیں۔

اس سلسلے میں حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسني ندوی
سامنے لایا جاسکے۔“ ان خیالات کا اظہار حضرت مولانا سید محمد راجح حسني ندوی مدظلہ العالی صدر عالمی رابطہ ادب اسلامی نے آج

سکریئری رابطہ ادب اسلامی عالمی حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حنفی ندوی نے اپنے خطاب میں بچوں کے ادب پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ بچوں کا ادب بہت وسیع موضوع ہے۔ عربی میں بچوں کے ادب پر بہت کم کام ہوا ہے، ہندوستان کو اس معاملے میں دیگر ممالک پر امتیاز حاصل ہے کہ یہاں بچوں کے ادب پر خاصا کام ہو چکا ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ نے بھی بچوں کے ادب میں نمایاں کام کیا ہے، اسی طرح بچوں کے ادب کی تیاری میں ندوی فضلاء کا خاصا حصہ ہے۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حنفی ندوی رحمۃ اللہ علیہ قابل ذکر ہیں۔ حکیم شرافت حسین صاحب کوندوجہ العلماء اور اس کے ذمہ داروں سے گھر اتعلق تھا، اس سے انہوں نے یہاں کے ذمہ داروں سے خصوصی استفادہ کیا اور یہیں کے بزرگوں کی تحریک پر بچوں کے لیے چھوٹی چھوٹی کتابیں تیار کیں۔ حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی اور مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی نے ان کی کتابوں پر مقدمے بھی لکھے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم مولانا سعید الرحمن عظیمی ندوی نے حکیم شرافت حسین صاحب رحیم آبادی سے اپنے تعلقات کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے تاثرات پیش کیے، اور بچوں کے ادب سے متعلق ان کی تیار کردہ کتابوں کا تعارف پیش کیا اور ان کی اہمیت واضح کی۔

صدر شعبۃ دعوت و میڈیا مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے اپنی تقریر میں کہا کہ بچوں کی تربیت کا مسئلہ کسی قوم کا بنیادی مسئلہ ہے۔ اس کا احساس اولین دور میں بہت تھا۔ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانے میں اس کو خاص طور پر ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ بچے ہر طرح کی آلوگی سے محفوظ رکھا جائیں۔ اسی

کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے خاص طور پر عربوں کو اس بات کی دعوت دی کہ ادب کو غیر اسلامی حدود میں مختصر رکھنے سے نکلیں اور اس کو اسلامی ضرورت سے بھی وابستہ کریں۔ اور ان کے سامنے کام کا نقشہ پیش کیا، عربوں کی طرف سے حوصلہ افزاجواب ملا۔ پھر اسی موضوع پر ندوۃ العلماء میں ایک بین الاقوامی سیمینار حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں منعقد ہوا اور رابطہ ادب اسلامی کی بنیاد پڑی اور اس کے تحت اب تک تقریباً ۳۲ سیمینار مختلف ایسے موضوعات پر منعقد ہو چکے ہیں جن کی طرف لوگوں کا ذہن بھی نہیں جاتا کہ ان موضوعات پر بھی سیمینار ہو سکتے ہیں۔

ادب کی تعریف کرتے ہوئے حضرت مولانا نے فرمایا کہ ادب کا کام ہے زبان کے توسط سے احساسات کا آپس میں تبادلہ کرنے کا، اپنے احساسات اور دوسروں کے احساسات سے متاثر ہونے کا۔ لیکن اس کی بھی شرطیں ہیں۔ انسانی قدروں کا تقاضہ یہ ہے کہ ادب کو بے لگام نہیں ہونا چاہئے، ورنہ وہ تجزیی کام انجام دیتا ہے۔ اکثر جرائم احساسات ہی کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ اسلام چونکہ پوری انسانی زندگی کو محیط ہے، اور زندگی گزارنے کا پورا نظام رکھتا ہے، اس میں سب انسانی پہلو آ جاتے ہیں۔ اس لیے ہم ایسے ادب کو اسلامی ادب کہتے ہیں، وہ اس طرح ادب اسلامی کے ساتھ ساتھ انسانی ادب بھی کہلانے کا مستحق ہے۔

افتتاحی پروگرام کے آغاز میں مولانا نذر الحفیظ ندوی صدر شعبۃ عربی نے اپنے تمہیدی کلمات میں موضوع کا تعارف کرتے ہوئے حکیم شرافت حسین صاحب رحیم آبادی کی شخصیت اور ان کے کارناموں پر روشنی ڈالی۔

لیے حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مکرہ کے تجارتی اور شہری ماحول پر بعض مقالات پیش ہونے سے رہ گئے۔ جن حضرات نے مقالے لکھتے تھے، ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

حضرت مولانا سید محمد راجح صاحب حسنی ندوی، مولانا سید الرحمٰن عظی ندوی، سید محمد واضح رشید حسنی ندوی، مولانا سید علی حسنی ندوی، ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی، ڈاکٹر خاص التزام نہیں کیا گیا۔ اسی کی کوپورا کرنے کے لیے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے عربی میں اور حکیم شرافت حسین صاحب نے اردو میں بچوں کا لاطر پچر تیار کیا۔ افتتاحی پروگرام کے بعد اور مجلس مقالات شروع ہونے سے قبل صدر اجلاس حضرت مولانا سید محمد راجح حسنی ندوی مدظلہ العالی کے دست مبارک سے رابطہ ادب اسلامی کی طرف سے منعقد انعامی مسابقات میں کامیاب ہونے والے طلبہ کے درمیان نقد انعام اور توصیفی اسناد پیش کی گئیں۔ کامیاب طلبہ کی تفصیل اس طرح ہے:

انعام یافتگان از درجات علیا:

- ۱- محمد ڈاکٹر بن اسرار احمد۔ علیاً ثانیہ شریعہ (فقہ) (اول انعام)
- ۲- شہباز جمل بن محمد جمل حسین۔ علیاً ثانیہ شریعہ (فقہ) (دوم انعام)
- ۳- محمد طلحہ بن عبد الصمد۔ علیاً اوی شریعہ (حدیث) (سوم انعام)

انعام یافتگان از درجات عالیہ:

- ۱- شیخ محمد اسلم بن شیخ محمد اکبر۔ عالیہ ثالثہ شریعہ (اول انعام)
- ۲- ہدایت اللہ بن محمد داؤد۔ عالیہ اوی شریعہ (دوم انعام)
- ۳- محمد شاداب غنی۔ عالیہ ثالثہ شریعہ (سوم انعام)۔ دیگر تمام شرکاء کو تصحیح انعامات دیئے گئے۔

افتتاحی پروگرام کے بعد مقالات کا سلسلہ شروع ہوا۔ تقریباً پندرہ مقالات پیش ہونے تھے، لیکن قلت وقت کی بنا پر بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائیں۔ ☆☆☆

سیمنار کا آغاز قاری محمد ریاض مظاہری استاد شعبہ تجوید و قراءت کی تلاوت سے ہوا۔ ڈاکٹر تابش مہدی نے بارگاہ رسالت میں نعمت شریف کا نذر انہانہ پیش کیا۔ سیمنار کی صدارت حضرت مولانا سید محمد راجح حسنی ندوی مدظلہ العالی نے فرمائی اور نظامت کا فریضہ مولانا نذر الحفیظ ندوی اور مولانا علاء الدین ندوی نے مشترک طور پر انجام دیئے۔ سیمنار کے کنویز اور میزبان جناب محمد سلیمان صاحب رحیم آبادی فرزند جناب حکیم شرافت حسین صاحب رحیم آبادی نے معزز مہماں اور شرکاء کا شکریہ ادا کیا۔ مولانا سید الرحمٰن صاحب عظی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوہ العلماء کی دعاء پر جلسے کا اختتام ہوا۔

سیمنار کو کامیاب بنانے میں ناظر عام ندوہ العلماء مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی نے خصوصی دلچسپی لی۔ اور سیمنار کی پوری طرح سرپرستی فرمائی۔ نیز سیمنار کے داعی اور میزبان جناب محمد سلیمان صاحب رحیم آبادی نے معزز مددویں اور اساتذہ دارالعلوم کی بہترین ضیافت کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی

تقریباً پندرہ مقالات پیش ہونے تھے، لیکن قلت وقت کی بنا پر بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائیں۔ ☆☆☆

لقد و تبرہ

مولانا ابوالبیان حماد کارنگ تغزل

• قمر سنجھی

کے تیروں سے مجروح ہی نہیں کرتے تھے بلکہ اسے مذہبی شاعری کہہ کر رکر دیتے تھے۔ مگر اب محمد تعالیٰ فضابہت کچھ بدل گئی ہے۔ آج ہمارے عام شعراء بھی اسلامی افکار و نظریات کو اپنی شاعری کا حصہ بنا رہے ہیں۔ اب نہ صرف حمد و نعمت کے مجموعے کثرت سے آرہے ہیں بلکہ خالص غزل کے مجموعوں میں بھی ثابت اور صالح افکار کثرت سے دیکھے جاسکتے ہیں۔

وہ بھی زمانہ تھا کہ ”ادب اسلامی“ کا نام آتے ہی نام نہاد بڑے شعراء کی پیشانیوں پر بل آ جاتے تھے۔ وہ خود تو ”ماسکو“ کو اپنا قبلہ قرار دے کر اسی کی توصیف میں رطب اللسان رہتے۔ مارکس نظریات اور لال سلام کی حامل نعروں پر متنی شاعری کی تبلیغ کو ادب کا حاصل قرار دیتے گرا اسلامی افکار اور اعلیٰ اخلاقی بنیادوں پر متنی شاعری کو ”ادب“ سے باہر کی چیز ٹھہراتے تھے۔ حالانکہ اسلام وہنی فطرت ہونے کی وجہ سے عالمِ انسانیت کی صلاح و فلاح کا ضامن ہے، ایسے ثبت خیالات کے شاعرانہ اظہار کو ”غیر ادب“ کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے؟ خدا جائزے خردے اُن اسلامی افکار کے حامل شعراء کو جنہوں نے نامساعد اور ناموافق حالات میں ثابت قدم رہتے ہوئے ہر قسم کے طنز و تشنیع کے پھر کھا کر ادب اسلامی کا پرچم بلند رکھا اور جو صراطِ مستقیم بہت سوچ سمجھ کر اور اللہ کی توفیق سے پتی تھی، اس پر گامزن رہے۔ حضرت حفیظ میرٹھی، ماہر القادری، نعیم صدیقی، عامر عثمانی، عزیز بکھروی اور ابوالجاہد زاہد جیسے شعراء کے اس ضمن میں نام لیے جاسکتے ہیں۔

مقامِ شکر ہے کہ آج بھی ایسی صالح افکار کی حامل شاعری

غالب نے بہت پہلے کہا تھا:
بقدرِ شوق نہیں ظرفِ تنکائے غزل
کچھ اور چاہئے وسعتِ مرے بیاں کے لیے
لیکن آج غزل اس مقام سے بہت آگے نکل آئی ہے۔ غالب خود بھی اسی غزل کی وجہ سے غالب ہے جس کی نگاہِ دامانی کا انہیں شکوہ تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اب غزل کا دامن اس قدر وسیع اور کشادہ ہو گیا ہے کہ ہر قسم کے مضامین اس میں سنا گیے ہیں۔ اور شعراء اپنی اپنی صلاحیتوں اور وسعتِ نظر کے مطابق ہر طرح کے خیال اور مشاہدہ کو غزل میں اس کی تمام تر حدود و قیود کے ساتھ بیان کر رہے ہیں۔ اور اپنے نظریات و معتقدات کا بر ملا اظہار کر رہے ہیں۔ لہ جو لوگ غزل کے حسنِ اصلی کو برقرار رکھتے ہوئے اس کی وسعتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں وہ کامیاب رہتے ہیں۔ غزل ایسی سدا بہار صنف ہے کہ اس پر وقت گزرنے کے ساتھ نکھار اور اس کی محبوبیت میں اضافہ ہو رہا ہے، اس کے چاہنے والوں کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ دنیا کے ہر خطے میں اس کے عاشق موجود ہیں۔ یوں کہئے کہ غزل کا جادوسر باشیں قصہ پاریسہ بن گئی ہیں۔ اس میں ہر قسم کے نظریات و احاسات پیش کئے جا رہے ہیں۔ اک زمانہ تھا ادب کے ٹھیکیدار اسلامی شاعر کی توہین، مذہبی شخصیتوں، زبانہ اور شیخ کی پگڈی ای اچھا لئے اور مذہب مخالف جذبات کی تبلیغ کو ادب عالیہ کا درجہ دیتے تھے، اور ایسے افکار و خیالات کو ترقی پسندانہ شاعری کے زمرہ میں شاکر تھے، اس کے بر عکس ثابت فکر رکھنے والے صالح اقدار کی حامل شاعری کو حق پرستانہ جذبات کو طنز

تاثیر کہاں ہوتی مری آہ سحر میں
آئیں گی مشکلیں محبت میں
تم نے دیکھا بھلا بھی کیا ہے؟
جو راہ محبت میں برباد ہوگا
وہ سرسرز و شاداب و آباد ہوگا
ایک غزل تمام تر محبت کی ردیف میں ہے۔ دو شعر دیکھیں:

منت کش درماں نہیں آزارِ محبت
اچھا نہیں ہوتا کبھی بیمار محبت
نذرانہ جاں لے کے چلا آیا خوشی سے
بازارِ محبت میں خریدارِ محبت

جناب حماد اسلامی ادب کے نمائندہ شاعر ہیں۔ دل
گداختہ سینے میں رکھتے ہیں۔ ”غم و درد“ سے لطف اندوزی اسی
کی دین ہے۔ ملاحظہ ہوں یہ اشعار:

چھپیرے سازِ خون فشاں آپ ذرا ابوالبیان
درد کے گیت گائے نغمہ غم نایے
الاطافِ فراواں ہو کہ تم سب ان کی عنایت ان کا کرم ہے
ہم یہ بھی گوارہ کرتے ہیں، ہم وہ بھی گوارہ کرتے ہیں
نغمہ ہائے دلی مجروح ہوئے پھر دوش
دیکھئے فصلِ خزاں میں بھی بھار آئی ہے
در دل کو حاجتِ در دل نہیں
درد ہے خود ہی دوائے در دل
غزل کارنگ دیا میں نے در دکھاد
غزل نہیں یہ مراد کھ بھرا افسانہ ہے
حضرت حماد کے یہاں خالص غزل کے اشعار دیکھیں
تو ان میں بھی ان کی اپنی فکر کے عناصر غالب نظر آئیں گے۔ ان
کی نگاہ مجاز میں بھی حقیقت کی تلاش کر لیتی ہے۔
نہ جدا ہوئے وہ مجھ سے نہ الگ ہوا میں ان سے

سے شغف رکھنے والے موجود ہیں۔ ان میں ایک اہم اور نمایاں
نام مولانا ابوالبیان حماد صاحب کا ہے۔ آپ کے انکار و خیالات
اسلام پسند حلقوں کو برابر متوجہ کئے ہوئے ہیں۔ آپ کی مستقل
تصانیف کے علاوہ جرائد و رسائل کے ذریعے ہم تک آپ کے
رشحاتِ قلم تسلسل کے ساتھ پہنچتے رہتے ہیں اور دنیاۓ ادب ان
سے مستفیض و مستفید ہوتی رہتی ہے۔ اب الحمد للہ آپ کی
”غزلیں“ ہمارے مشاہِ جاں کو معطر کرنے کے لیے اس مجموعے
کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں۔ مولانا حماد صاحب پرانی
صالح قدروں کے امین، روایت کے دلدادہ اور کلائیک ادب کے
پار کھے ہیں۔ آپ کے کلام میں وہی کلائیک انداز نہایت سترے
نداق کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

ان کی ”غزلوں“ کے بیان میں کوئی پیچیدگی یا کسی طرح کا ابہام
نہیں ہے۔ بڑی متنات اور سادگی کے ساتھ اپنے محوسات و
مشاهدات کو شعری بیکر میں ڈھال دینے کے ہمراستے آپ واقف ہیں۔
آپ کی پوری شاعری اسلامی انکار و اقدار کا آئینہ ہے۔ آپ نے غزل
کی فنی روایتوں اور زد اکتوں کا احترام کرتے ہوئے اپنے ثابت نظریات
کو واضح اور غیر مبهم انداز میں پیش کیا ہے۔ اسلامی ادب کی بنیاد، احکام
خداوندی اور ننانے فطرت کی عمل آوری کے ساتھ انسانی درونمندی،
احترامِ آدمیت، مخلوقِ خدا سے محبت و ہمدردی، جذبہ و فاجیہی قدریں
اور سچائیاں ہیں۔ جناب ابوالبیان حماد صاحب کا کلام انہیں خصوصیات
کا حامل ہے اور مختلف انداز میں ان کا اظہار اشعار میں ملتا ہے۔ ملاحظہ
ہوں یہ اشعار جن میں محبت کو کلیدی حیثیت حاصل ہے:

ہزار بادِ مخالف ہو، آندھیاں اُٹھیں
مگر چاراغِ محبت ہمیں جلانا ہے
وہ جس نے اہلِ محبت کو در دل بخشنا
ہے چارہ گر بھی وہی، پھر وہی ہے سب کا طبیب
حماد! محبت کا کرشمہ ہے یہ ورنہ

روزِ میثاق سے ہیں مد مقابل دونوں
جنگ باطل سے سداحق کی ٹھنی ہوتی ہے
کوئی بھی شخص اپنے ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ
سکتا، وہ کھلی آنکھوں سے جو مظالم کا سلسلہ دیکھتا ہے اس پر اس
کا دل بھرا آنا ایک فطری عمل ہے۔ اور پھر شاعر کو اللہ تعالیٰ کی طرف
سے احساس کی دولت کچھ زیادہ ہی عطا ہوتی ہے۔ ایسی صورت
میں جناب حماد کا قلم کیسے خاموش رہ سکتا تھا اور وہ اردو گرد رونما
ہونے والے حداثات و واقعات سے کیسے صرف نظر کر سکتے تھے۔
چنانچہ ان کا درونوں کی قلم پر آگیا۔ ایک غزل کے یہ اشعار دیکھیں:

کلی کلی نوکِ خار کیوں ہے، خزان سے بدتر بہار کیوں ہے
ذر کوئی با غباں سے پوچھے، چن کا یہ حال زار کیوں ہے
یہ میرا دل بے قرار کیوں ہے، یہ میری آنکھ اشک بار کیوں ہے
نظر نظر میں شرار کیوں ہے، نفس نفس شعلہ بار کیوں ہے
جگر پر زخم اس قدر لگے ہیں کہ ہر بن مو سے ہے رواں خون
یہ پوچھتے ہیں مگروہ پھر بھی تمہارے دل پر غبار کیوں ہے
خزان رسیدہ چن چن ہے، ہبہ لہوش کا پیر ہن ہے
دیوارِ ظلت کے رہنے والا! سحر کا پھر انتظار کیوں ہے
چن میں فصلِ بہار آئی تو بڑھ گئی اور اپنی وحشت
پھر اس پر حیرت ہی کیا کہ دامنِ خرد کا یوں تارتار کیوں ہے
غرضِ حضرتِ حماد کی شاعری ایک اسلام پسند شاعر کے
محسوسات کا آئینہ ہے۔ آپ باذوق قارئین کے مطالعہ کے لئے
یہ پورا مجموعہ سامنے ہے۔ مطالعہ کریں اور مخطوط ہوں۔ جناب
مولانا ابوالبیان حماد کا قلمِ الحمد شاد بھی رواں دواں ہے۔ یہ آخری
منزل نہیں ہے۔ ابھی انشاء اللہ ان کا قلمِ مزید منزلیں سر کرے
گا۔ اخیر میں آپ کا یہ شعر پیش کر کے اجازت چاہوں گا:

مقامِ دار و رسن آخری مقام نہیں
روہ وفا میں بہت دور ہم کو جانا ہے

کبھی خود ہی آگئے وہ کبھی یاد بن کے آئے
ترے در کو چھوڑ کے جو گیا وہ بھلک کے رہ گیا در بدر
ترے در سے جو بھی چھٹ گیا وہ کسی بھی در پر گیا نہیں
ان کا خیال، ان کی تمنا، نہیں کا ذکر ہے
ہم ان کے ساتھ ساتھ رہے وہ جہاں رہے
جناب حماد حضرتِ غالب سے بھی متاثر نظر آتے ہیں۔ اور
جناب حماد ہی کیا اردو کا وہ کوئا شاعر ہے جو غالب سے متاثر نہ ہو
یا جس نے غالب کی زمینوں میں غزلیں نہ کی ہوں۔ حماد
صاحب کی ایک ہی غزل کے یہ شعر دیکھیں:

چارہ گر تجھ سے علاج در دی ممکن نہیں
بے خر کیا یہ بھی کوئی گھاؤ ہے مشیر کا
گوہر غلطیدہ رنگیں بے چشم خون چکاں
ماجرائے غم نہ پوچھو عاشق دلگیر کا
عقیدہ آشفتگی منت کشیں دستِ جنون
نہیں منون احسان ناخنِ مدیر کا
محترم ابوالبیان حماد صاحب کا شعری نظریہ بھی ملاحظہ
فرمائیں، فرماتے ہیں:

جس میں خونِ جگر نہ ہو شامل
وہ بھی حماد شاعری کیا ہے
جو حقائق پیاس کرے حماد
ہے وہ دراصل ترجمانِ حیات
جناب حماد کی شاعری حق، عدل، انصاف اور خالق مطلق
کی رحمت ارزانیوں کے تذکروں سے لبریز ہے:
ہمان لی جاتی ہے، منوائی نہیں جاتی وہ
بات جو عدل کی چھلنی میں چھنی ہوتی ہے
رحمتِ حق جو کبھی ہوتی ہے سایہ افگلن
سر پر ایک نور کی چادر سی تنی ہوتی ہے

نقاش میں نقش نقاش نقشوں

مُشْكِنُ الْحَقِّ عَطَانِي
چاندنی چوک، دہلی

”اتفاق اور حسن اتفاق ہے کہ میں جناب قمر سنبھلی سے واقف
اور ان کی شاعرانہ صلاحیت کا معرفت ہوں لیکن اگر میں ان کو
نہ جانتا اور ان کے خاندانی پس منظر کا مجھے علم نہ ہوتا اور انہیں جو علیٰ و
دینی قدریں وراثت میں ملی ہیں، ان سے آگاہ نہ ہوتا... اور صرف یہی
چند غزلیں... اور متفرق اشعار (جو اس وقت سامنے ہیں) نظر سے
گزرتے جب بھی ان اشعار میں ان کی سیرت کو جملکتے اور ان کی دل
اویز شخصیت کو جھانکتے ہوئے دیکھ لیتا۔“ (ص: ۷)

یعنی قمر سنبھلی کی شاعری ہو یا ”میری نظر میں“ شامل
مضامین، دونوں کی کیفیت یہ ہے کہ نقش میں نقش، نقش نقاش
..... ”آواز کالس“ میں مطبوعہ ایک مطلع، ایک شعر اور ”میری نظر
میں“ سے ایک قتباس ملاحظہ ہو: مطلع ہے:

سرخ رو مجھ کو سدا میرے خدا نے رکھا
ہر قدم سایہ بزرگوں کی دعا نے رکھا
کسی قطار میں رکھنا نہ خوبیاں اپنی
قر شمار بزرگوں کی بھول مت کرنا

اقتباس یہ ہے:

”دش سلیم چشتی کے خانوادے سے تعلق رکھنے والے ایک
علمی گرانے میں، ۱۹۲۶ء کی کسی مبارک ساعت میں پیدا ہونے
والے مغیث الدین فریدی، اپنے اسلاف اور جد اعلیٰ کی نسبت

ادب کی ہر صنف، آدمی کو آدمی کا پیدا دیتی ہے: اپنی اساسی خبر
کے ذریعے، اپنے میں سماںی نظر کے توسط سے، یا اپنی کوکھ میں کروٹیں
لیتی بصیرت کے فیضان سے... لیکن، یہ خبر، یہ نظر، یہ بصیرت (علم)
آب و گل کی ہرشے اور فعل کے مانند) دوسرے وجود کی آرزو و مدد
رہتی ہے کیونکہ دو جے ہنا: اس کی بقانیں، اس کا ارتقائیں نہیں اور اس
کا انکشاف بھی نہیں... دو جے ہنا تو بس وہ ایک ہی قائم و دائم ہے۔

قمر سنبھلی نے ”میری نظر میں“ کے صفات پر ”اپنی بات
کے زیر عنوان بتایا ہے کہ“.... یہ مضامین بالعموم تاثراتی، تعارفی
اور بعض مرحومین کو بطور خراج عقیدت احاطہ تحریر میں آئے
ہیں، کہیں کہیں ان میں کچھ ”نقد و تبصرہ“ کے پہلو بھی آگئے ہیں...“
کہہ سکتے ہیں کہ مضامین کے محوری افراد کے لیے، قمر سنبھلی

وہ دوسرا وجود ہے جس نے ان کی خبر، نظر اور بصیرت کا اتنا پتا دیا
ہے۔ سرسرا گر کتاب سے گزریں تو یہ قمر کی نظر میں سماںی ادبی
شخصیات کے ظاہری و باطنی تارو پوشنشاں زد کرتی ہے، مگر اک ذرا
تجھے سے، دو تین بار، پڑھیں تو کھلتا ہے کہ تقریباً ہر شخصیت سے
متعلق نوشتہ، صاحب کتاب کے طرزِ فکر و نظر کا بھی خبرنامہ ہے۔

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی، پروفیسر ام القری یونیورسٹی کے
مکرمہ، نے تقریباً بارہ سال پہلے، قمر سنبھلی کے شعری مجموعے
”آواز کالس“ پر اپنے تاثرات کا آغاز ان لفظوں میں کیا تھا:

خاص کے سب، ان خصوصیات و اوصاف سے پوری طرح
طرف رہنمائی کرنے کے لیے کافی ہے:
سب کچھ ہے بھی یا رب، سرمایہ ایماں دے
مجھے سر و سامان کو فکر سر و سامان دے
ظلمت کدہ دل میں ایک آگی لگ جائے
داغوں کی سیاہی کو اب نور چراغاں دے
”علامہ ناظری کی مومنانہ فراست، نسبتوں کا
فین، قلندرانہ شان اور ساتھ ہی روز غزل سے مکمل آشنائی،
غزل کوئی رفتون تک لے جاتی ہے۔“ (ص: ۲۸)

انی اس رائے کی دلیل میں قمرنے شاکر ناظری کے دو شعر
درج کیے ہیں، ان میں ایک یہ ہے:

قلندرانہ روشن ہے مری طبیعت کی
مجھے تو کہنے میں حق کے کبھی نہ باک ہوا
”آواز کالمس“ میں قرنسنجھی کا کہنا ہے:
تحریر ہیں فضا پر لہو کی عبارتیں
شعطِ اُگل رہی ہے زمین چمن تمام
شیمِ عثمانی کو خراج عقیدت پر منی مضمون میں قمرنے لکھا ہے:
”...مرحوم جہاں ایک سچے اور راخ العقیدہ مسلمان تھے، وہیں
ایک محبتِ طن ہندوستانی کی حیثیت سے بھی ممتاز تھے۔ وہ جذبہِ حب
الوطنی سے سرشار تھے اور حبِ طن کو جزوِ ایمان سمجھتے تھے...“
اور مثلاً شیمِ عثمانی کے دو قطعے درج کیے ہیں، ان میں سے
ایک یہ ہے:

ہم امن کے داعی ہیں، مساوات کے پیکر
انسان سے محبت تو ہے ایمان ہمارا
اللہ کے کنبے کے ہیں افراد، سب انسان
یہ درس ہمیں دیتا ہے قرآن ہمارا

تصف تھے جسے حضرت سلیم چشتی کے روحانی فین سے ہی تعبیر کیا
جا سکتا ہے...“ (ص: ۵۲)

مذکورہ بالاشعری مجموعے کے صفحہ ۳۴ پر قرنسنجھی کا شعر ہے:
تیروں کا رخ ہے اڑتے پرندوں کی سمت پھر
پھر وقت ہے، بلند میں دستِ دعا کروں
آں جہانی گوہ مراد آبادی کی شاعری پر مضمون میں، قمرنے لکھا ہے:
”... موجودہ دور میں ملت جن مشکلات سے دوچار ہے اور
اسے جن حالات کا سامنا ہے، جتاب گوہرا سے خود ہماری انی کوتا ہیوں
اور بد اعمالیوں کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ ہمارے کردار کو دیکھ کر
اغیار ہم سے قریب ہوتے تھے اور متاثر ہو کر ہماری صفوں میں شامل
ہوتے تھے مگراب !!! ایک زمانہ تھا، دنیا ہمارے اشاروں پر ناچلتی تھی،
لیکن اب وہ کیفیت باقی نہیں رہی۔ آخر کیوں؟ شاعر کے نزدیک اس کی
کیا وجہ ہے؟ اُس کے اشعار سے صاف حلکتی ہے:

جب جعلی مرے خالق کی مری ذات میں تھی
گردش وقت کی رفتار مرے ہاتھ میں تھی
کتنے سر جھکتے تھے تقیید میں میری ہر گام
اک چک جب مرے سجدوں کے نشانات میں تھی
شمیل ہند کے ” قادر الکلام“ شاعر ”حضرت علامہ ابو صالح
محمد غفرن حسین المعروف شاکر ناظری“ (ص: ۲۳) کے دیوان پر
تبھرے میں قرنسنجھی نے بتایا ہے:

”... دیوان شاکر کا آغاز ایک دعا یہ نظم سے ہوتا ہے، اُس
نظم کا مطلع اور ایک شعر یہاں حاضر ہے۔ اسی سے مولانا کی
شعری صلاحیت کے ساتھ ان کی طلب کا رخ کس طرف تھا، اُس
سے کیا ثابت اشارے، ہم تک پہنچ رہے ہیں، ہمیں ایک صحیح فکر کی

کے یہاں بھی ہے مگر اس میں بھوٹاں پن نہیں، بلکہ ایک علی وقار پایا جاتا ہے۔ وہ ایک دینی اور علمی خانوادے کے چشم و چاغ تھے۔ ان کے والد مولانا حامد حسین، ایک صاحب علم شخصیت تھے۔ ان کی تربیت اسی باحول میں ہوئی۔ خود مصور صاحب حافظ قرآن تھے۔ ان سب باتوں نے مل کر انہیں بے راہ روی سے محفوظ رکھا اور درمیان اپنے شاگرد شاعروں کے طرح محض فیش زدگی کا قتیل ہونے سے بچالیا۔۔۔ (ص: ۶۷)

قرن بھلی، بر صغیر کے ان مددوںے چند شاعروں میں سے ہیں جو تاریخ گوئی کے جو کھم بھرے فن کے شناور شمار کیے جاتے ہیں۔ تاریخ گوئی کے آداب کی رو سے، وہی ماڈہ تاریخ برجمل اور معنی خیز ہوتا ہے جو مدوح کی نمایاں ترین صفت یا واقعے کے نمایاں ترین پہلو پر تی ہو۔ اس فن سے قرآن کا ماہر ان شفاف، ”میری نظر میں“ شامل ۷۳ شاعروں اور ادیبوں کے رشادات قلم کا تعارف اور شخصی تاثرات رقم کرتے ہوئے بھی بروئے کار آیا ہے۔۔۔ نتیجہ یہ کہ اس ایک کتاب میں لاتعداد کتابوں کے مشمولات کی نوعیت اور ان کے سالہائے اشاعت درج ہیں۔ مزید برآں، پیش نظر شخصیت کا زمانہ و جائے پیدائش، رہنیہ، تمنہ اور رفت شدگاں کا زمانہ و جائے وفات: کتاب کے وہ مندرجات ہیں جو عین ممکن ہے کہ موٹی نظر والوں کو بے مایہ کنکر پھر دکھائی دیں لیکن بھی وہ خزف ریزے ہیں جن سے تاریخ ادب کی عمارت استوار ہوتی ہے۔

قرن بھلی نے کئی شاعروں، ادیبوں کے اطوار و مزاج اور معاشرتی زندگی کے رنگ ڈھنگ بھی ملفوظ کیے ہیں جو ان سے قر کے شخصی ربط و ضبط کا حاصل ہیں، لہذا یہ کوائف، متعلقہ افراد کی شخصیت پر آئندہ قلم اٹھانے والوں کے لیے، قابل اعتبار ذریعے اور حوالے ثابت ہوں گے۔۔۔ جس میں یہ سب کچھ پایا جائے،

حفظ میرٹھی پر مضمون میں قمر بھلی نے لکھا ہے:

”... ان کے کلام میں انسانی درمندی بڑی نمایاں ہے اور یہاں کے اسلامی شاعر ہونے کی کھلی دلیل ہے۔۔۔“

اور مثال میں دو شعر پیش کیے ہیں، ایک شعر یہ ہے:

آنکھوں کی قسم ہم سے تو دیکھنے نہیں جاتے

نادر کے آنسو ہوں کہ زردار کے آنسو

”آواز کالمس“، (لکیپ ۲) پر اپنی رائے میں عرضت کرت

پوری نے لکھا تھا:

”... قمر بھلی کی شاعری کی جس خصوصیت نے مجھے متاثر

کیا، یہ ہے کہ ان کے یہاں ابہام و پیچیدگی نہیں ہے۔۔۔ بعض لوگ روایت سے اخراج کو جدیدیت کہتے ہیں۔ حالانکہ روایت سے یکسر اخراج نہ تو ممکن ہے، نہ مناسب...“

حذیف ترین کے کلام میں روایت اور اس کی پاسداری سے بحث کرتے ہوئے قمر بھلی نے لکھا ہے:

”روایت سے بغاوت ایک نہرہ ضرور ہے مگر اس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ جو لوگ خود کو روایت شکن کہتے ہیں، اور

بظاہر شعوری طور پر اس کو رد کرنے کی اور اس سے اخراج کی کوشش کرتے ہیں، وہ غیر شعوری طور پر کہیں نہ کہیں روایت سے استفادہ کرتے نظر آتے ہیں۔ اس لیے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی قلم کار اپنی روایت سے غیر متعلق ہو سکے...“ (ص: ۱۱۶)

روایت کی فیشنی تردید ہو یا زبان سے کھلواڑ، قمر کے نزدیک ان سے تحفظ کا ذریعہ بھی وہی ہے جس کی جانب کئی اقتباس اشارے کر چکے ہیں۔ اس ضمن میں آخری پارا، مصور سبزداری پر نوشتے سے:

”... زبان کی نگست و ریخت دوسرے جدید شعراء کی طرح ان وہ کتاب میری نظر میں قابل قدر ہے۔☆☆☆

بھٹکل سیمینار کے عربی مراضی میں

(بحث باللغة العربية قدمت في ندوة بهاتکل)

كلمة دحالي الدكتور عبد الجمیع عبد الباری

وزیر الشؤون الإسلامية في جمهورية المالديف

في الندوة العلمية السنوية (الناسعة والعشرين) والتي نظمتها رابطة الأدب الإسلامي العالمية الرئيسية لشبه القارة الهندية والبلدان الشرقية حول موضوع "الإعلام بالمنظور الإسلامي" ، وذلك في مدينة بهاتكل بجنوبي الهند في الفترة ٣ - ٤ يونيو ٢٠١١ ، وذلك بالتعاون مع أكاديمية الشيخ أبي الحسن علي التدوين الإسلامية .

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله حمدًا كثيرًا طيباً و مباركاً فيه، و الصلاة و السلام على المبعوث رحمة للعالمين سيدنا و حبيبنا و قدوتنا محمد بن عبد الله الأمين، عليه أفضل الصلاة و أزكي التسليم، أما بعد: إن موضوع الإعلام و دوره حديث ذو شجون، يشغل بال كل منا كل يوم، ولست بخبير بالإعلام إلا أنني سوف أحاول أن أعبر عما يخطر في بالي حول هذا الموضوع . و قبل أن أتحدث إلى مسامعكم عن هذا الموضوع اسمحوا لي أيها السادة الحضور أن أذكر نبذة تعريفية عن جزر المالديف التي أتيت منها، و يجعلها الكثير منا .

فأقول: إن المالديف جمهورية إسلامية، سكانها كلهم مسلمون ١٠٠ في المائة، منذ أن اعتنق الإسلام سنة ٥٤٨ هـ الموافق ١١٥٣ م، وتقع المالديف على بعد ٦٧٠ كيلومتر من الشاطئ الغربي لجمهورية سريلانكا و ٦٠٠ كيلومتر من الشاطئ الجنوبي للهند، وتكون من مجموعات من الجزر المرجانية، و تتألف من ١٢٠٠ جزيرة، منها ٢٠٠ جزيرة آهلة بالسكان، و باقي الجزر لا يسكن فيها أحد، وقد هيئت حوالي مائة جزيرة كمنتجعات سياحية .

و عدد سكان المالديف لا يتجاوز نصف مليون، إذ يبلغ عددهم حسب إحصائية ٢٠٠٧ م ٣٣٠ ألف نسمة، و هم جميعاً مسلمون من أهل السنة .

الاقتصاد المالديفي

إن الاقتصاد المالديفي يعتمد على مصدرين رئيسيين، هما الثروة السمكية والسياحية، و لا يوجد فيها نفط ولا غاز ولا معادن، و تستورد المالديف معظم احتياجاتها من الخارج من مواد غذائية و مواد البناء و المكائن و السيارات وغيرها .

المالديف جمهورية إسلامية مستقلة ذات سيادة، وقد حصلت على استقلالها السياسي في ١٢٦

يوليو ١٩٦٥م، وأصبحت ذات نظام جمهوري منذ ١٩٦٨م، وكانت من قبل تحت الحماية البريطانية، وقد أقرت المالديف أول دستور مكتوب للبلاد عام ١٩٣٢م، وقد عدل الدستور في فترات عبر ثمانية عقود من الزمن كان آخرها في سنة ٢٠٠٧م، وقد انتخب السيد محمد نشيد رئيساً للجمهورية حسب هذا الدستور في ١١ نوفمبر ٢٠٠٨م خلفاً للأستاذ مأمون عبد القيوم الذي حكم البلاد ثلاثة عقود من الزمن منذ ١١ نوفمبر ١٩٧٨م، وحسب الدستور الجديد لا يحق لأحد أن يحكم أكثر من فترتين رئاسيتين كل فترة مدتها خمس سنوات.

دخول الإسلام في المالديف

كان دخول الإسلام في المالديف على يد داعية من المغرب العربي يدعى الشيخ الحافظ أبو البركات يوسف البربرى، وكان ذلك في اليوم الثاني من ربيع الآخر عام ٥٤٨هـ / ١٥٣١م، ومنذ ذلك الوقت إلى يومنا هذا، أهل المالديف يدينون بالديانة الإسلامية.

وزارة الشؤون الإسلامية في المالديف

إن وزارة الشؤون الإسلامية في المالديف حداثة النشأة جداً، إذ أنها أنشئت في ١١ نوفمبر ٢٠٠٨م، وكانت قبل ذلك تسمى المجلس الأعلى للشؤون الإسلامية الذي يتبع رئاسة الجمهورية مباشرة، وتقوم وزارة الشؤون الإسلامية بأعمال كثيرة لإصلاح المجتمع المالديفي المسلم، الذي ضل بعيداً عن التعاليم الإسلامية منذ حوالي نصف قرن من الزمن، حيث عدلت مناهج التعليم إلى مناهج غربية منذ أن حصلت البلاد على استقلالها، فالاستعمارات وإن خرجت من بلاد المسلمين إلا أنها تسعى جاهدة ترك بصماتها في تلك البلدان التي استعمرتها، فتظل تلك الدول مستعبدة فكريًا وإن كانت حصلت على استقلالها ظاهراً.

فمنذ أول يوم، أدركتنا أهمية تربية الناشئة تربية إسلامية صحيحة، بعيدة عن الشوائب التي علقت بأذهان الناس، فنسعى جاهداً تعديل المناهج التعليمية، وربط العقيدة الإسلامية السمحنة بجميع المواد الدراسية، كما طالبنا إضافة مادة الثقافة الإسلامية في جميع أقسام الكليات.

نقوم بوضع برنامج خاص لوعية الشباب والمدرسين والمتخرجين من الثانوية وطلاب الكليات وأساتذة وطلاب كلية المعلمين توعية إسلامية صحيحة وفق جدول معين، وهذه الدورات تعقد في عطلة الأسبوع.

ومما قامت و تقوم بها الوزارة منذ إنشائها تعديل خطبة الجمعة إلى خطب حية تعالج القضايا المعاصرة والمشاكل الموجودة في المجتمع، وقد كانت خطب الجمعة فيما مضى مكتوبة تقرأ من ذكرى أربعة عقود من الزمن، و الوزارة منذ إنشائها أدركت ضرورة الاهتمام بخطبة الجمعة فبدأت تُعدُّ

خطبة جديدة لكل جمعة، علاوة على ذلك فإنها سمحت للخطباء القادرين على إلقاء خطب ارتحالية، وبهذا بُرِزَ عدّة خطباء في المالديف في مدة قياسية. هذا وقد قبّلت خطبة المركز الإسلامي التي تبث حياة في كل أسبوع عبر التلفزيون والإذاعة بالقبول الشديد من قبل الشعب حيث يختار لها من العلماء البارزين القادرين على إلقاء الخطب الارتحالية و لهم شعبية في المجتمع.

و تسعى وزارة الشؤون الإسلامية جاهدة إلى إنشاء قناة إسلامية خاصة بالوزارة. كما أنها سعت و شجعت على إنشاء بنك إسلامي في المالديف، فكانت النتيجة أن فتح أول بنك إسلامي في المالديف في مطلع هذه السنة. و كذا تقوم الوزارة بتعريف الناس بالتكافل الإسلامي و الصكوك و التأمين الإسلامي. هذا و قد استدعاها بهذا الخصوص علماء و مفكرين من خارج البلاد لتوعية الناس. و كذلك تسعى وزارة الشؤون الإسلامية لمكافحة التطرف الديني الذي بُذرَت بذرتها في المالديف منذ حوالي بضع عشرة سنة، فحن نسعي لتوعية الشباب توعية إسلامية، و كذلك إيضاح الناس المنهج الإسلامي الصحيح و وسطية هذا الدين، و ذلك عبر وسائل الإعلام المختلفة، إذ أن للوزارة وقتاً مخصصاً من تلفزيون المالديف والإذاعة المالديفية بمعدل ساعتين من كل أسبوع. و كذلك تصدر الوزارة صحيفة أسبوعية لتوعية الناس، و توزع مجاناً بعد صلاة الجمعة في المساجد.

كما تقوم الوزارة بجمع الزكوات و توزيعها للمستحقين، هذا و قد تجاوزت نسبة من دفع الزكاة عام الماضي 80% عن العام الذي قبله.

وتقوم وزارة الشؤون الإسلامية بالعناية بالمساجد تشبيلاً و صيانة و تعين الأئمة و الخطباء، و كذا إنشاء مساجد جديدة، و توجد في المركز الإسلامي مكتبة إسلامية و أخرى في مركز القرآن الكريم تشرف عليها الوزارة. و مركز القرآن الكريم هذا يتبع وزارة الشؤون الإسلامية و تقوم بتحفيظ القرآن الكريم و منح الشهادات لهم، و كذا إعداد مدرسي مادة القرآن الكريم، و إقامة دورات لإعداد الأئمة و ذلك بالتعاون مع الوزارة. و يعطي المركز مكافأة شهرية لكل من أكمل حفظ القرآن الكريم ٢٠٠٠ روبيه مالديفية التي تعادل ١٣٠ دولاراً أمريكياً، و ذلك تشجيعاً لحفظ كتاب الله عز و جل.

و برنامج إحياء ليالي وأيام رمضان و إلقاء الدروس و الوعاظ و الإرشاد في المساجد و في قاعة المحاضرات بالمركز الإسلامي من نشاطات الوزارة خلال رمضان المبارك، هذا و يقوم المشايخ و العلماء بإلقاء المحاضرات فيها.

إرسال طلبة إلى الخارج لإكمال دورات في إعداد الأئمة و الخطباء و القراء، و قد أرسل عام الماضي إلى ماليزيا ٥ طالباً.

استقدام حفاظ القرآن الكريم من الخارج لأداء صلاة التراويح، وقد استقدم خمساً وعشرين

حافظاً في رمضان الماضي من الهند.

وبعد هذا العرض الموجز عن جزر المالديف والدور الذي تقوم به وزارة الشؤون الإسلامية في مجال التوعية الدينية أتوجه إلى موضوعنا، ألا و هو ”الإعلام بالمنظور الإسلامي“، فأقول وبالله التوفيق: يعتبر الإعلام بوسائله المختلفة المسموعة والمقرئه والمرئية من أهم الوسائل الحديثة في مخاطبة المجتمعات الإنسانية. لذا يعتبر الإعلام في الإسلام ركيزة أساسية من ركائز الدعوة الإسلامية، انطلاقاً مما ورد في كتاب الله عز وجل الذي يؤكد على فريضة الدعوة، و الالتزام بالأمر بالمعروف و النهي عن المنكر، و البلاغ و التواصي بالحق و التواصي بالصبر.

قال الله تعالى : ﴿وَادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحَكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ، وَجَادَهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ، إِنَّ رَبِّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ، وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمَهْتَدِينَ﴾

(النحل: ١٢٥)

وقال سبحانه : ﴿وَمِنْ أَحْسَنِ قَوْلًا مَنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ (فصلت: ٣٣)

وقال جل شأنه : ﴿وَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُنْكَرِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُفْلِحِينَ﴾ (آل عمران: ٤)

وقال تعالى : ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أَخْرَجْتَ لِلنَّاسِ تَأْمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَتَؤْمِنُونَ بِاللَّهِ، وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابَ لَكَانُ خَيْرًا لَهُمْ، مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ (آل عمران: ١١٠)

وقال تعالى : ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلَّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ، وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ، وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ، إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾ (المائدة: ٦٧)

ونبه إلى أهمية التواصي فيما بيننا بالحق و الصبر على ذلك، فقال:
﴿وَالْعَصْرُ، إِنَّ الْإِنْسَانَ لِفِي خَسْرٍ، إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ، وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبَرِ﴾ (العصر: ٣-١)

ونظراً لأن وسائل الإعلام هي أقوى قنوات الاتصال تأثيراً، وأوسعها انتشاراً، فإن هذه الوسائل تحمل مسؤولية مضاعفة، تمثل في تقديم النصح للحاكم و المحكوم، و إتاحة الفرصة للجميع لاستخدام حقهم المشروع في التعبير و التحرير.

الإعلام في المنظور الإسلامي يستهدف - أولاً و قبل كل شيء - بناء الإنسان، لأن الإنسان

هو الهدف والغاية التي يتمحور حولها هذا الخلق، لعبادة الله على هذا الكوكب، قال تعالى:

(٥٦) ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَ﴾ (الذاريات: ٥٦)

إذا كان الأمر كذلك فإن الكثيرين في العالم قد أدركوا أهمية وسائل الإعلام في التأثير الحضاري، فاتجهوا إلى استثمارها وتوظيفها لخدمة أغراضهم، ومن ذلك على سبيل المثال قيام المليونير اليهودي (روبرت مردوخ) ببناء إمبراطورية إعلامية ضخمة تشمل نصف سكان الكورة الأرضية . وقد وقع مردوخ صفقة بقيمة (٣٥٠) مليون جنيه إسترليني مع أحد رجال الأعمال لشراء شركة لشبكات الأقمار الصناعية في آسيا، لتهضئ هذه الشركة بتشغيل نظام ستار التلفزيوني عبر الأقمار الصناعية، الذي يعد مجاله الأوسع في العالم، حيث يصل إلى (٣٨) بلداً آسيوياً، تتمتد من الخليج إلى إندونيسيا .

ذكرت هذا المثال لبيان أن أعداء الإسلام قد وظفوا قدراتهم وإمكاناتهم لنشر أباطيلهم و لتحقيق أغراضهم الدينية والدنيوية .

فأين نحن من هذا، إن الإعلام في الدول الإسلامية ما زال عالة على وكالات الأنباء الأجنبية . صحيح أنه سعى بعض المصلحين والمحسنين إلى إيجاد بديل، ولكنه لا يساوي شيئاً بسبب هيمنة الإعلام الغربي . فلا يمكن تحرير الإعلام في دولنا من السيطرة الأجنبية حتى يتم تحرير بلداننا عسكرياً واقتصادياً وثقافياً، فالاستعمار وإن خرج من بلادنا إلا أنه متواجد بيننا في وجداناً وفي نفوسنا . لهذا أرى أنه من الضروري تكثيف الجهود لمواجهة تلك التيارات التي تهدف للإسلام والسلام في العالم . كما أن حرية وسائل الإعلام مكفولة، انطلاقاً من كفالة حرية التفكير والتعبير وحرية الرأي التي أكدتها الشريعة الإسلامية للإنسان، شريطة عدم المساس بالثوابت وأركان الإسلام الرئيسية التي يجب التسليم بما جاءت به من معطيات .

هذا وأنوه بالدور البناء الذي يقوم به قناة "Peace TV" إلا أن الإعلام الغربي بسبب هيمنته وسيطرته على الأخبار العالمية مما يجعل معظم شعوب العالم يعتمدون على تلك القنوات في الاستشارة والترفيه والاستعلام، مما يجعلنا أن نفكر في ضرورة إيجاد بديل لتلك المصادر الأجنبية .

هذا لدى المسلمين القدرة والكفاءة والأموال، ولكن ينقصنا الهمة العالية والنية الصادقة وتكافف الجهد .

هذا وأشكركم على حسن استماعكم وأعتذر إلى الإخوة الحضور أني قد أطلت عليكم . بارك الله فيكم وسدّد خطاكـم . و السلام عليكم ورحمة الله وبركاته .

دور الصحفة في تطوير مصطلح

”الأدب الإسلامي“

(نظراً إلى مجلة أدب الأسلامى)

الدكتور محمد طارق الأيوبي الندوى
مدير مجلة ”نداء اعتقد الاردية الشهرية“

إن الإسلام هو دين كامل يتناول جميع نواحي الحياة ويسد الحاجات كلها، هو دين فريد في إنسانيته وآفاقيته وعالميته، فيه قوانين المعاشرة والاجتماع والثقافة والعدالة والسلوك ، وهو يعلم الأقدار الإنسانية والخلقية ، وخير مثال لشموليته جميع نواحي الحياة حتى أنه يعلم السلوك بالدواب . فكل من له شعور تاريخي وإدراك سليم يعرف أن الإنسان كيف كان في القرن السادس المسيحي وكيف كانت الأقدار الخلقية والإنسانية والاجتماعية، فهو يعيش في الجاهلية تماماً، حتى إذا جاء الإسلام غير محري الحياة، وأقام الأقدار الإنسانية ومنح النماذج والمثل العليا في جميع نواحيها وأعلن (إن الدين عند الله الإسلام ومن يتبع غير الإسلام ديناً فلن يقبل منه) (١) ثم أعلن حين رأى أن الرسول قد أدى امانته وبلغ رسالته فأعلن على لسانه في حجة الوداع، ”اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام ديناً“ (٢)

فقد نرى في هذه الآية الكريمة إعلان اتمام النعمة وأكمالها، فكيف يمكن أن الإسلام لا يعني بالأدب ويعرض عنه، مع أنه ملتزم بالحياة ، وهذه حقيقة مسلمة أن الإسلام هو دين الفطرة فكيف هو ينفصل عن الأدب مع أنه ملتزم بالحياة: نعم: ولكنه غير أيضاً مجرى الأدب إلى الرشد والهدایة والمنفعة بالإضافة إلى امتاع الذوق الأدبي الإنساني فهو دين ورسالة وحضارة وثقافة وهو تاريخ وفلسفة فيه كل شيء ما يحتاج إليه الإنسان ويعالج كل قضية من قضايا الحياة، فالفكرة الإسلامية ظهرت في الأدب منذ ظهر الإسلام إلا أنها دخلت في أدبنا الحديث كمدرسة أدبية ، أما ”الإسلامية“ فمعنى بها الوجهة الدينية، ومعنى الإسلامية في الأدب أنها تهدف إلى أسلمة الأنشطة الأدبية للإنسان المسلم ، فهو يتکئ أولاً على تراثه ومادته ودينه وعقيدته ثم يمتد إلى سائر ميادين الحياة ويأخذ كل ما ينفع أينما يجد ، لأن ”كلمة الحكمة ضالة المؤمن حيث ما وجد لها فهو أحق بها“ (٣)

هذا أمر مفهوم أن المسلم اذا أتى بشيء مضاد للإسلام وعقيدته في حياته الاجتماعية أو الثقافية أو العلمية أو الحضارية، صرخ عليه المجتمع الإسلامي كله، ولكن اذا كان اديب من الأدباء يعرض أي شئ من الابداعات متصادم بالعقيدة الإسلامية، فلا يتعجب عليه احد ويقول أنه ”ادب“ بل يقول البعض أن الأدب هو منفصل من الدين، مع أن الاسلامية توصل صلة الأدب بالعقيدة والدين، وهى تهدف الى عرض الأدب الصالح الموافق بالعقيدة الإسلامية وخطتها فى الحياة تهدف الى الخير.

كنا نعرف معرفة تامة أن للمسلم أن يكون مسلما من حيث فكرته وحضارته وثقافته وذهنه واعماله، والأدب هو الذى يشقف الإنسان ويعلمه الأقدار ويدخل الأفكار فى الأذهان، والأدب ان لم ندمجه بالاسلام فيكون معارض للدين والعقيدة ومفسدا للخلق والمجتمع وهداما للأقدار الإنسانية كلها كما نرى بأن الإشتراكين يريدون غلبة الاشتراكية وكانوا يستخدمون الأدب كوسيلة واسلحة فالادب الاشتراكي والمسيحي يفسد الأفكار الصالحة، والاسلامية هي التى تريد أن تقدّم البشرية من الفساد والضلاله كما يلقى الضوء الأديب الإسلامي حيث هو يقول : ”فالادب أوسع من أن يحيط به مذهب محدود من أن نحصره في قيود من القواعد المحلية أو الطائرة، والإسلام دين شامل لا يعرف حدود الزمان والمكان وان تلائم معها وتمشى مع منطقهما المنظور المتتجدد الأشكال، الثابت الجوهر وتبعاً لذلك تكون الاسلامية من الوجهة الأدبية والفنية أرحب من المذاهب وأسمى من القيود وأول مظاهر الاسلامية هي أن الحقيقة عند المسلم هي وحدة لها ثلاثة مظاهر : الحق والخير والجمال، فكل ما لدينا من حركة فكرية يجب أن يقود الى الحق، وكل ما بين أيدينا من عملية سلوك يجب أن يكون هدفها وغايتها الخير كما أن كل ما يوجه أبصارنا واحساساتنا وعواطفنا يجب أن يتوجه الى جميل۔(٤)“ واذا كان هناك شيئاً يظهر شرافيلاً لنا أن نقلعه أو نقوص بنائه بل ان علينا أن نصلحه، ونخرجه من الظروف التي صيرته شراً، ولذا فالشر عندنا لا يدفع بالشر بل انما بالخير قال تعالى ” ولا تستوى الحسنة والسيئة ، ادفع بالتي هي أحسن ، فإذا الذي بينك وبينه عداوة كأنه ولـى حميـم۔“ (٥)

فالاسلام هو دين الفطرة والمجتمع يحمل على قوانين الملائمة بالفردية والاجتماعية والفطرة وينظر الى الحياة نظرة متفائلة وبناءة،

و اذا كان الاسلام دينا شاملـا فهو يعني الـادب ايضا لأن الـادب هو ضـرورة الحياة، ولكن مع

ذلك نرى ان الأدب الإسلامي يوجد في كل عصر ونماذجه توجد في كتب الا ان المصطلح هو جديد مع دلالته المعنوية الحديثة ، وعندما نتحدث عن المصطلح ”الأدب الإسلامي“ فيجدد بنا أن نعلم أولاً أن المصطلح قديم أم جديد ، فهناك رأى يعتقد أن المصطلح قديم العهد، كما يرى البعض أن نطلق المصطلح على الأدب الذي صدر في عصر النبوة والخلفاء حتى أطلقه البعض على العصر العباسي ، فيقول الأمراني ”عندما نعود إلى أقدم ما ألف في النقد العربي ، فتحول الشعراء للأصمعى وطبقات فحول الشعراء لإبن سلام الجمحي ، نجد دوران المصطلح ”الأدب الإسلامي“ أو ما اتصل به كالشعراء المسلمينالشعر الإسلامي والشاعر الإسلامي ... مما يدل على قدم المصطلح - (٦) ولا شك أن هذا الرأى غير مقبول عند النقاد والأدباء المسلمين ، لأن تلك العصور التي ليست الحاجة فيها ماسة للدعوة إلى مثل هذا المصطلح ، فالمسلم ما زال يعيش في تلك العصور في ظلال الحياة الإسلامية سياسياً واجتماعياً وفكرياً ، فقد غاب عن ذهن صاحب الرؤى والنظريات أن استخدام أولئك القدماء كالأصمعى والجمحى لعبارات الشعراء المسلمين والشاعر الإسلامي ، إنما هو استخدام على فترة وليس على فكرة ... ولا يدل على نظرية في الأدب الإسلامي “(٧) فالمعنى ليس بقديم بل هو حديث العهد ، كما اعترفه عضو ”الرابطة“ نفسه ”لا شك أن مصطلح ”الأدب الإسلامي“ حديث العهد، لم يستعمل إلا منذ سنوات قليلة فقط.... فمصطلح ”الأدب الإسلامي“ من حيث أنه مصطلح لغوى حديث الولادة حقاً، ولا عهد للترااث الأدبي والنقدى به، إذ لا نجد أحداً من نقادنا القدماء أو أدباءنا استعمله أو أشار إليه وإن إشارة عابرة، ولكن الحق الذى لا مرية فيه كذلك أن دلالة المصطلح المعنوية ليست حديثة ولا مبتدعة بل هي قديمة بعيدة العهد، عرفت منذ جاء الإسلام ، ولعبت الكلمة دورها في كلمته مع الباطل-“ (٨)

فقد استخدم هذا المصطلح مع دلالته المعنوية الحديثة أولاً في الخمسينيات من القرن مع الخلافية الخاصة والإحتياج الشديد الذي حدث الغيارى من المسلمين أن يمثلوا الإسلام في الأدب، فقد بدأت دخول الإسلامية في الأدب وبدأت تأخذ مدرسة ومذهبها أدبياً خاصاً ”ولعل الواقع لأحوال هذه الفترة_أعني الخمسينيات _بحواليها السياسية والإجتماعية يجد أنها مضطربة في تاريخ الأمة الإسلامية والعربية في العصر الحديث ، فترة شهدت تحولات سياسية وإجتماعية وثقافية كذلك ، فقد تراجعت قوى العالم الإسلامي بعد الحرب العالمية الثانية حيث هزيمة العرب في فلسطين وما تركت من آثار في البنى الإجتماعية والثقافية توصف بالتبعية إما للعالم الغربي (الرأسمالي) أو للمعسكر

الشرقي (الاشتراكى)، وعندما نظر المثقفون العرب والمسلمون إلى واقعهم شعروا بالغيرة على تراث الأمة وأحسوا بخطورة التحولات فقرروا إشاعة البذائع التي تحفظ للأمة تاريخها وكيانها في شتى المجالات، ومن بينها المجال الأدبي، لذا حاول (الندوى وقطب) الدعوة إلى تأسيس رابطة "الأدب الإسلامي" أو إشاعة مصطلح "الأدب الإسلامي" (٩).

وبعد أن عرفنا أن هذا المصطلح جزوره عميقه قديمة ولكنه عم وشاع مع دلالته المعنوية الحديثة في عصرنا الحديث فكيف؟ و من الذي أدى دوراً مهما في تطويره و تعميمه؟ فنبادر بالإجابة أن الصحافة هي التي لعبت دوراً مهما في تعميم هذا المصطلح و توضيح مفهومه بين الأوساط العلمية و تعزيزه و تركيزه فنرى أن الصحوة الإسلامية بدأت في سائر العالم في حين غلت الإشتراكية والشيوعية على الإنسانية كلها، (١٠) فجاء زعيم الإصلاح السيد جمال الدين الأفغاني إلى مصر سنة ١٨٧١، (١١) و دعا الملة الإسلامية إلى التقدم والإصلاح، فهو وتلميذه الشيخ المفتى محمد عبد العظيم المسلمين وهزا المصريين هزا عنيقاً عن طريق المجلة "العروة الوثقى" ثم تلاهما عدد من المصلحين الكبار حتى دخلت الصحوة الإسلامية في القرن العشرين، وهذا القرن مليء بالحضارات المختلفة والتحديات الكثيرة والأخطار المتعددة بسبب الإستعمار والتمزق والتخلف و بسبب الصراع الحضاري بين الشرق والغرب، ولذلك قامت جهود إسلامية مخلصة قوية لردها ورفضها وإنقاذ الأمة الإسلامية واعادتها إلى إسلامية الراشدة (١٢) فقد ظهرت في هذا القرن حركات وجماعات مختلفة لعبت دوراً هاماً في إطار الفكرة الإسلامية في الأدب العربي بل في أدب اللغات الأخرى أيضاً.

و من بين هذه الحركات و الروابط انشأت رابطة الأدب الإسلامي العالمية و أقرت من أهدافها تأصيل جزور الإسلام في الأدب و تعزيزها لإنقاذ البشرية من الخلق غير الصالحة و الرذائل، فقد اتخدت الصحافة كوسيلة لها هي أكبر وسائل العصر الحديث بل أكبر وسائل العصور كلها ولو كانت في صورة مختلفة، فقد أصدرت مجلات أدبية في عدة لغات عالمية و لكن مجلة "الأدب الإسلامي" الصادرة من المكتب الرئيسي فتوقف عندها قليلاً لأنها قد رسمت في أذهان أهل العلم و الأدب خطوط فكرة الأدب الإسلامي، و منعت القراء من الناشئين و الشبان عن قراءة الأدب البديهي و غير الهدف من الشعر و القصة و المسرح، و لكن قبل أن نأتي بتعريف المجلة و عملها البناء في تأصيل الأدب الإسلامي، نذكر شيئاً عن الصحافة.

اما الصحافة في الاصطلاح فهي في الاصل جمع الاخبار و الأنباء و نشرها و اذاعتها في وقت معين و هذا الوقت يمكن ان يكون ليوم او اسبوع او نصف اسبوع او لشهر او نصف شهر او سنة، او نصف سنة (١٣)

ان لم نعد الصحافة نعمة كبرى على الادب و الفكر و لكن لا نستطيع الانكار لأهميةها البالغة في نشر الفكر و تعديمه و وخاصة من خلال الصحف الأدبية، لقد تأملنا و نظرنا في جميع النهضات الفكرية والمذهبية التي قامت في بلاد الغرب و الشرق فوجدنا الصحافة اكبر عامل لها ولو كانت في شكل متتنوع، لأن عمل الصحافة في جوهرها الاهتمام بالجماعات البشرية و تناقل اخبارها و وصف نشاطها ثم توجيه هذه الجماعات الى الخير و المنفعة و لذلك تؤثر على الادب لأن الادب ايضا تتكون بوجданات البشرية و خواطرها على حسب اختلاف الزمان و المكان، قد اعترف كثير من العلماء ان الادب قد تأثر بالصحافة و يمكن له تحقيق غاياته و اهدافه بطريق الصحافة (١٤)

اذن ! فالأديب الاسلامي يريد بناء المجتمع الصالح و تكوين العقل السليم و هداية البشرية الى الخير و النصيحة و يحرص على بناء العواطف الشريفة فلماذا يتأخر بل له ان يتقدم و يختار الصحافة بصفتها الاسلامية التي هي من احسن الوسائل المؤدية الى هذه الاهداف النبيلة۔

فإن الادب الاسلامي يهتم بغرس العقيدة الاسلامية في قلوب الانسان، و الصحافة عند اهل الغرب تُعني بجمع الاخبار و نشرها و الاطلاع على ما في المجتمع، ولكن عندنا فهي تقوم بجمع الاخبار و نشرها و معالجتها مع التوضيح لما فيها من الخير و الشر، فانها تؤدي فريضة الامر بالمعروف و النهي عن المنكر و التفريق بين الحق و الباطل و التوجيه لما في الواقعات من الخير و الشر فانها تعنى بارشاد الناس الى الصحة و السقم دون التصور الغربي انها تقوم بتشكيل رأى الناس على مفروضة فرضها البعض منهم من قبل، فانها جهاد بالقلم و اللسان و تخرج الناس من الظلمات الى النور و تدعى الناس الى سبل السلام و التواصي بالحق و الصبر و تؤدي فريضة الدعوة الاسلامية، فان صورتها الأولى تُرى في الاسوة الحسنة و عند الصحابة ، فاصولها و قوانينها كلها ثابتة من النصوص القرآنية و الاحاديث الشريفة و لا يناسب لنا ان نفصلها في المقام الا ان نوجز و نقول انها مقيدة بالعدل و الاحسان و القول السديد و الامر بالمعروف و النهي عن المنكر و هذه الميزات تحتوى معانى كثيرة و لا نحتاج الى تفصيلها (١٥)

ولكننا اليوم في اشد حاجة الى استخدامها و ترويجها و اصدار الصحف و المجلات لغرس

الافكار الحالدة و الوظيفة الاسلامية الواحة و تسليمة الادهان المضطربة و عرض التصور الاسلامي للكون و الحياة ما يريده الادب الاسلامي و هذا هو ما فعلت مجلة "الأدب الاسلامي" ، فبدأت تصدر أربع مرات في السنة باسم "مجلة الأدب الاسلامي" حتى نالت قبولًا في الاوساط الادبية ، ولاشك أنها لعبت دوراً مهماً في تطوير مصطلح الأدب الاسلامي ولا يمكن الانكار ولا يستهان بفضلها في هذا المجال ، فإنها تعنى بالأدب الاسلامي ونقده ، وتحتوي المقالات والباحثون الفنية و العلمية و النقدية والأدبية القيمة ، مع أنها تنشر الابداعات و المقتطفات الفنية من الأدب الاسلامي من القصة والمسرحية والرواية و الشعر ، فقد بدأت تصدر تحت اشراف العلامة سماحة الشيخ أبو الحسن وتحت رئاسة التحرير الدكتور عبد القدس أبو صالح رئيس الرابطة حالياً ، أما كتابها فهم الخيرة من أدباء العالم الذين هم معترفون في مجال العلم والأدب -

ومن خصائص هذه المجلة الهدافة أنها لا تعكف على نشر الأخبار عن الأدب الاسلامي ومباحته و المقالات فقط بل تنشر النماذج الفنية الرائعة في كل عددها من أصناف الأدب المعاصر ، وذلك هو سر قبولها العام ونجاحها الكامل ونشرها في العالم فكل عددها يحتوى المقالات والدراسات و النقد الاسلامي والا بداعات من الفن الاسلامي من الشعر والقصة القصيرة والمسرح والتنظيرات للأدباء و النقاد العالميين المعاصرین بعنوان "لقاء العدد" فقد يظهر كل عددها بتغذية الأخبار عن الأدب الاسلامي ، وكذلك تركز علينايتها في كل عددها على شمولية الرؤيات والتنظيرات للأدباء و النقاد العالميين المعاصرین بعنوان "لقاء العدد" فقد يظهر كل عددها بتغذية القاري من حيث دراسة الأدب الاسلامي بكونه مدرسة أدبية ثابتة مع نماذجه الفنية الرائعة ، و "لقاء العدد" يكون سبباً لتسليمة أذهان القراء الذين يفكرون وأئمها في هذا المصطلح وفي هذه المدرسة الأدبية القديمة الثابتة التي تأسست مع تأسيس الدعوة الاسلامية ، وبهذه المميزات تخدم الصحافة الأدبية الاسلامية في جانب ، وتنقذ البشرية في جانب ، تعرض لها الأدب الهدف و تحل القضايا المضطربة من الحياة الانسانية المعاصرة وتعيش مع القضايا الاسلامية و المسلمين من خلال ابداعاتها كما تأتي بما متاع الأذهان وتسليتها - ولقد أشاد بها وبدأ هدفها ونشرها و مباحثها و مقالاتها كبار من الرجال ومن أهل العلم والأدب -

فقال الشيخ عثمان الصالح : عن عددها الأول

من هنا : فأدارى أن هذه المجلة عبقة وأريجها وصادها ، إنها مجلة صحيحة مجلة ربيحة اذا

سارت على هذا المسار فلا يكون لها بوار" (١٦)

- والحق انها صارت الان من بواعث الغبطة والسعادة في نشر الفكر الاسلامي و تعميم الأدب الاسلامي من خلال صحفتها الأدبية الاسلامية، يحدُر بنا ان ننقل أهدافها الان:
- ☆ تأصيل نظرية الأدب الاسلامي ، واظهار الملامح السائدة في هذا الأدب قديمة و حديثة .
 - ☆ تحقيق مبدأ عالمية الأدب الاسلامي .
 - ☆ تأصيل النقد الاسلامي، وتأكيداً ينبعى أن يتتصف به من الموضوعية و الانصاف، و البعد من القوالب المستوردة و الأساليب المبهمة .
 - ☆ رسم منهج اسلامي مفصل للفنون الأدبية الحديثة .
 - ☆ الاهتمام بالتفسير الاسلامي للأدب .
 - ☆ اعادة كتابة تاريخ الأدب العربي من وجهة نظر اسلامية .
 - ☆ اظهار صلة الأدب الاسلامي الحديث بـأدب القديم ، والرد على المحاولات الداعية الى الانقسام بين أدب امتنا في الماضي والحاضر .
 - ☆ دراسة الأدب الاسلامي المعاصر في البلاد الاسلامية ، واظهار الخصائص المشتركة للأدب الاسلامي في العالم-.
 - ☆ التعريف بآداب الشعوب الاسلامية بترجمة النصوص الى اللغة العربية ونشر دراسات من الأدباء المسلمين على اختلاف أجناسهم و لغاتهم .
 - ☆ تعهد المواهب الفنية والأقلام الواعدة من جيل الأدباء الشباب و نشر نتاجهم و تقويمه بالتو جيه السديد، و النقد البناء السليم .
 - ☆ تشجيع الأدب الذي يهتم بقضايا المرأة المسلمة ، وتشجيع نتاج الأديبات المسلمات .
 - ☆ رسم منهج اسلامي لأدب الأطفال اليافعين-.
 - ☆ التصدى للدعوات الأدبية المشبوهة بما يبيّن حقيقتها و أهدافها، و موقف الأدب الاسلامي منها .
 - ☆ تمثل المجلة نهج رابطة الأدب الاسلامي العالمية في الاعتدال و الحكم و البعدين مزالق الصراعات السياسية و الحزبية ، مع التزامها بأن تكون في خدمة قضايا الأمة الاسلامية عن طريق الكلمة الهدافة الأصلية الملزمة بالاسلام .
 - ☆ لن يقتصر ما ينشر في المجلة على الأدب الاسلامي المكتوب باللغة العربية بل هي مجلة الأدب الاسلامي العالمي ، سواء كتب بالعربية ترجم اليها .

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

نشر المجلة من الأدب العربي والعالمي مala يضاد التصور الاسلامي .

تقبل المجلة الرأى المعارض ، وتنشره مadam ملتزما بالموضوعية والرصانة ، وذلك إيمانا

بحريـة الكلمة وجـدوـيـ الحـوارـ، وـثـقـةـ بـالـمـبـادـئـ الـتـىـ تـنـطـلـقـ مـنـهـاـ، وـالأـهـدـافـ الـتـىـ تـسـعـىـ الـيـهـاـ .

تحـاـولـ المـجـلـةـ أـنـ تـعـاـونـ بـيـنـ الـقـنـطـيرـ وـالـابـدـاعـ، وـقـدـ تـغـلـبـ جـانـبـ الـابـدـاعـ وـالـنـقـدـ الـتـطـبـيـقـيـ

عـلـىـ الـبـحـوـثـ الـتـنـظـيـرـيـةـ، فـالـأـدـبـ الـاسـلـامـيـ أـحـوـجـ مـاـيـكـوـنـ إـلـىـ الـابـدـاعـ الـمـتـمـيـزـ فـيـ فـنـوـنـ

الـأـدـبـ مـنـ شـعـرـ وـقـصـةـ وـرـوـاـيـةـ وـمـسـرـحـيـةـ كـمـاـ مـاـتـوـافـرـ مـنـ نـتـاجـهـ الـكـثـيرـ أـحـوـجـ مـاـيـكـوـنـ إـلـىـ

الـنـقـدـ الـمـوـضـوـعـيـ الـجـادـ، الـذـىـ يـقـومـ هـذـاـ النـتـاجـ، وـيـتـمـيـزـ هـذـاـ الجـوـهـرـ مـنـ الصـدـفـ، وـيـرـشـدـ

مـسـيـرـ الـأـبـدـاعـ، دـوـنـ أـنـ يـعـنـىـ ذـلـكـ أـنـ أـنـاـ مـنـ أـهـمـيـةـ الـدـرـاسـاتـ الـتـنـظـيـرـيـةـ، اـذـ لـمـ يـمـضـ وـقـتـ طـوـيلـ

عـلـىـ الـدـعـوـةـ إـلـىـ الـأـدـبـ الـاسـلـامـيـ نـظـرـيـةـ مـتـكـامـلـةـ أوـ مـذـهـبـاـ أـدـبـيـاـ عـالـمـيـاـ . (١٧)

وـالـآنـ نـسـتـطـيـعـ القـوـلـ بـعـدـ هـذـهـ السـطـوـرـ الـمـوـضـوـحـةـ بـأنـ الـفـكـرـةـ الـاسـلـامـيـةـ توـجـدـ فـيـ كـلـ عـصـرـ

وـلـكـنـ أـثـيـرـ عـلـيـهـاـ الغـارـ وـشـبـهـ أـمـرـهـ وـقـامـ الـمـعـانـدـوـنـ لـهـاـ بـجـحـودـ وـانـكـارـ وـتـشـكـيـكـ وـلـكـنـ مـحـلـةـ الـأـدـبـ

الـاسـلـامـيـ قـدـ أـدـتـ دـوـرـهـاـ فـيـ توـضـيـحـ الـأـدـبـ الـاسـلـامـيـ وـتـعـمـيـمـهـ وـتـعـزـيـزـهـ وـتـروـيـجـهـ بـصـحـافـتـهاـ الـبـنـاءـةـ

الـصـالـحةـ وـبـعـرـضـهـاـ خـيـرـ النـمـاذـجـ الـأـدـيـةـ الـاسـلـامـيـةـ الـمـتـبـادـلـةـ لـلـقـرـاءـ وـالتـزـمـتـ بـأـهـدـافـهـاـ إـلـىـ الـيـوـمـ حـتـىـ

تـحـقـقـ أـكـثـرـ مـنـ أـمـالـهـاـ كـمـانـالـتـ أـكـثـرـ مـنـ غـايـاتـهـاـ، وـلـكـنـنـاـ فـيـ أـشـدـ الـحـاجـةـ الـيـوـمـ أـنـ تـكـوـنـ لـنـاـ مـجـلـاتـ

عـدـيـدةـ شـهـرـيـةـ وـنـصـفـ شـهـرـيـةـ وـيـوـمـيـةـ وـتـعـنـىـ بـالـقـيـمـ الـجـدـيـدـةـ لـلـصـحـافـةـ وـتـعـرـضـ الـاسـلـامـيـةـ فـيـ مـلـفـاتـهـاـ .

فـاـذـاـ عـرـفـنـاـ أـنـ الصـحـافـةـ هـىـ أـكـبـرـ وـسـيـلـةـ مـنـ وـسـائـلـ الـاعـلـامـ فـيـ عـصـرـنـاـ الـحـدـيـثـ فـنـحـنـ مـعـشـرـ

الـمـسـلـمـينـ فـىـ أـشـدـ حـاجـةـ إـلـىـ الصـحـافـةـ الـاسـلـامـيـةـ الصـحـيـحـةـ الـقـوـيـمـةـ الـصـالـحةـ الـمـنـقـذـةـ مـنـ الزـيـغـ

وـالـضـلـالـ وـالـبـذـاءـ وـالـأـفـكـارـ السـيـئـةـ وـلـتـأـصـيـلـ الـفـكـرـةـ الـاسـلـامـيـةـ فـيـ أـذـهـانـ الـقـرـاءـ مـنـ النـاشـئـينـ وـالـشـبـانـ ،

لـأـنـنـاـ إـذـاـلـمـ نـعـرـضـ الـمـتـبـادـلـ قـرـأـ الـقـارـىـ ماـهـوـ فـيـ السـوقـ وـكـنـاـ نـعـرـفـ أـنـ الـأـفـكـارـ الـهـدـامـةـ الـبـاطـلـةـ كـانـتـ

مـوـجـوـدـةـ فـيـ مـلـفـاتـ الـصـحـافـةـ الـأـدـيـةـ مـزـيـنةـ بـالـزـخـارـفـ وـالـخـرـافـاتـ ، فـيـجـبـ عـلـيـنـاـ أـنـ نـفـكـرـ فـيـ هـذـاـ

الـصـدـدـ وـنـقـدـ رـحـظـنـاـ وـنـؤـدـىـ وـاجـبـنـاـ فـيـ تـطـوـيـرـ الـصـحـافـةـ الـأـدـيـةـ الـاسـلـامـيـةـ لـتـعمـيقـ الـتـعـالـيمـ الـاسـلـامـيـةـ

وـالـمـكـارـمـ الـفـاضـلـةـ وـالـأـقـدـارـ الـإـنـسـانـيـةـ الـرـفـيـعـةـ الـمـبـنـيـةـ حـسـبـ الـتـصـورـ الـاسـلـامـيـ لـلـحـيـةـ وـالـكـوـنـ ، لـأـنـ

لـلـأـدـبـ وـالـصـحـافـىـ الـسـلـمـ مـسـؤـلـيـتـيـنـ ، مـسـؤـلـيـةـ لـهـ عـنـدـ الـمـجـتمـعـ بـأـنـ يـهـدـيـهـمـ ، إـلـىـ سـيـلـ الرـشـدـ

وـالـصـوـابـ وـيـنـهـاـمـ عـنـ اللـغـوـ وـالـلـهـوـ وـالـفـحـشـ وـالـمـجـونـ كـمـاـ هـوـ مـسـؤـلـ عـنـدـ اللـهـ بـعـدـ الـمـوـتـ لـأـعـمـالـهـ .

الهوامش:

- ١- آل عمران ١٩
- ٢- المائدة ٥
- ٣- ابن ماجه كتاب الزهد
- ٤- الاسلامية والمذاهب الادبية/الدكتور نجيب الكيلاني - ص: ٤٨
- ٥- فصلت: ٣٤
- ٦- آراء رابطة الادب الاسلامي العالمية في الادب والنقد /كمال المقابلة - ص: ٧٨
- ٧- م، س: ص: ٧٨
- ٨- في الادب الاسلامي /الدكتور وليد قصاب - ص: ٥١
- ٩- آراء رابطة ----- /كمال المقابلة - ص: ٧٦
- ١٠- ادب الصحوة الاسلامية /الاستاذ واضح رشيد الندوى - ص: ٣١
- ١١- م، س، ص: ١٨
- ١٢- المسحة الادبية في كتابات الشيخ أبي الحسن /الاستاذ واضح رشيد الندوى - ص: ٢٩، ٣٠
- ١٣- الصحافة العربية في الهند نشأتها وتطورها/الدكتور ايوب تاج الدين الندوى - ص: ٥٥
- ١٤- راجع لتفاصيل الى ، مستقبل الصحافة في مصر /الدكتور عبد اللطيف حمزه - ص: ١٧٩
- ١٥- راجع لتفاصيل الى كتاب اسلامي صحافت /سید عبد السلام زینی
- ١٦- مجلة الادب الاسلامي ج: ١ ، عدد: ٣، ص: ٤
- ١٧- م، س، ج: ١ ، عدد: ١ ، ديسمبر ١٩٩٣ -

مساهمة فضيلة الأستاذ سيد محمد الحسنى الندوى في الصحافة العربية الإسلامية

بقلم: الدكتور سيد كمال الله البحتىارى الندوى
الأستاذ المساعد بالقسم العربي بكلية الجديدة، تشنائى، الهند

هذه حقيقة واضحة عل كل من له العلم بمقتضيات العصر ونفسيه أن هذا العصر، عصر الصحافة والبحث، كما أن لكل عصر ميزة خاصة، فميزة هذا العصر، الصحافة ودورها أكبر ما سواها، كما يعرف أهل العلم والأدب هذه الحقيقة أن الصحافة هي إحدى الوسائل الإعلامية التي كانت ولا تزال تحظى مكانة ممتازة في المجتمع وتلعب دوراً بارزاً في بناء الحياة الطيبة والسيرة الحسنة وتقوم بأقوى دور في صياغة ذهن الإنسان وتكتوينه وتغييره. قصارى القول قد أصبحت الصحافة اليوم حاجة كل إنسان الذى يعيش حضارة الانترنت والكمبيوتر والفاكس.

قد استخدم فضيلة الأستاذ سيد محمد الحسنى الندوى فن الصحافة بشكل إيجابى وجعله أداة جليلة للرشد والهدایة والتعليم والتربية والعلم والمعرفة وصيغ الصحافة بصبغة إسلامية حاملة لواء الاتجاهات الإسلامية وشكل مجتمعاً صالحاً على أساس فكري ديني إسلامي وقيم عالية وأخلاق فاضلة وعادات نبيلة. رفع فضيلة الأستاذ سيد محمد الحسنى رأس علماء الدين عالياً وأفاد الأمة المسلمة إفادة تامة بواسطة الصحافة وشجع أفراد الأمة ودعاهم إلى الأفكار العالية السمحنة والنظريات الرفيعة الصحيحة ومنعهم عن الأفكار الغربية الهدامة بالخصوص عن النظريات الباطلة العاطلة التي تقدم من جانب المغرين والمستغرين في مقالاته وكتبه.

ولد السيد محمد الحسنى في عام ١٩٣٥ م (١) بلکناو – الأستاذ محمد الحسنى ينتمي إلى أسرة خلقت الكتاب المشهورين، والمؤلفين المعروفين، والأدباء البارعين، والصحافيين المسلمين. كانت لأسرته إسهامات كبيرة في كل فن من فنون الحياة وفي كل جانب من جوانبها.

بدأ الأستاذ محمد الحسنى دراسته الإبتدائية في البيت، فقرأ القرآن الكريم و اللغة الأردية قراءة وكتابة، و الفارسية نثراً و شعراً على عادة أبناء البيوتات المسلمة في الهند.

ثم بدأ دراسته للّغة العربية في البيت عند والده الدكتور سيد عبد العلى الحسني و كان من العلماء الكبار، ثم حضر دروس العلامة الشيخ حليم عطاء (أستاذ الحديث في دار العلوم لندوة العلماء سنة ١٩٥١م - ١٩٥٣م) وقرأ عليه كتب الحديث المهمة. استفاد استفادة كثيرة من عمه الكريم سماحة الشيخ سيد أبي الحسن على الحسني الندوى في اللغة العربية وآدابها، وقضى حياته الطويلة بصحبته المثالية وتربيته المنفردة. كان الأستاذ محمد الحسني يحب و يحترم سماحة الشيخ سيد أبو الحسن على الحسني الندوى و هكذا سماحة الشيخ أبو الحسن على الحسني الندوى كان يحب محمد الحسني حباً جماً.

الأستاذ محمد الحسني لم يعش إلا أربعة وأربعين عاماً ولكن هذه الفترة لحياته كانت مثالية وملوأة بنشاطه العلمي والأدبي. كان الأستاذ محمد الحسني صحافياً بارعاً، وأديباً أربياً، ومتրجماً قديراً، وكانت مشهوراً رفع مستوى اللغة العربية وآدابها في القارة الهندية. يبقى إسمه خالداً في صفحات تاريخ العلم، والأدب، والصحافة، والترجمة. قد ظلَّ محمد الحسني يخدم اللغة العربية، والصحافة العربية، ويكتب كتباً علمية، ويترجم مقالات قيمة في موضوعات مختلفة حتى أن لـ نداء ربـه في عام ١٩٧٩م (٢).

خدماته في الصحافة العربية:

إنَّ الأستاذ سيد محمد الحسني يعد من كبار الأدباء والصحفيين باللغة العربية في القارة الهندية، لأنَّه كان صاحب أسلوب فريد في اللغة العربية والصحافة العربية. اشتراك في عدة مؤتمرات إسلامية وزار البلاد العربية مرات. يكتب سماحة الشيخ سيد ابو الحسن على الحسني الندوى رحمة الله عن ميزة سيد محمد الحسني الندوى بهذه السطور "والصحافى محمد الحسنى، هو فى الحقيقة شخصية نادرة فى اللغة والأدب ولقد أحبَّ اللغة العربية منذ طفولته و أجادها كلَّ الإجادات نطقاً و كتابة وانفرد بأسلوبه العربي بين معاصريه، فله أسلوب قوىًّا ملتهب و رافقته القدرة البيانية و قلم سيال رشيق و ثروة لغوية" (٣).

أسس فضيلة الأستاذ سيد محمد الحسني الندوى نادياً أدبياً وسماه "المتدى الأدبي" في عام ١٩٥٤م (٤) هذه الجمعية لها خدمات جليلة وإسهامات كبيرة في مجال اللغة العربية وآدابها والصحافة العربية الإسلامية. اهتم فضيلة الأستاذ سيد محمد الحسني طول حياته اهتماماً كبيراً بنشر اللغة العربية وتطوير الصحافة العربية في القارة الهندية. نفح

فضيلة الأستاذ روح الأدب وخلق حب اللغة العربية وبذر بذور الصحافة العربية في العلماء والطلاب بواسطة هذه الجمعية "المتدى الأدبي". أصدر فضيلة الأستاذ مجلّة شهرية باسم "المسلمون" تحت رئاسة الأدباء والكتاب في العالم العربي عن هذه الجمعية "المتدى الأدبي" في عام ١٩٥٤ م^(٥) من دمشق. كان الدكتور سعيد رمضان رئيس التحرير لهذه المجلّة. من حسن حظ هذه المجلّة قد رزقت من أول يومها إقلاماً رشيقاً، كان يكتب فيها العلماء البارعون والكتاب الإسلاميون والأدباء النابغون والصحافيون المعروفون من العالم العربي كله. نالت هذه المجلّة قبولاً حسناً وإعجاباً كثيراً في أوساط العلم والأدب. كانت هذه المجلّة نموذجاً للأدباء والكتاب في بلاد آسيا وأفريقيا خاصة وفي البلاد العربية عامة. هذه المجلّة افتتحت بباباً جديداً في الصحافة العربية الإسلامية وأجمعوا الكتاب المسلمين والأدباء البارعين على رصيف واحد ونشرت أول مقال في هذه المجلّة "المسلمون" لفضيلة الأستاذ سيد محمد الحسيني الندوبي بعنوان "العالم الإسلامي على مفترق الطرق" وهو كان في العشرين من عمره وأحدث مقالته ثورة صحافية إسلامية في الدوائر العربية. وكانت له قدرة فائقة ومهارة كاملة في الصحافة العربية الإسلامية خلال القرن العشرين.

هكذا قام الأستاذ سيد محمد الحسيني بإصدار مجلة "البعث الإسلامي" العربية في لكنّاؤ سنة ١٩٥٥ م^(٦) و كان في مجلس إدارتها فضيلة الدكتور سعيد الأعظمي الندوى، (رئيس تحريرها حالياً) و الدكتور سيد احتباء الحسيني الندوى، و الدكتور محمد راشد الندوى. رفع مجلة "البعث الإسلامي" مستوى اللغة العربية والأدب العربي في الهند، و بعث الروح الإسلامية والأدبية في الشباب، و توجيهات رشيدة للطلبة في الدراسة و التعليم، و توثيق الصلات الأدبية و الثقافية بين المدارس الدينية و المراكز الإسلامية. كان الأستاذ محمد الحسيني يهتم بالصحافة العربية كثيراً، و كان يعتبرها سلاحاً من الأسلحة، و صلّى البعث الإسلامي إلى قمة الصحافة العربية الإسلامية في عهده.

قال القائد العربي المعروف و المجاهد محمد الصواف بنفسه لكاتب هذه السطور: "...أنّ مجلة "البعث الإسلامي" لعبت دوراً هاماً في فضيحة جمال عبد الناصر لم تستطعه صحيفة ولا مجلة صادرة في العالم العربي كله" ^(٧).

أقدم هنا نموذجاً أدبياً لفضيلة الأستاذ محمد الحسيني في افتتاحية العدد الأول لمجلة "البعث الإسلامي" يكتب الأستاذ محمد الحسيني عن أهمية مجلة "البعث الإسلامي" و

مقاصدها الرئيسية بهذه الكلمات: "ستحاول مجلة "البعث الإسلامي" أن تكون نقطة اتصال و همزة وصل بين الهند و البلاد العربية الشقيقة، تحمل رسالة أبناء الهند إلى إخواهم في الشرق العربي و تحمل ثنيات أبناء البلاد العربية و عواطفهم الطيبة نحو إخواهم في الهند و تبحث عن الأرجاء المشتركة بين البلاد" (٨).

خلف الأستاذ السيد محمد الحسني وراءه ثروة ثمينة من المقالات، و الكتب العربية و الأردية، و أعمال الترجمة، أما الكتب العربية فمعظمها تشتمل على مقالاته التي نشرت في مجلة "البعث الإسلامي" و قد عالج فيها قضايا معاصرة، فهو في هذه المقالات و الكتب يدافع عن الإسلام و يثبت أهمية الإسلام في العالم المعاصر، و يهاجم على النظريات الأخرى التي تذهب بالناس إلى الدرك الأسفل في الدنيا و الآخرة قد تناول محمد الحسني في مقالاته و كتبه موضوعات متعددة من دين، و سياسة، و أدب، و سيرة، و اجتماع و كل هذه الموضوعات قد احتلّت بعضها مع بعض، و هذه المقالات و إن كتبت في أوقات ماضية، و المؤشرات مخصوصة و لكنها لا تزال أهميتها باقية و لم يتضائل دورها مع مرور الزمن، فإن فيها هداية و نوراً لكل عصر و مصر، و فيها نصائح و مواعظ لكل انسان، و برهان لكل ذي عينين. كان محمد الحسني يبحث المسلمين في كتبه و مقالاته على أن يعودوا إلى الإسلام من جديد، و كان يرجو من الدول العربية عامة و الجزيرة العربية خاصة أن تلعب دورها المرموق السامي ، فهو يخاطب القادة العرب و الشعب العربي و يدعوهم إلى رفع رأية الإسلام.

كتب العربية الصحفية في نظر:

(١) الإسلام الممتحن

الإسلام الممتحن كتاب مفيد وفريد في فهم الإسلام. مقالات الكتاب في الحقيقة الافتتاحيات التي نشرت في مجلة "البعث الإسلامي" في مناسبات مختلفة و نالت شهرة واسعة في الحلقات العلمية والأدبية. هذا الكتاب له أهمية و قيمة في الكتب الإسلامية. هذا الكتاب مزيّن بمقدمة قيمة لسماحة الشيخ سيد أبي الحسن علي الحسني الندوى وزاد قيمة هذا الكتاب بهذه المقدمة القيمة. قد تناول سماحة الشيخ سيد أبو الحسن علي الحسني الندوى جميع جوانب حياة محمد الحسني منذ صغر سنّه إلى وقت وفاته في أسلوب مؤثر.

قد صدرت الطبعة الأولى سنة ١٩٧٥ م من القاهرة والطبعة الثانية سنة ١٩٧٨ م وهكذا طبعتها المطبعات العديدة. يحتوى هذا الكتاب على الموضوعات المعاصرة. تحدث الشيخ محمد الحسيني فيه عن الإسلام وميزاته وقارن الإسلام بين الأديان الأخرى بأسلوب علمي وبدلائل قوية. هذه المقالات وإن كتبت في أوقات ماضية وفي مناسبات مخصوصة ولكنها لا تزال أهميتها باقية. هذا الكتاب فيه هداية ونور لكل زمان وفيه دليل وبرهان لكل إنسان.

يحتوى هذا الكتاب على موضوعات دينية وسياسية وأدبية وصحفية. بعض

عناوين الكتاب:

- "العالم الإسلامي على مفترق الطرق"
- "حسن البناء في محارب التاريخ الإسلامي"
- "النظام الإسلامي في معركة الأفكار"
- "بين الدنيا والآخرة"
- "الإسلام أوسع من الاصطلاحات"

(٢) المنهج الإسلامي السليم

قد نشر هذا الكتاب بعد وفاته بخمس سنوات في عام ١٩٨٣ م. قام بطبع هذا الكتاب دار الكتاب دار القلم، الكويت بمقديمة سماحة الشيخ سيد أبي الحسن علي الحسيني الندوبي. هذا الكتاب أيضاً بمجموعة مقالات قيمة وبحوث مفيدة نشرت في مجلة "البعث الإسلامي" في أوقات مختلفة.

دعا فضيلة الأستاذ محمد الحسيني الندوبي في هذه المقالات العرب بالخصوص والعجم بالعموم إلى الحقائق والمعارف، واستعرض مشكلاتهم وقدم حلولها منظور إسلامي ونقد الحضارة العربية نقداً كاملاً وأظهر معابدها ونقائصها. الإسلام في رأي محمد الحسيني هو الحل الوحيد لجميع المشاكل والمسائل يكتب فيه أن الإسلام يرشد الإنسانية كافة إلى سائر ميادين الحياة، هذه الميزة التي تمتازه بين الأديان الأخرى. يدل هذا الكتاب على الحقائق والمعارف.

هذا الكتاب فيه مقالات هامة منها : " جيلنا الجديد في حاجة ماسة إلى إيمان حديد " " الإسلام نظام متكامل " خطاب مفتوح إلى ملك فيصل " هذه المقالات فيها نكات علمية ونصائح مفيدة ومعلومات هامة ودراسات نافعة.

(٣) أصوات على الطريق

كتاب "أصوات على الطريق" مشتمل على مقالات مفيدة و مهمة. كتب هذه المقالات فضيلة الأستاذ سيد محمد الحسني الندوى و نشرت في صحيفة "الرائد" كانت هذه المقالات مخفية عن أنظار الناس، فقام ابنه سيد بلال محمد الحسني الندوى، بجمع و نشر هذه المقالات في شكل الكتاب.

يحتوى هذا الكتاب على موضوعات مختلفة إسلامية هامة. هذا الكتاب فيه خواج من السيرة النبوية و حياة الصحابة و الصالحين بأسلوب مؤثر جذاب و بلغة بلغة أدبية. قد طبع الكتاب في مطبعة جمع الإمام أحمد بن عرفان الشهيد، دار عرفات، رائ بريلي، أتربرديش، الهند في عام ٢٠٠٣ م. على كل مسلم لازم أن يطالع هذا الكتاب المهم، لأن هذا الكتاب يلعب دوراً بارزاً في بناء الشخصية الإسلامية.

(٤) مع الحقيقة

هذا الكتاب مجموعة مقالات وافتتاحيات لفضيلة الأستاذ سيد محمد الحسني الندوى. هذه المقالات أيضاً كتبت ونشرت في مجلة "البعث الإسلامي" وفي صحيفة "الرائد" في مناسبات مختلفة. قد جمع وقام بنشر هذا الكتاب بالتأخير ابنه الصالح سيد بلال محمد الحسني الندوى، بمساعدة الأستاذ محمد وثيق الندوى. إن هذه المقالات القيمة كانت في ملفات صحيفة "الرائد".

نشر جمع الإمام أحمد بن عرفان الشهيد. دار عرفات، رائ بريلي، أتربرديش، الهند. يحتوى هذا الكتاب على مواد هامة و مفاهيم عالية و فيه بحوث نافعة عن الإسلام و رد على الأفكار الغربية بدلائل قوية في أسلوب علمي رشيق. قد نال هذا الكتاب قبولاً عاماً وإعجاباً كبيراً من أهل العلم والأدب في الهند وخارجها.

(٥) مصر تتنفس

يتعلّق هذا الكتاب بموضوع الصحافة العربية الإسلامية. هذا الكتاب في الحقيقة مجموعة مقالات لفضيلة الأستاذ سيد محمد الحسني الندوى. معظم مقالات هذا الكتاب تدور حول موضوع مصر وأحوالها بهذا السبب سماه "مصر تتنفس".

كما يعرف أهل العلم والأدب أن فضيلة الأستاذ سيد محمد الحسني عني بموضوع الصحافة العربية الإسلامية بوجه خاص واختاره كمادة مستقلة للبحث والتحقيق منذ ريعان شبابه. بحث فضيلة الأستاذ في هذا الكتاب عن مصر وأحوالها وسياساتها وثقافتها في التفصيل. هذا الكتاب حافل بمعلومات هامة في أسلوب أدبي عال وبحث علمي تحققي. كانت هذه المقالات محفوظة في مجلدات مجلة "الرائد" قام أبناؤه بنشر هذه المقالات في صورة الكتاب والفضل كله يرجع إلى أبنائه.

هذا الكتاب له أهمية كبيرة وقيمة خاصة في الأوساط العلمية والثقافية. لازم على كل طالب أن يطالع هذا الكتاب ويستفيد منه.

نقل الأستاذ محمد الحسني أهم مؤلفات عمّه ساحة الشيخ سيد أبي الحسن على الحسني الندوى من الأردية إلى العربية وبالعكس. هكذا نقل عدداً كبيراً من مقالاته ومحاضراته من الأردية إلى العربية، و كان مترجماً بارعاً دقيق النظر والتعبير.

نقل الأستاذ سيد محمد الحسني أهم مؤلفات عمّه ساحة الشيخ سيد أبي الحسن على الحسني الندوى من الأردية إلى العربية وبالعكس. هكذا نقل عدداً كبيراً من مقالاته ومحاضراته من الأردية إلى العربية و كان مترجماً بارعاً دقيق النظر والتعبير. الكتب المترجمة إلى اللغة العربية من اللغة الأردية.

- ١) بين الصورة والحقيقة.
 - ٢) فضل البعثة الحمدية على الإنسانية.
 - ٣) حاول أن تناول سر الحياة.
 - ٤) الصلاة و مكانتها في الإسلام.
 - ٥) العالم الإسلامي بين التبعية والذاتية.
- الكتب المترجمة إلى اللغة الأردية من اللغة العربية
- ١) الأركان الأربع
 - ٢) إذا هبّت ريح الإيمان
 - ٣) الطريق إلى المدينة
 - ٤) ربانية لا رهبانية
 - ٥) الصراع بين الإيمان والمادية

الكتب الأردية:

- ١) سیرہ محمد علی مونکیری.
- ٢) روداد جمن.
- ٣) تذكرة شاه علم الله.
- ٤) پیام ندوة.
- ٥) انسانیت آج کی محتاج

هذه الكتب مهمة و لها قيمة في الحلقات العلمية و الثقافية . للأستاذ سيد محمد الحسني إسهامات كبيرة في تطوير اللغة العربية و أدابها . فقد استفاد من مؤلفاته القيمة عدد كبير من الطلبة في المدارس الإسلامية و الجامعات العصرية ، كما استفاد من مقالاته الأردية و العلمية أستاذة الجامعات العصرية و المدارس العربية.

الهوامش:

١. من مقدمة الكتاب " محمد الحسني حياته وآثاره" ، للدكتور أیوب تاج الدين الندوی.
٢. نفس المرجع.
٣. من تقديم سماحة الشيخ سید أبي الحسن على الحسني الندوی للكتاب " الإسلام المتخن " ، ص: ١٦-١٧ ، بقلم : الأستاذ السيد محمد الحسني الندوی.
٤. محمد الحسني حياته وآثاره ، ص: ٩٩ ، للدكتور محمد أیوب تاج الدين الندوی.
٥. برانی جراغ ، ج-١، ص: ٣٢١ ، لسماحة الشيخ سید أبي الحسن على الحسني الندوی.
٦. تاريخ ندوة العلماء ، الجزء الثاني ، ص : ٤٢٤ ، بقلم : مولانا شمس تیریز خان.
٧. مجلة "البعث الإسلامي" ، العدد الأول ، ص: ٤ ، اکتوبر ١٩٥٥ م.
٨. مجلة "الرائد" - المهرجان التعليمي ، دار العلوم لندوة العلماء ، ص: ١٤٥ ، اکتوبر ١٩٧٥ م.

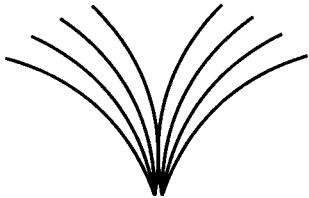
اس شمارے کے
اردو مقالات کی عربی تلخیص
تلخیص المقالات
باللغة العربية

تعریف:

محمد ذاکر الندوی البارہ بنکوی
عبدالحسیب الأعظمی
مظہر احسان
الشیخ محمد اسلم

سماحة الشيخ السيد محمد الرابع الحسني الندوى

رئيس رابطة الأدب الإسلامي العالمية لشيه القارة الهندية



افتتاحية

العدد

(تعريب: محمد ذاكر الندوى الباره بنكوي)

إن الأدب إلى حد كبير يضاهي العمل الإعلامي في بعض صوره، والأدب عبارة عن التعبير عما يحول في خاطر الإنسان من خواطر وأحليل في قالب حقيقي مؤثر جذاب، إلا أن هناك تبايناً فيما بينهما، فإن الأدب يقوم أساسه على إبداء الأخيلة والأحسيس التي تتطرق إلى ذهن الإنسان، كما أنه يتتني على بيان واقعة بالصدق والأمانة، والأدب يكون تابعاً للمصالح، فالأديب يستخدمه كذرية لتحقيق مصالحه، ومن الأهداف التي كان الأدب لها حاملاً منذ بداية أمره أن يكون فيه السمو الخلقي واحترام للإنسانية، وأن يكون عوناً على تحقيق حاجات المجتمع، وأما العمل الإعلامي فإنه يهدف إلى نشر الأنباء ووصف الأوضاع الراهنة فحسب، ويزيد المجتمع علمًا وأطلاعاً على الأوضاع، فإن ذلك يختلف عن العمل الأدبي، والعمل الأدبي يحتاج من الكفاءة مالا يحتاج إليها العمل الإعلامي، فإن العمل الإعلامي إذا كان لا يحتاج إلى كثير من الكفاءة والاستعداد كان أهم وسيلة لقضاء حاجات المجتمع الثقافية والسياسية، والإعلام الذي كان لا بد من استخدامه لبيان الواقع بياناً صادقاً بدأ الناس يستخدمونه لمصالحهم وجعلوه تابعة لها، وأعملوه لتوجيه أذهان الناس وتكونتها تكويناً جديداً، والمصادر الإعلامية التي كانت ذريعة للاطلاع على الأوضاع العالمية والوقوف على الأحداث الجارية والاستزادة من المعلومات الحديثة الصادقة، قد تغير -اليوم- عملها وانختلف طرقها، فالآن قد كثر استخدامها لمصالح شخصية ذميمة.

ومن الفوارق بين الأدب والإعلام أن الأدب يستفيد منه الإنسان حيناً آخر وفي أوقات الفراغ، غير أن العمل الإعلامي تكثر الاستفادة منه ويتسع نطاق عمله وتأثيره، ولا تزال تتووجه المصادر الإعلامية إلى الناس، والعمل الإعلامي قد حصل الآن على وسائل كثيرة لا معدل عنها للناس، مما زاده

تأثيراً على المجتمع، فنظراً إلى أهميته وتأثيره توجه الناس إلى الاستفادة منه، مع أنهم يعرفون أن المصادر الإعلامية من خلال عملها قد تجعل الحقائق صوراً فارغة، والصور الفارغة تجعلها بمثابة الحقائق، كما أنها تجعل من الحبة القبة، ومن القبة الحبة، وإن كل ذلك لا يتم إلا من قبلقوى الاستعمارية، وقد شاع ذلك بحيث يدهش العقول.

وأما المبادئ الإسلامية والمثل الدينية التي دلنا عليها القرآن الكريم والسنة النبوية فإنها تؤكّد ضرورة استخدام العمل الإعلامي لترويج المثل الإنسانية والخلق الإسلامي النبيل، وتفرض الحظر على الأدب اللاهي، كما ورد في القرآن الكريم: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لِهُوَ الْحَدِيثَ لِيُضْلِلَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ، وَيَتَخَذِّلُهَا هَزْوًا، أَوْ لَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مَّهِينٌ﴾ (سورة لقمان: ٦) وجاء في موضع آخر: ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ حَاشِعُونَ، وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللُّغُو مُعْرَضُونَ﴾ (سورة المؤمنون: ٣) لما كان الوقوف على الأوضاع الراهنة والتتمتع بالكلام الحسن أمراً طبيعياً توجه الناس إلى أحدهما حسب رغبتهم وهو اهتمامهم، وصبغوه بصبغتهم، إلا أن اليوم قد عمّت التزعّمات التي تضاد المثل الإسلامية العليا، وقد خلفت أثراً لها البارز ولو أنها الخاص على الأدب والمصادر الإعلامية، فاختارت طريق انهيار الخلق والدجل والتسليس . فإن رابطة الأدب الإسلامي العالمية تدعو إلى إجراء تعديلات مناسبة لهذا المسار إلى جانب اهتمامها باستخدامهما لمصالح مفيدة صالحة .

وإن رابطة الأدب الإسلامي العالمية قد عقدت ندوة علمية وأدبية على موضوع "الإعلام بمنظور إسلامي" بيهتكل . وتقديم المختار من المقالات التي تم تقديمها في الندوة في مجلتها الفصلية "كاروان أدب" إلى قرائتها الكرام رجاء استفادتهم منها .

وسائل الإعلام ومدى تأثيرها

بقلم : السيد محمد واضح رشيد الحسني الندوى

(تعريب: محمد ذاكر الندوى الباره بنكوي)

إن معنى "الإبلاغ" هو الإعلام والاطلاع، كما يظهر من لفظه، ويهدف إلى الإخبار بما يحدث ويقع من أحوال وأوضاع، وأحداث مستحدثة، وتطلق وسائل الإعلام على الصحافة والوسائل الجديدة المتطرفة كالмедиاب و التلفزيون، والإنترنـت وغير ذلك.

و يعرف الأدباء الأدب بأنه كلام متضمن للأخـيلة الدقيقة والمعانـي الرقيقة أو الكلام الذي يؤثـر على النفوس ويشـير العواطف ، ويهـدـب النفـوس ويرـقـقـ الحـسـنـ والـحـيـالـ، وينـقـفـ اللـسـانـ، ويتـمـثـلـ هـذـاـ فيـ نـفـسـ "كلـمةـ الأـدـبـ"ـ،ـ وـمـنـ الـلـازـمـ أنـ يـطـابـقـ الـلـفـظـ الـمـعـنـيـ،ـ وـقـدـ اـتـسـعـ مـحـالـ الأـدـبـ بـتـأـثـيرـ الـثـقـافـةـ وـالـحـضـارـةـ،ـ وـغـلـبـ عـلـيـهـ عـنـصـرـ تـسـلـيـةـ الـنـفـسـ وـإـشـبـاعـ الـغـرـائـزـ،ـ وـتـرـفـ الـأـدـبـ وـأـصـحـابـ الـقـلـمـ فـيـهـ مـاـ أـدـىـ إـلـىـ اـسـعـمـالـ الـأـدـبـ فـيـ غـيـرـ مـاـ وـضـعـ لـهـ مـنـ مـعـنـيـ .ـ

و قد استعمل الأوروبيون "كلـمةـ الأـدـبـ"ـ فيـ مـعـنـيـ غـيـرـ مـاـ وـضـعـ لـهـ ،ـ وـهـمـ يـتـجـاهـلـونـ أوـ يـتـغـاـلـونـ عنـ مـجـالـ الـبـحـثـ وـالـتـحـقـيقـ رـغـمـ اـدـعـائـهـمـ بـاتـخـاذـ المـوـقـفـ الـحـيـادـيـ فـيـ الـاـكـشـافـ وـ الـبـحـثـ وـالـتـحـقـيقـ وـفـيـ مـيـدانـ الـعـلـمـ وـالـمـعـرـفـةـ ،ـ وـاخـتـرـاعـ الـآـلـاتـ الـجـديـدةـ ،ـ وـالـتـكـنـالـوـجـيـاتـ الـحـدـيـثـةـ ،ـ وـيـقـفـونـ موـقـفـاـ مـزـدـوـجاـ إـزـاءـ غـيـرـهـمـ وـلـاـ سـيـمـاـ الـمـسـلـمـيـنـ وـعـلـومـهـمـ وـفـنـونـهـمـ وـحـضـارـتـهـمـ وـ ثـقـافـتـهـمـ ،ـ وـيـؤـلـفـونـ كـتـبـاـ فـيـ السـيـرـةـ الـنـبـوـيـةـ وـالـتـارـيـخـ الـإـسـلـامـيـ مـمـاـ لـاـ يـقـبـلـ وـيـتـصـورـ عـقـلـ رـجـلـ مـؤـمـنـ ،ـ رـغـمـ أـنـ الـعـربـ مـنـ غـيـرـ الـمـسـلـمـيـنـ يـصـفـونـ مـحـمـداـ رـسـولـ اللهـ صـلـىـ اللهـ عـلـيـهـ وـسـلـمـ "بـالـصـادـقـ الـأـمـيـنـ"ـ وـلـكـنـهـمـ يـقـدـمـونـ سـيـرـةـ الرـسـولـ صـلـىـ اللهـ عـلـيـهـ وـسـلـمـ بـأـبـشـعـ شـكـلـهـاـ ،ـ وـأـقـبـحـ صـورـهـاـ ،ـ وـكـمـ أـنـهـمـ يـسـتـعـمـلـونـ الـأـدـبـ فـيـ نـشـرـ أـفـكـارـهـمـ الـهـدـامـةـ ،ـ وـبـثـ آرـاءـهـمـ الـخـاطـئـةـ ،ـ كـذـلـكـ وـسـائـلـ الـإـلـاعـامـ يـسـتـخـدمـونـهـاـ فـيـ هـذـاـ الـمـجـالـ الـفـطـيـعـ ،ـ زـدـ إـلـىـ ذـلـكـ تـسـلـطـ الـيـهـودـ وـ سـيـطـرـهـمـ عـلـيـهـاـ ،ـ وـمـنـ يـطـالـعـ الـكـتـبـ الـغـرـيـبـةـ وـ الـأـدـبـ الـغـرـبـيـ يـعـرـفـونـ جـيـداـ أـنـ هـذـاـ الـأـدـبـ وـالـعـلـومـ تـنـشـرـ الفـوـحـشـ وـالـمـنـكـرـاتـ ،ـ وـتـمـزـقـ رـدـاءـ الـقـيمـ وـالـمـثـلـ الـعـلـياـ الـاجـتمـاعـيـةـ تـمـزـيقـاـ .ـ

يـقـومـ الـأـدـبـ الـنـاقـدـ الـعـرـبـيـ الـدـكـوـرـ مـحـمـدـ مـنـدـورـ بـتـحلـيلـ الـدـورـ الـمـبـنـيـ عـلـىـ الـمـصـلـحةـ الـذـاتـيـةـ،ـ فـيـ كـاتـبـهـ "الـنـمـاذـجـ الـإـنـسـانـيـةـ"ـ "إـنـ فـوـتـرـاـكـ"ـ أـسـيـراـ هـارـبـ يـخـطـبـ الشـابـ السـاـذـاجـ الـذـيـ هـجـرـ قـرـيـتهـ الصـغـيرـةـ إـلـىـ بـارـيسـ وـخـاصـ فـيـ الـعـيـشـ الـمـقـلـقـ الـمـجـرـحـ ،ـ وـاشـتـغـلـ بـالـتـعـلـيمـ فـيـ كـلـيـةـ الـقـانـونـ وـهـوـ يـرـيدـ الصـيـتـ وـالـسـمـعـةـ فـيـ شـيـرـ عـلـيـهـ "فـوـتـرـاـكـ"ـ قـائـلاـ :

"إـنـ الـرـجـالـ الخـمـسـيـنـ أـلـفـاـ كـمـثـلـكـ يـسـعـونـ وـيـكـلـونـ لـكـسـبـ الـمـالـ وـيـسـمـيـتـونـ فـيـ سـيـلـهـ بـعـانـظـرـ،ـ كـمـ تـجـهـدـ

وتسعى له وكم ترهق نفسك وكم من القضايا والمعانات تواجهها، ولا تس أبعضكم علو بعض، أيها الشباب! ألا تعلم أن الناس يتخون طرقاً عديدة لسلوك هذه المسالك الوعرة المفزعه والوصول إلى أهدافهم المنشودة غائبين سالمين. لذا فإنه يجب عليك تد مير هذا المجتمع المحقق بالقلقة والبلبلة كالبراكيين، وهز وإبادة كيان الغير وتصف النفوس والأرواح كالقبلة، وغض واقتحم وسر فيهم كالوباء الفاشي الفاتك، فإن تسلك هذا الطريق ولا تزال تتقدم غير حائف ولا وجل من الناس فيخضعون لك ويتبعونك، وهذا هو مغزى أخلاق عصرنا". فالغرب يعمل بهذه الأصول في المجال السياسي والخلقي، ووسائل الإعلام تتبعها وتحاكى الغرب في كل مجال من مجالات الحياة، لما أن وسائل الإعلام عبارة عن العلم والفن والأدب، إن وقع التغيير في تصور الكون والحياة وقع التغيير طبعاً في وسائل الإعلام.

إذا ذهبنا نستعرض وسائل الإعلام الموجودة اتضحت لنا هذه الحقيقة وتجلى أن العديد من القوم قد أصبح فريسة للظلم والجور، والقهوة والسفك، والهمجية والوحشية لتقليل الحقائق وتحريف المعنى الذي جعل الإنسانية مفلساً ومعدماً من حيث المال والأخلاق، ووسائل الإعلام المعاصر تعين وتدعم وتساند أصحابه وللمعاندين والمعارضين أبلغ من السيف وأحد من النبل والسيف تعرض وتقدم سائر وسائل الشرو والإعلام وتقدم كل جيد وردي، وكل رطب ويابس، وكل حسن وسيء، وتثال من القيم الإنسانية والمثل العليا لتحقيق المصالح الشخصية والأعمال الذاتية ورعايتها.

وسائل الإعلام العالمي يبذل كل نوع من المجهودات الجبارة لتقديم الأحداث والواقعات التي تحدث في العالم الإسلامي بأبهى شكل وأقبى صورة، رغم أنه تقع حادثة وتحدث واقعة في البلدان العربية للظلم والاضطهاد بكثير، لكن لا يحرك بوسائل الإعلام شيئاً ما، وتقدمها في أحسن صورة وتنشر تقارير عن البلدان الغربية في صورة تغلب جانب الصدق والصراحة وبجانب هذه الدعاية يقوم الغرب بنشر الفواحش والمنكرات والأمور التي تشير الأخلاق الإنسانية والضمير الإنساني ويسمونها "الحضارة الجديدة" وتشن الحملة أن الإسلام يظلم النساء ويغنم حقوقهن ويفرض عليهن ويسلب الحرية الإنسانية والحقوق الأساسية، وقد قال المفكر الإسلامي الشيخ السيد أبو الحسن علي الحسني الندوبي رحمة الله وهو يخاطب المؤتمر لتحرير اللغة الأردية: ويمثل ما أريد أن أقول لكم شعر لسان العصر أكبر إله آبادي، فيقول الشاعر: "إنه ليس شيء أحسن صداقة، ولا أبغض عداوة من القلب، فهو الهادي وهو القاتل الفاتك" قال هذا الشعر في القلب أعتبر الصحافة مصداقته، فقلتم سيف ذو شطب، يجعله في أعمال البناء والتعمير كذلك في أعمال الهدم والتدمير، ما تحمل في يدك يكون هادياً وداعياً كاملاً إلى خير، ويكون قاتلاً فتاكاً، فهذا القلم يلعب وينال من أغراض وحرمات القوم في بعض الأحيان وقدر ويكرم في بعض الأوقات فعلينا أن نشعر بمدى مسؤوليتنا (تعمير حيات العدد ١٥، المجلد ٦١، الصادر، ١٠ يونيو ١٩٧٩) .

الصياغة والمثل الإنسانية

فضيلة الشيخ سعيد الأعظمي الندوبي

التعريب: محمد ذاكر الندوبي

إن العمل الإعلامي مازال معترفاً بقيمة ومشاداً بأهميته في كل دور من أدوار التاريخ الإنساني، وبقي نافعاً متتفعاً به في كل زمان من الأزمان، إلا أن العمل الإعلامي قد اشتلت إليه حاجته في هذا العصر أكثر مما كان في غيره، حتى أنه قد بلغ من الأهمية مبلغاً جعله أهم حاجة المجتمع، فإنه إذا كان يتقدم بالإنسانية إلى أعلى منازل الرقي فإنه يهوي بها إلى مهوى سحيق، كما أنه إذا كان يلعب دوراً ملماوساً في تشريح الهمم وكسر العزائم فإنه يمثل أعظم وسيلة لترسيخ المثل الإنسانية العليا وبث الأخلاق الفاضلة، وبعبارة أصح فإنه سيف ذو حدين، إذا صاح استعماله ووضع في موضعه بعث في النفوس الميتة روحًا جديدة وحيوية قوية، وأما إذا لم يصح استخدامه ووضع في غير محله أتى بنتائج وخيمة مما لا نستطيع أن نتصورها.

ويمكن لنا أن نقيس أهمية مصادر الإعلام ومدى رقيها في هذا العصر الراهن بما نشاهد من شمولها لجميع منا حي الحياة، وبلغ تأثيره في المدن حتى القرى والأرياف، وجرى فيهم مجرى الروح والدم، فإن المراكز العلمية الكبيرة والأسواق العالمية والأحزاب السياسية العظيمة تعتمد كلها للذيع صيتها وتطبق نظمها وترويج أفكارها على مصادر الإعلام، وقد أثر العمل الإعلامي كذلك على المسرح السياسي العالمي تأثيراً بالغاً، وإن الإنترنيت والتلفزيون (من بين سائر وسائل الإعلام) احتلا من المكان ما لم يحتله غيرهما.

وإن الدارس للتاريخ الإنساني يعرف جيداً أن الإسلام قد لفت أنظار الناس إلى أهمية العمل الإعلامي منذ أن بزغت شمسه وطلعت تباشيره وجعلت أشعته تنير ما بين الشرق والغرب، واستخدم لنشر دينه العالمي وبث معالمه أصنافاً عديدة من الإعلام، فحينما استعان بالخطابة لترويج رسالته الإنسانية، وحينما اعتمد على الكتابة والرسائل الموجهة إلى الملوك والأمراء، وحينما استمسك بالحكمة والموعظة الحسنة للدعوة إلى الله تبارك وتعالى، ولا نبالغ إذا قلنا: إن الإعلام قد فتح عينيه وهو في مهد الإسلام كما أنه قد تربى ونشأ في ظله.

وكل دارس يعترف بأن اللسان والقلم هما مصدراً رئيسياً لنقل الأفكار والآراء، وللتعبير عن المشاعر والعواطف، ولهم تأثير بالغ يعترف به، إلا أنه تختلف طرق استعمالهما، فإن القلم يستعين به الإنسان لوصف الواقع والأحداث ونقل الأنباء والأخبار، ومن مصادره الإنترنيت والتلفزيون والراديو، واللسان يعتمد

عليه الإنسان كذلك للتعبير عن الأفكار والأحيلة والميول والأنظار ، إلا أن عمل اللسان يتمثل بالخطابة والحووار، ويتم كل ذلك من خلال المؤتمرات والجلسات التي تعرض فيها قضية وتبادل حولها الآراء ، وإن كلمة ”البلاغ“ التي وردت في القرآن الكريم معناها أيضاً إيصال الكلام إلى غيره بكل صدق وأمانة . إن القلم واللسان متهددان في الغاية على اختلافهما في طرق استخدامهما ، فإنهما يهدفان جميعاً إلى الحفاظ على الوحدة والسلبية وإيجاد التواخي والعاطف ، والتعاضد والتسامح بين أفراد المجتمع ، وإلى ترسين المثل الخلقية في الأذهان ، وإلىبعد عن العداوة والحق والضغينة والعصبية والجهالة والدعائية الكاذبة ، ومن هنا يتضح لنا أهمية ما ورد في القرآن الكريم من كلمة ”البلاغ“ . وبالأسف الشديد على ما يقوم به الإعلام العالمي الذي يسيطر عليه الغرب من تشويه الواقع ونشر الرذائل وبث المساوىء والدعائية الكاذبة ضد الإسلام والمسلمين ، فإنه يسعى للقضاء على رسالة الإسلام العالمية وإحداث الفجوات الهائلة في جدرانه المرصوصة سعياً حثيثاً وإن هذه المكائد الخبيثة التي يئن تحت وطأتها العالم الإسلامي تشرف عليهاقوى الغربية والطغاة الجبارية من الصهاينة .

والعجب كل العجب أن الذئاب صارت راعيات للأغنام ، وزاد الطين بلة أن الذين أرقو دماء الناس واستقروا منها ، وعاشوا في الأرض بغياناً وفساداً ، ورقصوا على جثث الموتى بطرأً وتبخراً ، يعتبرهم العالم حاملي لواء الأمن والسلام ، وذلك ل تمام سيطرتهم على مصادر الإعلام ، فلا نجد في الإعلام العالمي شيئاً من الصدق والأمانة ، ولا نجد فيه احتراماً للعواطف الإنسانية والمبادئ الخلقية ، ويلقى الغطاء على جميع النشاطات العلمية والثقافية للعالم الإسلامي ، وعلى الجهود الجبارية التي يبذلها العالم الإسلامي نحو التقدم الإنساني والحضاري . وعلى العكس من ذلك فإن الإعلام العالمي يجعل من الحجة القبة لأى قضية تتعلق بدولة غير إسلامية ، وتبذل كل مافي وسعه من الجهد لتقديمها على المسرح العالمي ، وتأتي بها أمام العالم كقضية ذات أهمية بالغة ، وإننا إذا أردنا أن نبحث عن القيم في الإعلام العالمي فإنما هو السعي للبحث عن العنقاء ، لأنه خالٍ عن جميع معاني الفضيلة والقيم الإنسانية ، وينحصر عمله في القضاء على الإسلام وحضارته ، وبعبارة أصح فإنه رمز للغزو العسكري على الإسلام ومتبعيه .

فإن العمل المزدوج للإعلام العالمي يبعث على القلق لأقصى درجة ، فإنه سوف ينهار بالنوع الإنساني على شفا جرف هارٍ ، فيجب على من له سيطرة على الإعلام أن يستخدموه للأهداف البنائية والأغراض الصالحة وإرساء المثل الإنسانية العليا في المجتمع ، ولمعالجة القضايا التي تواجه الإنسانية ، فليس عنا بعيد ذلك اليوم الذي يسري هذا السم الذي يشه أعداءنا الألداء من خلال العمل الإعلامي في جسدهم ، ويقضي على وجودهم ، فإن هذه الحقيقة تبدو لنا واضحة جلية ”إن الحفرة التي يحفرها الإنسان لغيره فربما يقع فيها هو نفسه“ .

الصحافة، أهميتها و حاجتها

كتبها و نقلها إلى العربية: محمد ذاكر الندوبي

إن الصحافة مأخذة من الصحفية التي هي أحد الألفاظ العربية الأصلية، ومن ذلك ما ورد في القرآن الكريم ﴿إِنَّ هَذَا فِي الْكِتَابِ الْأُولَى، صَحْفٌ إِبْرَاهِيمٍ وَمُوسَى﴾ إلا أن الصحافة قد يكثر إطلاقها في بلادنا على الاشتغال بالإعلام ونشر الأنباء في الصحف والجرائد والمجلات، ويندرج في ذلك جميع الوسائل والآلات التي يتبناها الناس لتحقيق هذه الغاية الإعلامية، من الراديو والتلفزيون واللقاءات والحوارات التي يجريها التلفزيون أو المذيع مع أحد الصحفيين، فمن هنالك ينقسم الإعلام إلى نوعين: الإعلام الإلكتروني والإعلام المطبوع.

وإن الصحافة تمثل أعظم دور وأكبر وسيلة لوصف الأوضاع الراهنة والوقوف على الرأي العام وللتعبير عما يجري في المسرح العالمي من أحداث وقائع، وذهب الناس في تعريفها إلى مذاهب شتى حسب نظرهم إليها، فإن البعض قد عرفها بما يسيء إليها وينال من قيمتها ويحط من شأنها حيث قال: "الصحافة هي أدب عاجل"، وكتاب "ايكسپلورنك جرنلزم" (Exploring Journalism) الذي هو كتاب ذاتي الصيت في فن الصحافة قد ذكر فيه صاحبه تعريفاً للصحافة بقوله: الصحافة تقوم بنشر الأنباء العامة ووصف الأوضاع الراهنة بكل أمانة وثقة مستخدمة في ذلك مصادر الإعلام الحديثة.

إن الوقوف على الأوضاع والاطلاع على الاكتشافات الجديدة أمر طبيعي، فالصحافة تحقق ذلك تماماً، وإن العلاقات التجارية التي كانت جارية بين البلدان المختلفة تقدمت بالصحافة تقدماً ظاهراً، كما أن المطابع كان لها أيضاً دور بارز في ازدهارها، ففي سنة ١٦٦٢ صدرت مجلة أسبوعية متضمنة لأنباء عالمية من مطبعة في لندن، وأول جريدة يومية صدرت في تاريخ الصحافة هي (The London Daily Currente) تم صدورها في سنة ١٧٠٢، ولها قصب السبق في هذا المضمار، وما زالت الصحافة بعد ذلك في رقي مستمر وازدهار متزايد، محتازةً جميع ما تعرض لها من الحواجز والعائق، وأولى الجرائد الصادرة في الهند جريدة (Hicky's Bengal Gazette) أصدرها المسؤول عن الشؤون المطبعية للشركة الهندية التجارية جيمس أكتس هكي (James Augustus Hicky) ثم تلتها

جرائد عديدة مابين شهرية وأسبوعية ويومية في اللغات المختلفة .

إن دول الاستعمار بما فيها من أمريكا وبريطانيا، وروسيا وفرنسا تحمل لها مصالح شخصية ذميمة وتختفي في صدورها من العداوة والبغضاء للإسلام والمسلمين، وتريد السيطرة والتغلب على دول العالم الثالث، كما أنها تحب أن تشيع فيهم الفاحشة والدعارة والانحلال الخلقي، وتزوج فيهم الحضارات الغربية والماركسيّة والشيوعية، وكل ذلك تقوم به هذه الدول الاستعمارية عبر الصحافة ومصادر الإعلام لتمام سيطرتها عليها، فإنها تستغل الإعلام لمصالحها الخاصة وأغراضها الرذيلة .

فأهمية الصحافة معترف بها والحاجة ماسة إليها لأن نسترعى انتباها إلى هذا الجانب المهم الذي قد أغفله الكثير من إخواننا المسلمين، فاستغله أعداؤنا لتحقيق أهدافهم ومصالحهم، وأن نستخدم الصحافة والإعلام لصالح الإسلام والمسلمين، ولنشر الأخلاق الفاضلة والمعالم الدينية والمحاسن الإسلامية والسلوكيات الإنسانية، وأن نأخذ بناصيتيهما لمصالحنا الدينية وأغراضنا الصالحة ، لأن الإسلام يدعونا إلى التسلح بكل ما يتقاده الرمان من الوسائل والآلات، قال الله تبارك وتعالى:

﴿وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم

﴿وآخرين من دونهم، لا تعلمونهم الله يعلمهم﴾

وسائل الإعلام والمثل الإسلامية

بقلم : أبو بكر رهبر

(تعريب: عبد الحسيب الأعظمي)

إن كلام من وسائل الإعلام والمثل الإنسانية ترسم بانسجام متداول لطيف وتصف بارتياط كامل وطيد، فلا يتم ظهور أي وسيلة من وسائل الإعلام، ولا يطير له صيت بدون تمثيل المثل الإنسانية، إيجابياً كان أو سلبياً، كما لا تتحقق عملية نشرها وإذاعتها إلا بذكر القيم الإنسانية، وحتى تقتصر شعبية وسائل الإبلاغ على عرض المثل الإنسانية إيجابياً أو سلبياً.

ومنذ الخمسينيات من القرن الماضي قد أثر كل من التلفراف والإذاعة والكتب والصحف اليومية والمجلات والجرائد، وحالياً الإنترنيت تأثيراً عميقاً بالتدريج، وأحدث سيطرتها على الحياة الإنسانية تغيراً ملماوساً في عادات الحياة وأطوار المعاشرة، وتقدماً ملحوظاً في الأفكار والأراء والآراء والسلوكيات الاجتماعية، وحتى غيرت أسلوب العيش تماماً، ولا يألو اليوم التلفاز والإنترنيت جهداً في النيل من المثل الإنسانية وانتهاك القيم الأخلاقية العليا، فلا ينشط الإنترنيت وقنوات التلفاز إلا في نشر الإعلانات الفاحشة الخلعية العارية، وبث النشرات المثيرة للرغبات النفسية والشهوات الجنسية، وإذاعة الأفلام المفسدة للأخلاق، وذلك لأن هذه الوسائل الهدامة لا تعرف للمثل والقيم اسماء ولا يتخيرون لها رسماء، فإنها قد تم إنتاجها بأيدي أجيال تنكر المثل وتجاهل القيم، وقد تربت ونشأت في ظلمات متراكمة ومجاهل حائلة قائمة، فتعالوا وانرجعوا إلى القرآن الكريم ونقبس منها تلك القيم والمثل الإنسانية.

فإذاً الإسلام قد مثل للقيم والمثل الأخلاقية صورة يعجز عن تقديم مثلها جميع المذاهب والديانات، وهذا هو الإسلام الذي شرف الإنسان بمنصب خير الخلق كما قال الله عز وجل (وفضلناهم على كثير من خلقنا تفضيلاً) وعلم الإنسان احترام نفس الإنسان (من قتل نفساً بغير نفس أو فساد في الأرض فكأنما قتل الناس جميعاً)، ولقنه صيانة العجزة والضعفاء وعفة الفتيات وعصمة النساء ومنحه نظاماً يكفل بحاجته الاقتصادية والاجتماعية، وحضر الناس على تعليم حقوق المساواة ورفض كل اعتراضاً وافتخار وشعور بتفوق وتطاول تخلو عن التقوى وطهارة القلب، فالقرآن الكريم يرشد إليه قائلاً: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكْرَ أُوْلَئِنِي وَجَعَلْنَاكُمْ شَعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعْرَفُوا، إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَنْفَاكُمْ﴾.

وأخيراً أرجو أن هذه السطور المتواضعة ستساعد في فهم أهمية وسائل الإعلام وموافقها الحالية وأن المعمقين وأصحاب الفكر سيرسمون برنامجاً للأمة في هذا الخصوص.

موقع الإسلام من الصحافة

(تعريب: مظہر إحسان)

بقلم: الشيخ إقبال أحمد التدويني

إن من حاجيات الإنسان توصيل الأنبياء والإعلام، و الأنبياء إنما هي من أكبر الوسائل للقيام بهذه الحاجة علاوة على وسائل الإسلام الإلكتروني، والمذيع، والتلفزيونات وما إلى ذلك من وسائل الإعلام التي انتشرت و راحت ولقيت قبولاً عاماً، وإن هذا من محاسن وسائل الإعلام أنها من من حادثة تقع في أي ناحية من الدنيا إلا و تبلغ في العالم كله، وإن كثيراً من الآيات القرآنية تشير إلى الصحافة الإسلامية الأدبية، و تسلط الضوء عليها، فقال تعالى في شأن الرسول صلى الله عليه وسلم ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَ مُبَشِّراً وَنَذِيرًا، وَ دَاعِيًّا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَ سَرَاجًاً مُنِيرًا﴾، و قال تعالى : ﴿مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ﴾، و قال تعالى : ﴿فَهُلْ عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمَبِينُ﴾.

إن الإسلام نظام شامل كامل للحياة، و دستور من الله تعالى أعطاه لخير الإنسان و فلاحه و فوزه في الدنيا والآخرة، فيجب على المسلمين أن يقضوا حياتهم في ضوئه المتكامل، لذا فإن الإسلام إنما وجه إلى هذا القسم من الصحافة من خلال أقسامه الأخرى، و أقام أصولاً متينة و محكمة، فمن ناحية الإسلام تهدف الصحافة إلى جمع الأنبياء الحديثة وتوفيرها، و تكوين الرأي العام و توجيهه بتحليل الأحداث و تجزئتها، و بيانها بطريق تقوم بنشر الخير و بث الحق و الصدق، و تزيل و تبطل المنكرات، و تقلع و تدحر القوى الطاغوتية الكبرى، و تخنق الشر و الفساد.

فتعود المسئولية على الصحافة الإسلامية وغيرها من الوسائل الإعلامية من خلال الآيات القرآنية و الأحاديث النبوية أن تدعوا إلى ابتغاء وجه الله عز و جل، و الفوز في الدنيا والآخرة، و إلى الأعمال الصالحة التي يرضها الله عز و جل، و الأمر بالمعروف و النهي عن المنكر، و إعلان الشهادة، و التأييد للخير و الإصلاح، و النصح للحق و التواصي بالحق و الصبر، و قول كلمة الحق عند سلطان حائر، عملاً بهذه المبادئ ﴿وَ الْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَ الْنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَ اصْبِرْ عَلَى مَا أَصَابَكَ﴾، ﴿وَادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾، ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْإِحْسَانِ وَ إِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَ يَنْهَا عَنِ الْفَحْشَاءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ، يَعْظِمُ كُلَّكُمْ تَذَكُّرُونَ﴾.

وسائل الإعلام والأدب الإسلامي

بقلم : سعود الحسن ندوى

(تعريب: عبد الحبيب الأعظمي)

إن كلمة وسائل الإعلام كلمة معروفة مألوفة في عالمنا المعاصر السريع، فلاتطلق هذه الكلمة إلا وتدور بها النسائر الوسائل الإبلاغية كالصحف اليومية والجرائد الأسبوعية والمجلات الشهرية والفصلية، والإذاعة والتلفاز والإنتريت وغيرها من الوسائل، وقد أصبحت هذه الوسائل الإعلامية أقوى وسيلة وأقوى ذريعة لبث الحديث والآراء والأفكار والخواطرو الهواجس وتميم المأرب والبرامج الشخصية، ولا تزال هذه الوسائل تشهد طوراً متضاعداً حسب محرك الأيام، فإن عملية الاكتشاف والاختراعات تقوم اليوم على قدم وساق، وتوسيع نطاق هذه الوسائل، وتطور الأمر إلى أن وسائل الإعلام قد تحققت لها السيطرة القاهرة على جميع قطاعات الحياة وليس أن تم لها التغلغل في أحشاء البيوت والمقاهي والمعاهد العلمية والمراكم الفكرية والأدبية فحسب بل وتسתר في المضي قدمًا، حتى تعمقت جنورها عميقاً حيث تتأثر عميق في بناء المجتمع وتسيطره في صالح الذاتية، ومن سوء الطالع أن الغرب قد حصلت لها السيطرة على وسائل الإعلام فتفرض على العالم كله آراءها وأفكارها كماتشاء وكما تزيد، لارادع يردعها ولا مانع يمنعها، فتعيث في الأرض فساداً، والمعلوم أن أهل الغرب يتمسكون بذمتهم الخبيثة وهي قولهم: "رددوا الكذب مراراً حتى يتحول الكذب صدقًا" فبناءً على ذلك يعرضون الإسلام على العالم بأسره كدين يقوم على أساس الجحود والعدوان، والتطرف والإرهاب، ولا يهمهم سوى أن يثبتوا أن الإسلام دين التطرف والرجعية والأصولية والإرهاب.

فإذا تصح أن الوسائل المطلعة الراهنة ليست تشكل ضرراً بالغاً لمجتمع صالح فحسب بل وتكاد تقتيك به وتقلبه ظهرأً بطن كان من المحتم أن تخلص أثراها نكمش حدودها، وتمثل أمم العالم جميعاً الأدب الإسلامي الذي يهذب الأخلاق وينقي الفواد ويزكي القلوب والذفون، فإن الأدب لا يحمل اعتباراً إلا إذا انسجم مع الإسلام ويقدم مزاجه وبيته ومثله ومبادئه حقاً وثبت نظريات الإسلام وصدقه وحقانيته بعد أن استمد القوة والحرارة من الكتاب والسنة.

ولتنفيذ كل ذلك تستند الحاجة إلى رجال ومعاهد يعدون أنفسهم لمكافحة هذه الفتنة العالمية حتى يمكنهم وضع حد لها بالمساعدات الاجتماعية وينبغى لهم أن يتوجهوا إلى أفراد يتحمرون لأداء واجب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، ويجب أن يصلحوا خائضوا هذه المعركة نياتهم ويسدوا غاياتهم ولا يقتحم هذه الغمرات سوى الرجال ذوي الهمة السامية الذين لا يطمعون في أي مقابل مادي ولا يقيمون له وزناً ويرتفعون عن أهواء الحواجز وشهوات العطاءات.

لِأَدْبَرِ رَأْيُ سِلَامِيٍّ وَالصَّحَافَةُ

• تعریف: عبد الحسیب الاعظمی • بقلم: الشیخ عبد الرحمن المی الندوی

لأشك أن هذا العهد الزاهر المتتطور عهد العلوم العقلية والتقنية يشهد اتساعاً فائقاً وتصاعداً مستمراً في إطار الصحافة، وأصبحت الصحافة في حياتنا اليومية تشكل ضرورة لا بد منها، وإن أهمية الصحافة الصادقة وانعكاساتها تشمل قصور الحكم وصور الرئاسة، وتحيط بشوارع المدن ودروب القرى والبوادي على السواء .

وتحظى الصحافة بقوة باطنة حارقة حيث ترسخ جذور شجرة المجتمع الصالح وثبتتها في باطن الأرض مرة، ويستأصلها أخرى، وتقلب المجتمع رأساً على عقب، ومن سوء الحظ تسيطر اليوم على الصحافة وتملك زمامها فئات قد تمت صناعة أذهانها وجرت تنشئة عقولها في البيئة الغربية الموبوءة، ونشأت وترعرعت في مناخ يناهض الإسلام، ويتحدى الشريعة الربانية، وقد حضرت هذه الصحافة الغربية المادية الأدب في حدود الجنس والجمال ، وإنما سمت العواطف والمشاعر والأحساس المحضة الأدب بعد أن ألبستها ثوباً قشبياً من ثياب الحسن والبهاء والروعة والجمال، وكستها رداءً غليظاً من زخارف ومتعات مزخرفة مصطعنة لا تمت إلى الحقيقة بصلة ما .

ولكن صرح الصحافة الإسلامية يقوم على أساس الصدق والصفا، فقد رسمت صفحة حياة النبي الكريم صلى الله عليه وسلم بمداد من الصدق والإخلاص والأمانة والفضيلة والعفاف وكلمة الحق، فتعقد الرجاء القوي من وسائل الإعلام الإسلامية أنها ستقوم بتطبيق وصفة الصدق والحق، لأنها عبارة عن الأخبار، عن القضايا والمعضلات، بغية من النزاهة والصراحة، وإنما الأدب الإسلامي يعطي سائر جوانب الحياة ولا تهمه سوى صناعة السيرة الإنسانية .

فتعود إلينا نحن معاشر العلماء المسؤلية أن نقوم بصدق زخارف الأدب الصحفى الغربى المتدقق عصبية وظلمأً وانحرافاً وعدواناً أحسن جلاء حتى تسود جميع كتبنا ومؤلفاتنا مسحة إسلامية وصبغة دينية مهما كان موضعها .

دور وسائل الاعلام الالكتروني في خدمة اللغة الأردية والأدب الإسلامي

بعلم: الدكتور الشاه رشاد العثماني

(تعریف: مظہر احسان)

إن اختراع وسائل الإعلام الإلكتروني قد أحال العالم أجمع إلى قرية صغيرة عالمية مما أدى إلى تسميتها بـ“العمود الرابع” للدولة. وقد تطورت وسائل الإعلام العام وعلى الخصوص فإن التكنولوجيا الإعلامية قد تقدمت تقدماً ملماً تحرمنه العقول، والحقيقة أن العالم كله قد اجتمع وانحصر في شريحة للجوال فضلاً عن القرية الصغيرة. وإن وسائل الإعلام أدت دوراً هاماً في نشر وبث اللغة الأردية التي هي من محاصيل ونتاج الثقافة القومية المشتركة، وهي تحمل راية الاتحاد الوطني والثوابط الطائفية، وهي لغة توأك وتلبى حاجات العصر الذي نعيش فيه، وإن اللغة الأردية مهما كانت وسائل الإعلام تقييم العلاقة والصلة بالเทคโนโลยيا الجديدة، فإن وجود اللغة الأردية في العصر الراهن رهين بمواكبة وسائل الإعلام.

وكما أن التقنيات الجديدة قد تقدمت في جانب، كذلك قد تطور وتقدم المذيع تقدماً هائلاً في جانب آخر، في نشر وتقديم النماذج الأدبية والعلمية، وعرض وعقد البرامج التي تزيل الهموم والغموم، وتفرج عن بعض الكربات، وتشمل الإذاعة نشر الأنباء، والتعليق على الأوضاع الراهنة، وعقد أمسيات شعرية والدراما والمسرحيات، ويأتي كل هذا من طريق اللغة الأردية، وكذا السينما من هذه الوسائل والأدوات التي تقوم بخدمة أردو. فالسينما ولو كانت تنشر بناءً على اللغة الهندية إلا أنه يقف دونها شاعر أو أديب أردي بنسبة تسعين في المائة، وكل من هذه الوسائل قد قام بدور رائع، ومارس أعمالاً جليلة، في خدمة اللغة الأردية.

وأخيراً — لا آخرًا — أسترعى الانتباه إلى أن أصحاب العقول يقولون: إن وسائل الإعلام قد أثرت في قيمنا الحضارية والثقافية والميول الفكرية بجانب الوسائل المادية أو التطورات المادية، وما جلبت إليه في المجتمع من الآثار السلبية لا يمكن التغاضي عنها على أي حال، وتستخدم وسائل الإعلام في فتح باب الفحشاء والمنكرات، والسفور والعرى ونشر الثقافة الغربية التي تجعل المجتمع يفقد روحه وشكله وثقافة الخاصة وآدابه الصافية النقية.

ففي هذه الأوضاع الحالكة المطبقة تزدوج أهمية الصحافة والأدب الإسلامي، لما أن الأدب هو وثيقة تكشف عن حقائق حائرة، وترفع عقيرتها ضد الجور والظلم والانتهاكات الصارخة، والإبادة الجنسية وغumption الحقوق.

وازدادت مسؤوليات أصحاب الأقلام الإسلامية والأدباء والشعراء والصحافيين، فالحاجة تمس بهم أن يتقدموا ويجرروا بالصحافة والأدب والأفكار الإسلامية والقيم الروحية، والأخلاق النموذجية، والمثل العليا، ولا شك أن هناك وسائل محدودة لكن استعمال الوسائل الإعلامية لنشر الأدب الإسلامي حاجة للعصر ملحة، وما يسر أن هناك قدم الإسلاميون خطط لهم في هذا المجال، ويقدمون الإسلام بالأدب الجديد والصحافة.

يقال: الدكتور سليم الرحمن خان تو كيو يابان
تعریف: عبد الحسیب الاعظمی

وسائل الاعلام والاسلام

إن وسائل الإعلام كانت ولا تزال تحتل مكانة مرموقة، وتحمل أهمية بالغة، وبالاخص قد اتضحت اليوم أهميتها جلية واضحة وتزداد يوماً في التطور الفائق والتقدم الباهر نحو الأمام، ولا تقل أهمية أي مجال من مجالات وسائل الإعلام من الوعظ والنصائح والكتابات والصحافة والإذاعة، ومن المشاهد أن الصحف اليومية قد أصبحت ضرورة لازمة للناس، فما أكثر الناس الذين يتضفرون الصحف اليومية ويتابعون الأخبار، ويستمعون إلى الأنبياء عبر التلفاز، أو يقرؤون على الإنترنيت، فذلك شيء ينطوي بأهمية وسائل الإعلام مدوياً، فلذلك يعتبر بعض الناس وسائل الإعلام القوة السادسة أو السلاح السادس، ولكن أي وسائل الإعلام؟ فها هي وسائل الإعلام التي تفيض على الناس الخير، وتفتح لهم أبواب الرشد والهداية، وتتوفر لهم مجالاً أفيح للحياة الوداعية الهانئة، وهي وسائل الإعلام البناءة، لا الهدامة الفتاك، لأن هناك مبادئ ومنطلقات لوسائل الإعلام يستطيع بها الإعلاميون توجيه الأفراد والمجتمعات حتى الدول والحكومات، وذلك أن يتم بث الأنبياء بغایة من التصديق وإطالة الرؤية فيها و إيمان الناظر في أصحابها، كما قال الله جل وعلا: ﴿يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسْقَبْنَا بَيْنَ أَنْ تُصْبِيْوَا قَوْمًا بِجَهَّالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِيْن﴾ بأن إذاعة الخبر المكذوب فيه جريمة عظيمة عند الله وفاحشة علنية كما قال تعالى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَحْبُّوْنَ أَنْ تُشْيِعَ الْفَاحِشَةَ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ فكيف بالذين يعيشون على تلقيق الأخبار و يصبّحون ويمسون على الأساطير؟ وما الرأي في أولئك الإعلاميين الذين يسممون أذهان الجيل المسلم الناشيء، ويلوثونها بقدراً رقماً من الفواحش والرذائل، وحتى يجدوا أن أولئك الإعلاميين قد عقدوا العزم على إغواء المراهقين المسلمين، ويستمرون في إبعادهم عن منابع الإسلام كل البعد، وليس أقل من الكارثة المأساوية أن وسائل الإعلام المعادية للإسلام تنشط اليوم في التليل من المثل الإسلامية العالية والقيم الأخلاقية، وتقدم الإسلام أمام الناس بصورة تكره الإسلام إلى نفوسهم وتزدهر فيه، فهذا حرب شعواء بين الحق والباطل حقاً فتعود علينا المسؤولية أن تتسلّح بكل أسلحة من مجالات وسائل الإعلام، كى ندافع عن الإسلام مع التصدي لوسائل الإعلام المعادية للإسلام والرد عليها بوسائل الإعلام ردأً قاطعاً يفحم الأعداء، ويكمم الأفواه ويشق للإسلام طريقاً واسعاً نحو الأمان .

حاجة وجود الأدب والجاذبية في وسائل الإعلام

بقلم: السيد محمود حسن حسني الندوى

تعريب: عبد الحسيب الأعظمي

إن المطابع منذ ماجاءت إلى حيز الوجود لم تزل تمثل جميع وسائل الإعلام من الكتب والمجلات والجرائد والصحف اليومية دوراً مهماً في تنشئة العقل وتحليله، وتمضي قدماً في صقل العقول وشحذ الأذهان وقلب الاتجاهات والتيارات الفكرية من ناحية إلى أخرى مدينة بالمطابع ورهينة بمنتها وفضلها، وبصفة خاصة تحظى وسائل الإعلام بكامل الحول والطول في عهد العولمة هذا، وتملك زمام مشاعر الناس في العالم بأسره.

والمعلوم لدى الجميع تماماً أن الصحافة تعد من أجدى وسائل الإعلام وأنفعها إذ أن الصحافة توفر للناس من معلومات ومعارف وأنباء طريقة حديثة يستحصل لهم العثور عليها بدونها، وتطلع الجماهير على الأوضاع المتغيرة يومياً، كما تظهر هم على المقالات حول الحوادث والمناسبات والانتسابات والتعقيبات عليها، فلذلك يفوق نفعها نفع الكتب والمؤلفات في غالب الأحيان، ومن هذا الجانب تقف الصحافة على مثابة مرشد يلفت الأنظار إلى الخير والشر وإلى المعروف والمنكر.

وإن الصحافة لا تجدى الناس ولا تشرمهم خيراً إلا إذا كانت غاياتها نبيلة وأهدافها سامية بناءً تصب في صالح الإنسانية غير رامية إلى كسب الثروات وتكديس الأموال، فإن الغایات الهدامة التافهة الحقيرة تلقي بأظلالها الكثيبة المشؤومة على أهداف الصحافة البناء حتى تبقى هذه الغاية الإنمائية مضمورة دفينة تحت وطأة هذه الأهداف الهدامة، ولا تؤثر الصحافة على الناس إيجابياً إلا إذا اتّمت فيها مراعاة أحوال القارئين من المستويات الذهنية والميول الطبيعية عملاً بالقول: كلّموا الناس على قدر عقولهم، فإن النصائح المحضة إذا كثرت ضجر منها القراء وأخافت الصحافة في وطراها، وتزداد الصحافة نفعاً على نفع إذا توفرت فيها الجاذبية والحلاءة الأدبية، والسلامة في المعانى، والرشاقة في العبارات، والسهولة في الأسلوب، والعذوبة في الكلمات، لأن الصحافة إذا عمتها صبغة النصائح والتعليم لا غير قل عدد الراغبين فيها أو سرعان ما يسمون منها على الأقل.

وسائل الإعلام والعناصر الهدامة

(تعريب: الشيخ محمد أسلم)

بكلم: حسرت علي الندوبي

إن الإنسان منذ ما تمكن من النطق والبيان لم يعثر في مبدأ الأمر على نظام يسجل كل ما يتغوفه به الناس وذلك إلى مدة تمتد لأكثر من خمسة آلاف سنين . ورغمًا من أن الحضارة الإنسانية سرعان ما نالت رقياً حثيثاً وتقديماً باهراً أو مضت في قطع مراحل النمو والازدهار، لكن عجزت عن إيجاد أي وسيلة تطوي مسافات الزمان والمكان ، فكان أن تم الاحتفاظ بالمشاعر والأفكار ونقل آثار الزمان عبر المخيلات والذكريات الإنسانية لغيره .

لكن مطلاعة القرآن الكريم تفيد أن وجود الإعلام قد تزامن بدأبة خلق الإنسان فإن الله تبارك وتعالى علم آدم عليه السلام أسماء شتى الأشياء بعد خلقه مباشرة، وأطلع قابيل على كيفية تدفين الجثة من غراب، وأبلغ سليمان عليه السلام خبر ملكة سبا عن طريق هدهد، فهذه البلاغات خبر آية وقدوة للإعلام الإسلامي الذي يعلو بناءه الشامخ ويرتفع صرحو الشاهق على أساس الصدق والنصح والتزاهة والعزة والعرفان والمحاسنة والاحترام المتبدل والانسجام المتكامل، ويرمي إلى الحث على التخلص بالسلوكيات الفاضلة والخلال الحميدة، لا إلى ترويج الفواحش والمنكرات والخلالعة والاستهتار، ولا إشاعة العرى والكذب والنميمة والمكر والخداع .

كما أن الإنسان قد اختبر اليوم لإبداء مشاعره وأحاسيسه وإدلة آرائه وأفكاره وسائل حديثة بدئعة كان يتذرع بتصورها في العهد الماضي، وهي وسائل لا تخوض إلا في خضم نشر الرذائل والأدران والأقدار، ويتم كل ذلك برعائية الغرب، فإن الغرب قد شمر عن ساق الجد لتس溟ي أذهان النشء المسلمين الناضج وتحريف أفكاره، واتخذت لذلك طرائق عديدة منها ما يلي :

- (١) شن الحملة التبشيرية
- (٢) إطلاق حركة الاستشراق
- (٣) إنشاء الحركات المناهضة للإسلام وتعزيزها
- (٤) ترويج الوسائل الملهمة واستخدام وسائل الإعلام في المصالح الشخصية.

وهذه هي الطرق التي يتم بها الهجوم على قيمنا الحقيقة و مثنا الإسلامية العليا وتبذل

المحاولات الكثيفة لصهر المجتمع كاملاً في بوتقة غربية مما يؤدي إلى فساد المجتمع والانهيار في المستويات الخلقية وتشتت الشمل وتمزق الجمع، ويشير فيما بيننا حرباً أهلية شعواء لا يكاد تخمد نارها ويُخبو شواطئها لحظة، وكما يسفر عن الخيبة السياسية والإخفاق الاستراتيجي، فتعود الواجبات إلى كواهلنا أن نقف أمام تلك العواصف اللا دينية الهوجاء العميم سداً منيعاً، ونصد دون هذه السيل الغربية الحارفة صمود الجبال الراسيات التي لا ترتعز عها شدة العواصف ولا تزحزحها لطمة الأمواج الصاحبة، ونرد على المعادين المعاندين ردأً قاطعاً لا يدع مجالاً لعوده الباطل بسبيل يتلو ذكرها:

- (١) إطلاع الأمة الإسلامية لا سيما الشباب على أمثال هذه المكائد الماكدة.
- (٢) صبغ أجواء البيوتات المسلمة بصبغة إسلامية
- (٣) إنشاء مدارس وكليات عصرية تلائم مقرراتها التعاليم الإسلامية
- (٤) تقديم نتاجات تسد مسد منتجاتهم وتغني عن محاصيلهم.
- (٥) عرض نظرية وسائل الإعلام الإسلامية وميزاتها البارزة الشاملة على الجيل الناشيء، ونرجو أن تعود هذه الجهود علينا بشمارها اليائعة وستكون خيراً وسيلة لتطهير وسائل الإعلام من العناصر الهدامة بإذن الله جل وعلا.

صلامع الكاتب في كتابه في ضوء الكتاب "معنون علىي المؤلف قمنا المحبه المالي"

• بقلم: شمس الحق العثماني • تعریف: مظہر إحسان

إن أصناف الأدب كلها تنتمي الرجل عن حياة الرجل الآخر ، إما بواسطة الاطلاع الحقيقي ، أو بفضل البصيرة الثاقبة التي توجد في الأدب .

إن الكاتب قمر السنبهلي قال في كتابه ”في نظري“ تحت عنوان ”كلمة المؤلف“ :

”إن هذه العناوين قد كتبت بفيض الخاطر انفعالاً بعض الكتاب أو تعريفاً بعض الأدباء أو تقديمأً لكلمة التعازي إلى بعض الراحلين إلى الله عز وجل ، وقد أتى في إطاره شيء من النقد وعرض الرأي .“

ويقال إن قمر السنبهلي يمارس دوراً فعالاً في التعريف بأفكار الشخصيات وأراءهم وأحوالهم الصالحة ، ومن يدرس كتابه بنظر عميق ، ويطالعه بدقة يكشف له عن فكر الكاتب الثاقب ونظرة السيد ، والدكتور عبد الله عباس التدويني البروفيسور بجامعة أم القرى مكة المكرمة سابقاً قد بدأ انطباعاته وانفعالاته بمجموعته الشعرية بـ ”عمود الصوت“ قبل ١٢ عاماً بهذه الكلمات : ”من حسن الاتفاق أنتي واقف على الشاعر قمر السنبهلي ومعرف بمواهبه الشعرية ، إلا أنني إن لم أكن واقفاً عليه ولا على خلفيته الأسرية ولا على ما ورثه عن آبائه وكباره من القيم الدينية والعلمية ولا مطلاعاً عليها ، فيكفي بعض من الغزل والأبيات العديدة المتفرقة من منافذ هذه الأبيات للاطلاع على سيرته العطرة والغثور على شخصيته الكبرى الخلابة ، يعني قريحته الشعرية كانت أم مجموعة مقالاته ”في نظري“ فكلها يدلان على ملامح حياة الكاتب .“

فيكتب الكاتب في مقاله عن الشاعر حفيظ الميرتهي وهو يعلق عليه فيقول : من أبرز ملامح كتابه ”المواساة الإنسانية“ وهذا دليل بين لكونه شاعر إسلامياً قد بيّن على سبيل المثال :

ما كان بالفقراء أو الأثرياء دموع تترقرق
أقسم بالعينين ! لا يهدأ لي بال

وكتب عشرت الكرتورى تعليقاً على ”عمود الصوت“ :

”ما أخذ في نفسي من قريحته الشعرية هو أنه لا دخل هناك في قصائده للغموض والخفاء .“

إن الشاعر قمر السنبهلي من الآلاف المؤلفة من الشعراء الذين يدعون من الواقعين على الفنون التاريخية المليئة بالخطورة ، لمان المواد التاريخية في الحقيقة هي ما يكون مبنياً على ميزات للمدح بارزة ، أو جوانب للأحداث رائعة في ضوء الآداب والقوانين لكتابه التاريخ ، وشغفه الرائد بهذا الفن يتحلى وينكشف في نبرات قلمه عن الانطباعات الشخصية للكتاب والأدباء وأصحاب الفكر والفن في مجموعته ”في نظري“ مما أدى إلى كون كتابه جاماً شاملاً لملامح حياة آلاف من الناس وروائعها علاوة على جمعه مسقط رأس هؤلاء الأدباء وزمانه وتعليمهم وتعلمهم ووفاتهم مما تشيد به مباني تاريخ الأدب .“

رابطة الأدب الإسلامي العالمية (الهند) تعقد ندوتها الأدبية السنوية (٣١)

على عنوان "دراسة مقارنة لشعراء شبه القارة الهندية والبلدان العربية"

تحت رعاية مدرسة جبريل الدولية في بيت الحجاج بコولكاتا بولاية بنغال

الغربيّة بتاريخ ١٤-١٦ / ديسمبر ٢٠١٢م

إعداد: إقبال أحمد الندوى الغازى فوري

خطبة الافتتاحية الرئيسية

إن مجال الأدب مجال واسع و شامل، فإن الأدب يتصل بالدين و الدنيا معاً، كما يتعلق باللسان و العقل و الفكر جنباً لجنب، و يشمل النشر و النظم، و قد وهب الله تعالى للإنسان صلحيات كثيرة و موهاب عديدة، فإنه يفكر حيناً غارقاً في التفكير، و يشعر مرة بالسرور و الحبور، و مرة بالحزن و الألم، و تبدو علامات كل منهما في وجهه، و يكون لسان الرجل مثلاً له و معبراً عمما في قلبه، و له الخيار في استخدام لسانه كيف شاء، و لكنه إذا استعمله في أغراضه نبيلة و معان سامية كان له أثر طيب، و يعجب العقل و الفكر، و نسميه كلاماً حسناً و أدباً صالحاً.

عبر عن هذه الكلمات الرئيسية سماحة الشيخ السيد محمد الرابع الحسيني الندوى رئيس رابطة الأدب الإسلامي العالمية لشبه القارة الهندية في الجلسة الافتتاحية للندوة الأدبية السنوية الإحدى و الثلاثين التي عقدها مكتب رابطة الأدب الإسلامي العالمية في مدينة كولكاتا الغربية بولاية بنغال الغربية (الهند) بتعاون و استضافة من مدرسة جبريل الدولية فيها، و ذلك في ٢٩ محرم الحرام و ٢١ / صفر ١٤٣٤ هـ الموافق ١٦-١٤ / ديسمبر ٢٠١٢م، على عنوان "دراسة مقارنة لشعراء شبه القارة الهندية و البلدان العربية".

و أضاف الشيخ السيد محمد الرابع الحسيني الندوى قائلاً و هو يلقي الضوء على تأسيس رابطة الأدب الإسلامي العالمية إن سماحة الشيخ السيد أبي الحسن علي الحسيني الندوى رحمة الله تعالى الرئيس المؤسس للرابطة لما أدرك أن صلة الأدب تقطع عن الدين

ولا يصل الناس بالأدب إلى الدين، وإنما يعتبرون كل واحد منهما معارضًا للأخر، أرسل الكتابات و الرسائل إلى مختلف الأدباء و الشعراء و العلماء و الكتاب و جاء منهم الرد الحسن البناء، ثم عقد مؤتمر عالمي في ندوة العلماء عام ١٩٨١م تحت رعاية و إشراف سماحته، حضره عدد و جيه من الكتاب و الأدباء و الشعراء من العالم العربي الإسلامي، وبفضل هذا المؤتمر تم تأسيس الرابطة عام ١٩٨٦م.

و قال أيضًا إن الأدب كان يستعمل في السابق لأغراض التسلية النفسية و المتعة العقلية و الترفة الفكرية بل للإلحاد و الزندقة، و كان بعض الأدباء المحترفين يحتكرون الأدب لمصالحهم الشخصية المخدودة، فكانت الحاجة ماسة إلى معارضة هذه الفكرة و تقديم أدب قرآني و حقيقي، فنهض لهذا الأمر سماحة الشيخ السيد أبي الحسن علي الحسيني الندوبي رحمه الله تعالى، ظهرت هذه الرابطة العالمية العظيمة الجليلة بفضل جهوده الكريمة النبيلة، و منذ ذلك اليوم لا تزال تقوم رابطة الأدب الإسلامي العالمية بنشر الآداب الصالحة البناءة و عقد الندوات و المؤتمرات و ترتيب اللقاءات بين الأدباء و الكتاب على مختلف المستويات، و هذه هي ندوتها السنوية الكبيرة الإحدى و الثلاثون من هذه السلسلة الذهبية، و علاوة على ذلك قد انعقدت عشرات من الندوات على المستوى المحلي، و هذه الندوة ليست ندوة إقليمية فحسب و إنما هي ندوة سنوية على مستوى شبه القارة بل ندوة عالمية لأنها حضرها بعض من الأدباء و العلماء من إفريقيا الجنوبية و بريطانيا أيضًا مع من حضروا من أنحاء الهند المختلفة.

و قال سماحته أيضًا مشدداً على ضرورة تقديم الأدب الصالح المفيد للأطفال و النشء الإسلامي الجديد: نحن بحاجة إلى أن نقدم الأدب للأطفال في لغات سهلة مختلفة، و خاصة تشتت الحاجة إلى ذلك بصورة أكبر و أكثر في بلد علماني مثل الهند، لأن من طبيعة الأطفال أنهم يذكرون دائمًا ما يتلقون في صباهم و لا ينسون ذلك أبداً.

و ألقى قبل ذلك فضيلة الشيخ ندر الحفيظ الندوبي عميد كلية اللغة العربية و آدابها بجامعة ندوة العلماء و مدير الجلسة الافتتاحية كلمة تمهيدية في بداية الجلسة، عرّف فيها بالموضوع مسلطًا الضوء على أهميته، مع التعريف برابطة الأدب الإسلامي العالمية و نشاطاتها و خدماتها.

تقرير السكرتير:

كما قدم الشيخ ندر الحفيظ الندوبي تقرير سكريتير رابطة الأدب الإسلامي العالمية الشيخ محمد واضح رشيد الحسيني الندوبي جاءت فيه بعض التفاصيل عن نشاطات و خدمات الرابطة،

و خاصة لشبه القارة الهندية، و عن الموضوع و محاوره، فقال الشيخ محمد واضح رشيد الندوى في تقريره: إن غرض تأسيس رابطة الأدب الإسلامي العالمية هو تطهير الأقلام و الألسن من زلامها و هفواها، فمن الحقيقة الناصعة أن سوء استخدام الأقلام و الألسنة أتى بكثير من المصائب و المشاكل على الإنسان في كل دور من أدوار التاريخ، لأن الناس يعتبرون الأدب بتأثير الفكر اليوناني أنه مجرد آلة لتقديم الأفكار الداخلية و العواطف الإنسانية أمام الآخرين بأسلوب مؤثر خلاب، و بطراز رائع حذاب، سواء كان أثره على القلب أو المجتمع حسناً أو سيئاً. و لتصحيح مسار الأدب و تحقيق هذا الغرض تأسست رابطة الأدب الإسلامي العالمية، لأن الأدب سيف ذو حدين، يمكن أن يستخدم في الخير و في الشر معاً، و هو خير وسيلة لتكوين خلق الإنسان و سيرته، و ذريعة رائعة لـلقاء الإنسان على الصراط المستقيم المؤدي إلى التعمير و الإصلاح و الصلاح و الفلاح، مبعداً إياه عن المنهج الموصى إلى استصال الأخلاق النبيلة الفاضلة و المثل الإنسانية العالية. و إن القوة البينية المنقطعة النظير و صلاحية التعبير عما في الضمير نعمة عظيمة جليلة من المولى العلي القدير أنعم بها على الإنسان، و قد ذكر الله تعالى ذلك في معرض المدح و الثناء فقال: خلق الإنسان، علمه البيان، و جاء في الحديث النبوى الشريف: و إن من البيان لسحراً، و لو استعرضنا المجتمع الإنساني الحاضر و ما يعانيه من الفساد و الدمار و الفوضى الخلقية لعرفنا واضحاً جلياً أن أكبر عامل و أعظم سبب لهذا الفساد هو سوء استخدام هذه الموهبة الأدبية، و لأجل ذلك فإن الحاجة ماسة إلى أن توجه القدرة الأدبية و الملكة البينية التي قد وسّع دائرة نطاقها و مجال تأثيرها الإعلام المعاصر توجيهها صحيحاً، و تستخدم في بناء السيرة الإنسانية المثالية و إعادة العزة و الكرامة إليها.

كلمة الترحيب والاستقبال

و قد قيل ذلك الشيخ المقرئ إسماعيل ظفر مضيف الندوة و الداعي لها و رئيس مدرسة جبريل الدولية بكونكتاتا كلمته الترحيبية، ذكر فيها بالتفصيل تاريخ مدينة كولكاتا، و ألقى الضوء كاماً على نوافع العلم و الأدب فيها و الدور التعليمية و المؤسسات العلمية و المنظمات الخيرية، و خدمتها الدعوية و التعليمية و الإصلاحية. فقال إن مدينة كولكاتا مدينة قديمة و تاريخية، و كانت عاصمة الهند لمدة طويلة، و استضافت قوافل العلم و الأدب مرات و كرات، و سارت على طريق العلم و العمل سيراً حيث توجد آثارها لامعة براقة حتى اليوم كذلك، فقد استضافت هذه المدينة قافلة المجاهد الجليل السيد أحمد بن عزفان الشهيد رحمه الله تعالى خلال سفره للحج و زيارة بيت الله الحرام، كما كانت مركزاً للمجهودات الدعوية و العلمية و منبراً

رائعاً للخطب و المحاضرات السياسية و الإصلاحية للشيخ أبي الكلام آزاد أول وزير التعليم العالي للهند الحرة، و أصدر منها جريديته الهلال و البلاغ، فهذه المدينة تفخر و تفتخر بحظها و سعادتها مرة أخرى.

كلمة الوفود

و تحدث في الجلسة الافتتاحية رئيس قسمى اللغة العربية و اللغة الفارسية بجامعة دربن بافريقيا الجنوبية الدكتور السيد سلمان الندوى بحل العلامة الشيخ السيد سليمان الندوى رحمه الله تعالى التلميذ النجيب للعلامة شibli النعmani و المؤلف الجليل في السيرة النبوية و صاحب المؤلفات الكثيرة و هو يمثل المندوبين قائلاً إن الأدب له صلة و علاقة بالإنسان من أول خلقه، فإنه يبدأ عمله و يؤثر أثره في الطفل منذ ولادته، فينبغي أن يوجه الأطفال إلى الأدب الهدف البناء من بداية أمرهم، و في أول مرحلة من مراحل حياهم.

كما ألقى الشيخ عزيز الحسن الصدقي مدير المدرسة الدينية بغازيفور بعض الأضواء على خدمات رابطة الأدب الإسلامي العالمية و نشاطاته في مجال الأدب و العلم و الدين. و تحدث في الجلسة الشيخ أنيس الرحمن القاسمي مدير الإمارة الشرعية بفلواري شريف (بتنه) أيضاً فقال إن علينا منة كبيرة لسماحة الشيخ السيد أبي الحسن علي الحسيني الندوى رحمه الله تعالى حيث أدرك مسيرة الزمان و وصف لرشده و صلاحه وصفة في صورة رابطة الأدب الإسلامي العالمية، التي تخدم الأدب و الدين معاً، و قال أيضاً إن الأدب لم تزل صلته قائمة بالحياة منذ أول يومه، كما نجد الأدب لدى العلماء الربانيين و المربيين المرشدين في أقوالهم و كتاباتهم. و تحدث في الجلسة كذلك البروفيسور منال شاه القاديри نائب رئيس أكاديمية أردو لولاية بنغال الغربية، و الشيخ عيسى المنصوري رئيس المؤسسة الإسلامية بلندن فعبر عن خواطيرهما و انتبهما حول رابطة الأدب الإسلامي و جهودها الأدية و أشاداً بخدماتها.

و الجدير بالذكر أن الجلسة الافتتاحية انعقدت في قاعة كبيرة للمحاضرات في كولكاتا تسمى بـ "ساننس ستى". أما جلسات البحث فقدت كلها في بيت الحاج. و ترأس الجلسة الافتتاحية سماحة الشيخ السيد محمد الرابع الحسيني الندوى رئيس رابطة الأدب الإسلامي العالمية لشبه القارة الهندية، و أدار الجلسة فضيلة الشيخ نذر الحفيظ الندوى عميد كلية اللغة العربية و آدابها بجامعة ندوة العلماء لكتاؤ، و افتتحها المقرئ محمد عارف بتلاوة آي من الذكر الحكيم، بينما قدم الشاعر الإسلامي أنيس البرخاصوي و الدكتور

تابش مهدي بعض أبياتهما في المديح النبوى الشريف في هذه الجلسة الافتتاحية و الجلسات الأخرى أيضاً.

جلسات البحث

بعد الجلسة الافتتاحية عُقدت خمس جلسات للبحوث و المقالات، قدم من خلالها ما يقارب خمسة و خمسين بحثاً قياماً على المحاور المختلفة لموضوع الندوة، و من بين هذه البحوث ثمانية بحوث كانت في اللغة العربية، و بحثان في اللغة البنغالية، و بحث واحد في الإنجليزية، و كانباقي في اللغة الأردية.

أسماء رؤساء جلسات البحث

و أما أسماء من ترأسوا جلسات البحث الخمس بالترتيب فهم (١) الدكتور السيد سلمان الندوى رئيس قسم اللغة العربية و اللغة الفارسية بجامعة دربن بافريقيا الجنوبية (٢) البروفيسور عبد الباري رئيس قسم اللغة العربية سابقاً بجامعة علي جراه الإسلامية (٣) الشيخ عزيز الحسن الصديقي مدير المدرسة الدينية بغازيفور (٤) الدكتور سعيد الأعظمي الندوى مدير دار العلوم ندوة العلماء و (٥) الشيخ أنيس الرحمن القاسمي مدير إدارة الإمارة الشرعية بفلواري شريف (بنته)، بينما أدار الجلسات بالترتيب كل من الشيخ محمد خالد الندوى الغازيفوري أستاذ الحديث الشريف بجامعة ندوة العلماء (٦) الدكتور سمير أحتر من قسم اللغة العربية و آدابها بجامعة علي جراه الإسلامية (٧) الشيخ محمد إنعام الله القاسمي الأستاذ بالمعهد الإسلامي بمانك مئو (سهازنفور) (٨) الدكتور جمشيد أحمد الندوى من قسم اللغة العربية و آدابها بجامعة علي جراه الإسلامية و (٩) الشيخ عبد الباسط الندوى الأستاذ بالمعهد العالي للتدريب على الافتاء و القضاء بفلواري شريف (بنته).

و بعد نهاية جلسات البحث أبدى الرؤساء آراءهم حول البحوث و المقالات التي قدمت فيها و علقوا عليها، و خاصة الدكتور السيد سلمان الندوى أبدى رأيه قائلاً إن العناصر الغير الإسلامية قد دخلت في الإسلام في أدوار مختلفة من التاريخ، و قد دخلت هذه العناصر في الإسلام في سابق الزمان عن طريق الفلسفة و علم الكلام فنهض الإمام الغزالى و واجه هذه العناصر بشدة، أما الآن فإنما تدخل في الإسلام عن طريق الأدب، فيجب على رابطة الأدب الإسلامي العالمية التي هي منظمة أدبية عالمية أن يهتم هذا الجانب اهتماماً بالغاً، فلا غاية لإنشائها إلا معارضة الأفكار الملحدة و المذاهب الأدبية المهدامة لا غير، و ليست هذه الندوات

و المؤتمرات و اللقاءات و المنشورات التي تقوم بها رابطتنا للأدب الإسلامي إلا حلقات من هذه السلسلة الذهبية، و الله الحمد و المثلة على ذلك. و قال الدكتور السيد سلمان أيضاً إننا قد كبرت سننا و بلغنا حرساً من دهرنا و صرنا شيوخاً، و لكن الشباب و خاصة النشء الإسلامي منهم يحتاجون إلى أن يقدم لهم الأدب المثالي البناء، و أيضاً إن هذا العصر عصر الإعلام، و قد نشر الإعلام شبكته في كل جانب، فيجب الاهتمام بذلك كذلك.

أما الدكتور سعيد الأعظمي الندوبي مدير دار العلوم ندوة العلماء لكتاؤ فقال في خطبته الرئاسية معلقاً على البحوث و المقالات و هو يشجع الباحثين على البحث و التحقيق و السعي و الاجتهداد في العلم و الفن إن مجال العلم و الفن و العقل و الفكر قد توسع توسيعاً كبيراً، و لا يزال يتطور أصحاب الفن في كل ناحية من نواحي العلم و الفن، سواء كانت العلوم الشرعية الدينية أو كانت العلوم الطبيعية و التكنولوجية، قد تنوّعت هذه العلوم كلها تنوعاً كبيراً. و قال أيضاً يجب اتخاذ التدابير اللاائقية و الوسائل المتاحة الميسرة للتقدم في مجال العلم و الفن، و مهما يتقدم الإنسان إلى الأمام، يزداد حاجة إلى الأدب كذلك، و يجب التحليلية بمحليه الأدب لجعل العلم مثراً و نافعاً للآخرين، فقد قال رسول الله صلى الله عليه و سلم : أدبني ربى فأحسن تأديبي، كيف نستفيد بعلمنا و ننفع به غيرنا؟ يجب لذلك تعلم الأدب، و لأي رجل أي طريق تتحذ؟ و كيف ندرس الطلاب؟ و أي وسيلة تتحذها لذلك؟ يجب التحليلية بالأدب لذلك كله.

و قال الشيخ عزيز الحسن الصديقي مدير المدرسة الدينية بغايزفور مثيراً إلى ما قاله سماحة الشيخ السيد محمد الرابع الحسني الندوبي رئيس رابطة الأدب الإسلامي العالمية لشبه القارة الهندية و ما جاورها من البلدان، عن الأدب و أهميته: لكي ننشر الخير و الفلاح للنوع البشري يجب نشر الأدب الإسلامي و ترويجه و دعمه، ففي مثل هذا العصر الذي ينشر فيه الفساد و الفحش و البذاعة و الخلاعة و المخون و الزندقة و الإلحاد، و كل ذلك باسم الأدب، و تقطع صلة الأدب عن الدين و المثل الإنسانية العليا يجب ترويج الأدب الإسلامي و نشره بالتأكيد و التشديد، و كذلك أبدى البروفيسور عبد الباري و الشيخ أنيس الرحمن القاسمي آراءهما و انطباعاًهما أيضاً.

قائمة أسماء الباحثين

أما الذين قدموا بحوثهم في الندوة على محاور الموضوع المختلفة فقائمة أسمائهم طويلة، و فيما يلي أسماء بعض أهم الباحثين، و في مقدمتهم:

فضيلة الشيخ السيد محمد الرابع الحسني الندوبي، و فضيلة الشيخ السيد محمد واضح رشيد الحسني الندوبي، و الدكتور سعيد الأعظمي الندوبي، و البروفيسور أبو سفيان الإصلاحى، و الدكتور سميح أختر، و الدكتور محمد غيث الدين الندوبي، و الصحافى الجليل السيد علي من كولكاتا، و البروفيسور عبد البارى رئيس قسم اللغة العربية بجامعة علي جراه سابقاً، و الشيخ محمد خالد الندوبي العازيفوري، و الدكتور محمد عتيق الرحمن، و البروفيسور محسن العثمانى الندوبي، و الدكتور تابش مهدي، و الشيخ محمد ناظم الندوبي رئيس المعهد الإسلامي بسهازنفور، و الشيخ محمد إنعام الله القاسمي، و الشيخ عيسى المنصوري رئيس المؤسسة الإسلامية بلندن، و الشيخ إقبال أحمد الندوبي المدرس بجامعة ندوة العلماء لكناؤ، و الشيخ محفوظ الرحمن العثمانى الرئيس المؤسس لجامعة القاسم فى ولاية بيهار، و الدكتور محمد طارق الأيوبي الندوبي من جامعة علي جراه، و الدكتور صباح إسماعيل الندوبي منسق الندوة، و الشيخ توقير عالم من علي جراه، و الدكتور إحسان الله فهد الفلاحى من جامعة علي جراه، و الشيخ شاكر فرج الندوبي الأزهري مدير مجلة المظاهر بسهازنفور، و الشيخ سعود الحسن الندوبي من عازيفوري، و الدكتور سرور عالم الندوبي من جامعة بنته، و الشيخ طلحة بن أبي سلمة الندوبي من كولكاتا، و الأخ محمد ذاكر الندوبي الباره بنكوى، و الأخ محمد ذاكر السهازنفورى، و الأخ مظهر إحسان الفورونوى، و الأخ محمد أسلم المهاreshtri، و الأخ خورشيد عالم الميرتى، و الأخ محمد صفوan الكلكتوي كل هؤلاء الإخوة من طلبة دار العلوم لندوة العلماء، و الدكتور سعيد الرحمن من جامعة عاليه بکولکاتا، و الدكتور محمد شيم أختر القاسمي من جامعة عاليه بکولکاتا، و الدكتور محمد شمس الدين من جامعة عاليه بکولکاتا، و الدكتور محمد أشرف على من جامعة عاليه بکولکاتا، و الدكتور أنسى الرحمن من جامعة عاليه بکولکاتا، و الدكتور إشارت على ملا من جامعة عاليه بکولکاتا، و الشيخ عبد المصور الندوبي من مهاراشترا، و الدكتور معراج أحمد من جامعة عاليه بکولکاتا، و الدكتور مسيح الرحمن من جامعة عاليه بکولکاتا و غيرهم.

الأمسية الشعرية

و بهذه المناسبة عُقدت أمسية شعرية أيضاً، بعد صلاة العشاء في ١٥ / ديسمبر ٢٠١٢ م أنشد فيها الشعراء المحليون و الوافدون أبياتهم، و كان من المقرر أن يترأس الأمسية الشعرية الشاعر المعروف بکولکاتا شيم قيسير، و لكنه أصبح مريضاً و اكتفى بإنشاد بعض أبياته فقط، و رجع إلى مقره بعدما جلس قليلاً، ثم ترأسها شاعر المدح النبي الدكتور تابش مهدي، و

أدراها عاصم شاهنواز و هو من الشعراء المعروفين و يحسن إدارة مثل هذه الأمسيات. أما الشعراء الذين أشدوألياهم من داخل كولكاتا و خارجها فهم قيسر شيم، و أحمد معراج، و هدم نعماني، و مشتاق هاشمي، و أسلم الكهنوبي، و مرشد عالم الندوبي، و أحمد كمال حشمي، و سحر جبدي، و سرور عالم الندوبي، و مظهر كبرياء، و أشرف يعقوبي، و طالب الصديقي، و نسيم فائق، و جميل حيدر شاه، و الدكتور غيث الندوبي، و ضمير يوسف، و أنيس البرخاصوي، و جاويه همايون، و إرشاد آرزو، و فراغ روحي، و محمود راهي، و نسيم عزيزي، و إمام أعظم، و المقرئ إسماعيل ظفر، و خالد الغازيفوري، و الدكتور تابش مهدي.

الجلسة الختامية القرارات و انطباعات المندوبين

بعد الجلسة الافتتاحية و خمس جلسات للبحوث انعقدت الجلسة الختامية في ١٦ / ديسمبر ٢٠١٢م تحت رئاسة سماحة الشيخ السيد محمد الرابع الحسيني الندوبي، عرضت على الحفل أولاً قرارات وافق عليها الحضور بالصوت، قرأها الشيخ نذر الحفيظ الندوبي، ثم قدم كل من البروفيسور محسن العثماني، و الشيخ المفتى أحمد الديولوي رئيس جامعة علوم القرآن بجمبوسر (غجرات) و الدكتور السيد سلمان الندوبي رئيس قسمي اللغة العربية و اللغة الفارسية بجامعة دربن بإفريقيا الجنوبيّة انطباعاتهم، و أبدوا سرورهم بهذه الندوة الأدبية و تقديرهم لها، و مدى تأثرهم بالرابطة الأدبية الموقرة مع التأكيد على ضرورة عقد مثل هذه الندوات في المستقبل.

و مما جاء في القرارات أنه لما يوجد جزء كبير من الأداب الإسلامية و الحضارة الدينية الإسلامية في اللغة الأرديّة فترجو هذه الندوة لرابطة الأدب الإسلامي العالمية من الملة الإسلامية الهندية أن سوف تقرأ اللغة الأرديّة و تكتب بها في بيوكها أكثر فأكثر، و يوجه الأطفال إلى القراءة و الكتابة في الأرديّة أيضاً بجانب العلوم العصرية الأخرى، و يعرفون بالجرائم و المحلاطات و الكتب التي يقدم فيها الأدب الإسلامي البناء، و يجد بذلك كله الجيل الجديد فكرة جديدة إيجابية و بناءة.

كما تبدي رابطة الأدب الإسلامي العالمية بصفتها حركة أدبية عالمية أسفها الشديد على أنه تبذل الجهد و المساعي لنشر العلوم و الأفكار الازدية في العالم كله، و تداعع الأفكار الباطلة و النظريات المدamaة في كل ناحية من نواحي الحياة، و لكن طبقة كبيرة من

الأمة الإسلامية ساكتة بإزاء ذلك بدون وعي و شعور بالوضع الراهن، و لا يحرك فيها ساكتاً في هذا المجال.

و أن هذه الندوة تبدي سرورها على ما حدث من ثورة فكرية و عملية في بعض البلدان من العالم الإسلامي في الآونة الأخيرة، حيث تنهض عناصر صالحة و طاقات فعالة قد هزمت الأفكار الفاسدة و الآراء الرائفة و الآداب الماجنة، و تستمر مساعيهم بصورة مستقلة، و لا شك أن موقفهم هذا سوف يؤدي إلى سيطرة و سطوة الأفكار الصالحة و الآراء الإسلامية فيسائر العالم.

الخطاب الرئاسي

و في الأخير ألقى ساحة الشيخ السيد محمد الرابع الحسيني الندوى كلمته الختامية الرئاسية، فقال إن من أهداف رابطة الأدب الإسلامي العالمية أن يبقى في الناس ذوق علمي و أدبي و شعري و فني على المستوى العالمي، و ذكر أنه كان من المعروف في العالم قبل مجيء الإسلام أن الأدب لا يمت إلى الدين بصلة ما، و كان هذا الرأي خطأ، فلما جاء الإسلام راعى الأدب و أشرف عليه و جعله في ظله و أخذه في كنفه، فسجد العالم كله لما رأى في القرآن من الأدب العالي و البلاغة السامية، و سلم الناس صلة الأدب بالدين، ثم جاء دور آخر للأدب فيه من حماية الدين و رعايته، و اعتبر مشابهاً للإخلاص و الزندقة، فتحملت رابطتنا الأدبية مسؤولية مكافحة هذه النظرية، و هي موقعة و ناجحة في جهودها حتى الآن إلى حد كبير، و الحمد لله على ذلك.

كلمة الشكر

و أخيراً تقدم الدكتور صباح إسماعيل الندوى مدير مدرسة جبريل الدولية و منسق الندوة بتوجيهه أسمى معاني الشكر و التقدير إلى المندوبين و المساهمين و الحضور، و انتهت الندوة بدعاء من رئيس الرابطة و رئيس الجلسة.

رابطة الأدباء والكتابين المسلمين (الندوة) بعقد ندوتها الأدبية السنوية (٣٢)

على عنوان أدب السيرة في الأردية في القرن العشرين والمثل المثل فيه

تحت رعاية مؤسسة العلامة أبي الحسن على الندوة التعليمية والخيرية بعل جراح

١٣ فبراير ٢٠١٣ م يوم السبت والأحد

إعداد: إقبال أحمد الندوى الغازى فوري

خطبة الافتتاحية الرئيسية

إن أدب السيرة أدب ذو ألوان مختلفة وصفات متعددة، وهو أدب يحمل في طيه تأثيراً كبيراً، وهو مرآة صادقة لصفات الإنسان الذاتية وخصائصه الشخصية المتعددة، وتحتاج فيه المناهج الفكرية والنظرية والشخصيات الأدبية لكل من صاحب السيرة وكاتب السيرة معاً، ويكتب كاتب السيرة عن أحواله ومزايده وذوقه و هواه و مشاهدته، ويظهر هذا الموضوع بأساليب مختلفة، ولا يقرأ فيه القارئ السيرة فحسب، وإنما يقرأ كاتب السيرة أيضاً.

غير عن هذه الأفكار والأراء ساحة الشيخ محمد الرابع الحسيني الندوى رئيس رابطة الأدب الإسلامي العالمية لشبه القارة الهندية في خطبته الرئيسية التي قدمت في الجلسة الافتتاحية للندوة الأدبية السنوية الثانية والثلاثين التي عقدها مكتب رابطة الأدب الإسلامي العالمية في مدينة العلم والفن علي جراح (الهند) بتعاون واستضافة من مؤسسة العلامة أبي الحسن على الندوة التعليمية والخيرية فيها، وذلك في ٢٧-٢٨ / ربيع الأول ١٤٣٤ هـ الموافق ٩-١٠ / فبراير ٢٠١٣م، على عنوان "أدب السيرة في الأردية في القرن العشرين والمثل المثل فيه"، وذلك في رحاب مدرسة العلوم الإسلامية بعلي جراح الملحةقة بجامعة ندوة العلماء بلكاناؤ.

و الجدير بالذكر أن هذه الندوة الأدبية كان من المقرر أن تعقد تحت رئاسة سماحة الشيخ السيد محمد الرابع الحسني الندوبي رئيس رابطة الأدب الإسلامي العالمية لشبة القارة الهندية حسب المعتاد، ولكن مع الأسف حدثت هناك حادثة وفاة فضيلة الشيخ السيد عبد الله محمد الحسني الندوبي رحمة الله و هو من أحفاد سماحة الشيخ السيد أبي الحسن علي الندوبي رحمة الله و من أعز أقرباء سماحة الشيخ السيد محمد الرابع الحسني الندوبي حفظه الله، و ذلك قبل عقد الندوة بعشرة أيام فقط، فأصابته صدمة عنفية، فلم يتمكن الشيخ محمد الرابع و السيد محمد واضح رشيد أيضا من الحضور في الجلسة الافتتاحية، و لكنهما وصلا بعد نهاية اليوم الأول من الندوة. و ترأس الجلسة الافتتاحية سعادة الشيخ الدكتور سعيد الأعظمي الندوبي مدير دار العلوم ندوة العلماء بإيماء من سماحة الشيخ السيد محمد الرابع الندوبي. وقرأ في الجلسة الافتتاحية خطبته الرئاسية التي كان قد أعدها الشيخ محمد الرابع الندوبي حفظه الله من قبل، الأستاذ إقبال أحمد الندوبي.

و أضاف الشيخ السيد محمد الرابع الحسني الندوبي قائلاً و هو يلقي الضوء على أهمية الموضوع إن كتابة السيرة من أهم أصناف الأدب، فينبغي أن تكون الشخصية أو الشخصيات التي تكتب عن سيرتها و أحواها شخصية ممتازة و متصفة بصفات إنسانية فاضلة لتكون أسوة و قدوة للآخرين، و على كاتب السيرة أن يقدم خصائص و مزايا لتلك الشخصية تكون نافعة و مفيدة للآخرين و قابلة للإتساع و الاقتداء.

تقرير السكريتير:

كما قدم الشيخ نذر الحفيظ الندوبي تقرير سكريتير رابطة الأدب الإسلامي العالمية الشيخ محمد واضح رشيد الحسني الندوبي جاءت فيه بعض التفاصيل عن نشاطات و خدمات الرابطة، و خاصة لشبة القارة الهندية، و عن الموضوع و محاوره، و الأصول و القواعد لكتابة السيرة، و قال الشيخ محمد واضح رشيد الندوبي في تقريره إن الأدب الإسلامي يدعو إلى أن لا يكون الأدب وسيلة للتسلية وقضاء الوقت فحسب، وإنما هو وسيلة للتوجيه العقلي و التأثير الفكري. فهو أدب هادف بناء إذا روعي ذلك، و هو أدب مفسد إذا استخدم لذلك.

و قال و هو يذكر أهمية السيرة و كتابتها إنما من أهم أصناف الأدب، و قد سلمت بأهميتها في كل دور من الأدوار و في كل لغة من اللغات، و توجد لذلك نماذج مختلفة في لغات مختلفة، و تأتي في إطارها سير الأدباء و العلماء و المصلحين و القادة السياسيين و الحكماء و

الملوك و غيرهم. كما سجل بعض الشخصيات المعروفة بتجاربهم الشخصية و مشاهداتهم، و توجد لها ثروة عظيمة في اللغة الأردية.

كلمة الترحيب والاستقبال

وقدّم قبل ذلك الدكتور محمد غيث الصديقي مضيف الندوة و الداعي لها و رئيس مؤسسة العالمة أبي الحسن علي الندوي التعليمية و الخيرية بعلي جراه كلمته الترحيبية، ذكر فيها بالتفصيل تاريخ مدينة العلم و الفن على جراه، و ألقى الضوء كاملاً على نوابع العلم و الأدب فيها و الدور التعليمية و المؤسسات العلمية و المنظمات الخيرية، و خدمتها الدعوية و التعليمية و الإصلاحية. و ذكر بوجه خاص صلة مؤسسته و مدرسته و صلة جامعة علي جراه الإسلامية بندوة العلماء لكتاؤ.

كلمة الوفود

و تحدث في الجلسة الافتتاحية كل من السيد أحمد علي القائم مقام نائب شيخ الجامعة و البروفيسور أبو الكلام القاسمي و البروفيسور ظفر أحمد الصديقي و الشیخ محمد إلياس البهاتکلي الندوی، و أبدوا انبطاعاهم حول رابطة الأدب الإسلامي العالمية و عن هذه الندوة.

و في الأخير ألقى سعادة الشيخ الدكتور سعيد الأعظمي الندوي مدير دار العلوم ندوة العلماء كلمته الرئاسية، قال فيها إن الأدب يحتاج إليه في جميع نواحي الحياة و جوانبها، و الإنسان إذا انتقل من هذه الدنيا إلى دار الآخرة فالناس يذكرونها و يذكرون محسنه، و يقال له أدب السيرة، فكل إنسان يمر بهذه المرحلة فينال جزءاً منه لا محالة، و قد بدأ كتابة السيرة في العربية و في اللغات العالمية الأخرى من سيرة رسول الله صلى الله عليه و سلم، و تزخر لغتنا الأردية أيضاً بهذه الثروة القيمة كمثل سيرة النبي للعلامة شibli التعمانى و تلميذه النجيف السيد سليمان الندوى، و مؤلفات سماحة الشيخ السيد أبي الحسن علي الحسيني الندوى رحمه الله تعالى.

جلسات البحث

بعد الجلسة الافتتاحية عُقدت خمس جلسات للبحوث و المقالات، قدّم من خلالها ما يقارب أربعين بحثاً قيماً على المحاور المختلفة لموضوع الندوة.

أسماء رؤساء جلسات البحث

و أما أسماء من ترأسو جلسات البحث الخمس بالترتيب فهم (١) البروفيسور السيد احتشام أحمد الندوی رئيس قسم اللغة العربية و آدابها بجامعة كاليكوت، كيرلا (٢) البروفيسور شفيق أحمد خان الندوی رئيس قسم اللغة العربية سابقاً بالجامعة الملة الإسلامية دلهي (٣) الشيخ محمد عمر الصديق الندوی نائب مدير مجلة معارف بأعظم جراه (٤) البروفيسور عبد الباري رئيس قسم اللغة العربية سابقاً بجامعة علي جراه الإسلامية و (٥) الشيخ اشتياق أحمد الظلي مدير دار المصنفين بأعظم جراه. بينما أدار الجلسات بالترتيب كل من الشيخ كمال أختر الندوی رئيس هيئة التدريس بجامعة السيد أحمد الشهيد كتولي مليح آباد (٦) الدكتور جمشيد أحمد الندوی من قسم اللغة العربية و آدابها بجامعة علي جراه الإسلامية (٧) الشيخ محمد آدم علي الندوی الأستاذ بمدرسة العلوم الإسلامية علي جراه (٨) الشيخ محمد علاء الدين الندوی الأستاذ بجامعة ندوة العلماء لكتاؤ و (٩) الشيخ نجيب الحسن الصديقي الندوی سكرتير جامعة المؤمنات الإسلامية بلكتاؤ.

قائمة أسماء الباحثين

أما الذين قدموا بحوثهم في الندوة على محاور الموضوع المختلفة فقائمة أسمائهم طويلة، و فيما يلي أسماء بعض أهم الباحثين، وفي مقدمتهم:

فضيلة الشيخ السيد محمد الرابع الحسني الندوی، و فضيلة الشيخ السيد محمد واضح رشيد الحسني الندوی، و الدكتور سعيد الأعظمي الندوی، و البروفيسور السيد احتشام أحمد الندوی رئيس قسم اللغة العربية و آدابها بجامعة كاليكوت، كيرلا، و البروفيسور عبد العليم القدوائي علي جراه، و البروفيسور سعود عالم القاسمي رئيس قسم العلوم الدينية بجامعة علي جراه الإسلامية، و الشيخ السيد سلمان الحسني الندوی رئيس قسم الدعوة و الإعلام بجامعة ندوة العلماء، و البروفيسور شفيق أحمد خان الندوی رئيس قسم اللغة العربية سابقاً بالجامعة الملة الإسلامية دلهي، و الشيخ محمد عمر الصديق الندوی نائب مدير مجلة معارف بأعظم جراه، و الأستاذ محمد علاء الدين الندوی المدرس بجامعة ندوة العلماء، و الدكتور السيد راشد نسيم الندوی رئيس قسم اللغة العربية بالجامعة العثمانية حيدر آباد، و البروفيسور أبو سفيان الإصلاحي، و البروفيسور عبد الباري رئيس قسم اللغة العربية بجامعة علي جراه سابقاً، و الدكتور تابش مهدي، و الشيخ محمد إنعام الله القاسمي، و الشيخ إقبال أحمد الندوی المدرس بجامعة ندوة العلماء لكتاؤ، و الدكتور صباح إسماعيل الندوی من كولكاتا، و الشيخ نجيب

الحسن الصديقي الندوى سكرتير جامعة المؤمنات الإسلامية بل Kavanaugh، و الدكتور عبد إقبال عاصم علي جراه، و الشيخ شاكر فرخ الندوى الأزهري مدير مجلة المظاهر بسهامنفور، و الشيخ سعود الحسن الندوى من غازيفور، و الشيخ محمد ناصر أبوب الندوى يمنا نجر، و الأخ محمد ذاكر الندوى الباره بنكوي، و الأخ محمد ذاكر السهامنفورى، و الأخ مظهر إحسان الفورنوى، و الأخ محمد أسلم المهاشترى، و الأخ خورشيد عالم الميرفى، و الأخ محمد صفوان الكلكتوى، و الأخ ممتاز أحمد كل هؤلاء الإخوة من طلبة دار العلوم لندوة العلماء، و الدكتور غيات الإسلام الصديقي الندوى دلهى، و الدكتور سفيان حسان الندوى بوفال، و الشيخ سراج المدى الندوى بحيدر آباد و الدكتور شهاب الدين عليه جراه، و الدكتور محمد جرجيس كريمى على جراه، و الدكتور عبد الخالق الندوى على جراه، و الدكتور محمد ثاقب الندوى على جراه، و الشيخ قمر الزمان الندوى برتاب جراه و الشيخ محمد شاهد سهامنفور و غيرهم.

برنامج تمثيلي لطلبة مدرسة العلوم الإسلامية

و بهذه المناسبة عقد طلاب مدرسة العلوم الإسلامية بعلي جراه برنامجاً تمثيلياً لخطابات بعض العلماء و القادة الماضين الذين أيدوا حركة ندوة العلماء في زمنهم أو رفعوا مستواها معاييرهم، فألقى الطلاب خطابات لهم بلهجاتهم وأساليبهم و اقتدوا بهم في ذلك أحسن اقتداء، فبعض من الطلاب مثلوا العلامة شibli النعيمي وبعض منهم مثلوا النوائب محسن الملك وبعضهم مثلوا سماحة الشيخ السيد أبي الحسن علي الحسيني الندوى رحمهم الله في خطاباتهم. وقد ترأس البرنامج سعادة الدكتور سعيد الأعظمي الندوى حفظه الله.

المجلسة الختامية القرارات

بعد المجلسة الافتتاحية و خمس جلسات للبحوث انعقدت المجلسة الختامية في ١٠ / فبراير ٢٠١٣م تحت رئاسة سماحة الشيخ السيد محمد الرابع الحسيني الندوى، عرضت على الحفل أولاً قرارات وافق عليها الحضور بالصوت، قرأتها الشيخ نذر الحفيظ الندوى، ثم قدم بعض الحضار انطباعاتهم و مدى تأثرهم بالندوة.

و مما جاء في القرارات أن الأدب جعل الأدباء المترحرون يستخدمونه لأغراضهم الخسيسة لنشر الإباحية و الخلاعة و الجحود فعلى الأدباء المسلمين و العلماء و المفكرين أن يواجهوا هذا

التيار و يستخدمو الأدب لتكوين السيرة المثالية و نشر الفضائل الإنسانية. و أن يقام فرع لرابطة الأدب الإسلامي العالمية في علي جراح، و كما صدر كتاب معجم الأدباء الإسلاميين المعاصرين في ثلاثة أجزاء من فرع العرب للرابطة ينبغي أن تجمع أحوال الأدباء الإسلامية و كتاباتهم الأدبية لشبه القارة الهندية أيضاً، و يقوم بهذا العمل فرع علي جراح.

الخطاب الرئاسي

و في الأخير ألقى سماحة الشيخ السيد محمد الرابع الحسني الندوبي كلمته الختامية الرئيسية، فقال إن من أهداف رابطة الأدب الإسلامي العالمية أن تروج الأخلاق الإنسانية الفاضلة و المثل العليا للصلاح و التقوى و خدمة الإنسانية، و قد أنزل الله تعالى القرآن الكريم على نبيه الكريم صلى الله عليه و سلم و هو أفعص العرب بل أفعص العالمين جميعاً مع كونه أمياً لا يقرأ و لا يكتب، و القرآن مليء بنماذج من الأدب الرفيع البناء و يدعو إلى الأخلاق الإنسانية العالية. و قد وعد الله تعالى بحفظ كلامه و بالتالي حفظ اللغة العربية و ما يتعلق بها من العلوم و الفنون. و يوجد في القرآن الكريم تأثير لا يعادله أي تأثير، و حلاوة فوق كل حلاوة، فمن يقرأ القرآن و يتذمر فيه يتاثر به تأثراً كبيراً. و قال سماحته أيضاً إن الأدب قد سبّ استخدامه للهدم و التخريب و الفوضى و الفساد، فالحاجة ماسة إلى أن يجعل الأدب أدباً إسلامياً و إنسانياً و أدباً هادفاً نبيلًا يدعو إلى الصلاح و الأخلاق، فإن الأدب كمثل سكين ذي شرفتين، يمكن استخدامه في الخير و الشر كلديهما، فتعود المسئولية علينا أن نستخدمه للخير و البناء، لا الشر و الفساد.

كلمة الشكر

و أخيراً تقدم الدكتور طارق الأيوبي الندوبي مدير مدرسة العلوم الإسلامية و منسق الندوة بتوجيه أسمى معاني الشكر و التقدير إلى المندوبيين و المساهمين و الحضور، و انتهت الندوة بدعاء من رئيس الرابطة و رئيس الجلسة.

ندوة حول "مساهمة الحكيم شرف حسين الرحيم آبادي في أدب الأطفال"

برعاية كريمة من سماحة الشيخ السيد محمد الرابع الحسني الندوى الرئيس العام لندوة العلماء ورئيس رابطة الأدب الإسلامي العالمية للدول شرق آسيا عقد مكتب الرابطة في لكانؤ ندوة ليوم في ٢٩/١٤٣٤هـ المصادف ٩/يونيو ٢٠١٣م في القاعة العباسية بدار العلوم لندوة العلماء لكانؤ، حول "مساهمة الحكيم شرفت حسين الرحيم آبادي في أدب الأطفال". بمشاركة فعالة من أصحاب العلم والأدب وأعيان البلدة وأساتذة الدار وطلابها، وقدمت عدة مقالات حول خدمات الشيخ شرفت حسين الرحيم آبادي وكتبه الأدبية للناشئة، ولاقت الندوة قبولاً وتفطية واسعة، وعالج المشاركون في الندوة جوانب مختلفة من أدبه، وبخاصة جوانبه التربوية والخلقية، وأكدوا على نشر كتبه بشوب قشيب ببطاق واسع.

تحدث في الندوة سماحة الشيخ السيد محمد الرابع الحسني الندوى فقال في كلمته الرئاسية: لم يهتم الأدباء قبل نصف قرن بأدب الأطفال، ولم تعد كتابات صالحة وملائمة لطبيعة الأطفال ومستواهم الذهني، ثم بدأت الجهود في هذا المجال، وظهرت كتب حول أدب الأطفال والناشئة في اللغة العربية والأردية في نطاق ضيق، فكانت الحاجة تنس إلى تطوير أدب الأطفال وخاصة في أردو، وتوسيع نطاقه، وقد قام الأدباء العرب بإعداد كتب في أدب الناشئة، ولكنها كان ينفقها الشمول والجامعية، ويغلب عليها اللون المحلي، وينقصها روح الدين والأخلاق لغبة الاشتراكية في ذلك العصر، فشعر مسئولو ندوة العلماء وخربيوها بعسیس الحاجة إلى إعداد كتب حاملة للتصور الإسلامي، وملائمة لطبيعة الأطفال ومستواهم العقلي، تساعد في تعليم اللغة العربية بأسلوب شيق معاصر، فألف العلامة الشيخ أبو الحسن علي الحسني الندوى سلسلة قيمة لأدب الأطفال كـ"قصص النبيين" وـ"القراءة الراسدة" وـ"مختارات من أدب العرب" وـ"قصص من التاريخ الإسلامي"، وفي جانب آخر قام صديقه حكيم شرفت حسين بإعداد كتب حول أدب الأطفال في المنظور الإسلامي باللغة الأردية، وهذه الندوة عقدت لدراسة مساهمته الفعالة في أدب الأطفال وإبراز دوره الرائد في هذا الحقل.

وقال سماحته وهو يلقي الضوء على جهود العلامة الندوى في إعداد كتب في أدب الأطفال ومساعي الرابطة في تطوير هذا التراث الأدبي: دعا العلامة الندوى الأدباء العرب

إلى التخلص من النطاق الضيق للأدب، وقال لهم: لا تحصروا الأدب في الحدود غير الإسلامية، وبل وسعوا نطاقه إلى الحاجة الإسلامية، وقدم فكرة الأدب الإسلامي وخطته فليبي الأدباء العرب دعوته، بل احتضنوها وشاركوا في إنشاء رابطة الأدب الإسلامي العالمية فبدأت الحركة، وتوسّع نطاقها حتى انتشرت فروعها في أنحاء مختلفة في العالم، وتشتد الحاجة إليها اليوم .

وقال سماحته: وظيفة الأدب تبادل المشاعر بواسطة اللغة، ونقل الأحساس إلى الآخرين، والتأثير بهما، وله حدود شروط، وتقتضى المثل الإنسانية والقيم الخلقية أن لا يكون الأدب حراً، ولا يكون سبباً للتدمير والإفساد، وتقع الجرائم في أغلب الأحيان بسبب الإحساس، والإسلام هو الذي يقدم الأدب الصالح البناء الملائم، فلذلك يدعى الأدب الذي يدعو إلى البناء والصلاح والالتزام "الأدب الإسلامي" كما يستحق أن يقال لهذا الأدب الصالح "الأدب الإنساني" بالإضافة إلى الأدب الإسلامي، وذلك لأن أي فلسفة من الفلسفات المادية، أو دين من الأديان لا يستطيع تقديم هذا الأدب الصالح البناء الملائم إلا الإسلام، فالآدب المتصف هذه الصفات يدعى الأدب الإسلامي .

ثم تحدث في الندوة فضيلة الشيخ محمد واضح رشيد الحسني الندوي رئيس الشؤون التعليمية لندوة العلماء والأمين العام لرابطة الأدب العالمي لشبة القارة الهندية، فقال: الأدب موضوعه واسع ومتتنوع جداً، وتزخر المكتبة العربية بأدب الناشئة باللغة العربية، ومتذبذب الهند من بين الدول الأخرى بأنها حققت بناهاً باهراً في حقل أدب الأطفال، وساهم خريجو ندوة العلماء مساهمة كبيرة في تنمية أدب الناشئة وتطوير نطاقها كما تدل على ذلك كتب الشيخ الندوي وتلامذته، وكانت لحكيم شرافت حسين صلة عميقة بمسئولي الندوة واستفاد منهم استفادة خاصة، ثم أعد كتاباً حول أدب الأطفال في المنظور الإسلامي، وتغرس كتبه في دارسيها حب الرسول صلى الله عليه وسلم، وحب الصحابة، والصحابيات، وتدعوهم إلى الانصاف بالصفات الكريمة؛ من الأمانة، والصدق، والوفاء، وحب الخير، والأخوة، والحبة، وعاطفة التعاون، وتربيتهم على المبادئ الإسلامية والالتزام بالتعاليم الإسلامية.

وتحدث في الندوة فضيلة الدكتور سعيد الأعظمي الندوي مدير جامعة ندوة العلماء فألقى الضوء على صيته بالحكيم شرافت حسين وقدم استعراضاً موحاً لكتبه الأدبية.

ومن المتحدثين الآخرين في الندوة سعادة الأستاذ نذر الحفيظ الندوي عميد كلية اللغة العربية وآدابها بدار العلوم لندوة العلماء، وسعادة الأستاذ السيد سلمان الحسيني الندوي عميد كلية الدعوة والإعلام بالدار، والدكتور مسعود الحسن العثماني، والدكتور محمد غيث الدين الندوي، والأستاذ إقبال أحمد الندوي، والأستاذ ضياء الحسن، والدكتور تابش مهدي، والمكرم سليمان الرحيم آبادي منسق الندوة.

وبهذه المناسبة وزعت الجوائز على الفائزين في مسابقة الكتابة حول "القصة في القرآن الكريم" و"القصة في الحديث النبوي" وكان قد عقدتها مكتب الرابطة بل Kavanaugh بين طلاب دار العلوم لندوة العلماء وشارك فيها عدد ملحوظ من طلاب الدار..